

إرشاد السالكين إلى رياض الصالحين
المعروف به

حدیث کے اصلاحی مضمونیں

جلد پانزدہم

فتنہ یا جوج، فتنہ و جال اور دیگر علامات قیامت

استغفار اور اس کے فضائل

خاتمہ

جنت اور اس کی نعمتیں

(افادہ)

حضرت مولانا مفتی احمد رضا خان پوری دابر کاظم

شیخ الحدیث، صدر مفتی جامعہ اسلامیہ لیم الدین، ڈابھیل

ناشر

مکتبہ محمودیہ

محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

إرشاد السالكين إلى رياض الصالحين

المعروف به

حدیث

کے

اصلاحی مضامین

جلد پانزدہم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی و حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

ناشر

مکتبہ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:..... حدیث کے اصلاحی مضامین (جلد پانزدہم)

افادات:..... حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خاں پوری دامت برکاتہم

بہ اہتمام:..... خدام حضرت اقدس دامت برکاتہم

صفحات:..... ۳۱۲

ناشر:..... مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

ان مضامین کو انٹرنیٹ سے حاصل کرنے اور ہر سینیچر کو براہ راست حضرت اقدس کی
مجلس سننے کے لیے حسب ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

☞ شعبہ فیض محمود، سورت، Mo: 99988,31838

☞ ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ ڈابھیل، Mo: 99133,19190

☞ مکتبہ محمدیہ (مفتی سلیمان شاہوی) ترکیسر Mo: 88666,21229

☞ مکتبہ انور (مفتی عبدالقیوم راجکوٹی) ڈابھیل Mo: 99246,93470

☞ مکتبہ ابو ہریرہ، کھروڈ Mo: 9925652499

☞ مکتبہ الاتحاد دیوبند Mo: 98972,96985

☞ الامین کتابستان، دیوبند Mo: 9557515199

☞ مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہ (دارالعلوم رحیمیہ باندی پورہ کشمیر)

اجمالی فہرست مضامین جلد پانزدہم

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	بَابُ الْمَنْثُورَاتِ وَالْمُلْحِ باب احادیث الدجال وأشراف الساعة وغيرها ظہور مہدی، فتنہ ظہور دجال، نزول حضرت مسیح	۱۹
۲	کِتَابُ الْإِسْتِغْفَارِ بَابُ الْأَمْرِ بِالْإِسْتِغْفَارِ وَفَضْلِهِ	۱۷۲
۳	باب بیان مَا أَعَدَّ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمُؤْمِنِينَ فِي الْجَنَّةِ	۱۹۳

تفصیلی فہرست مضامین جلد پانزدہم

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	اداریہ	۱۵

بَابُ الْمَنْثُورَاتِ وَالْمُلْحِ باب احادیث الدجال وأشرار الساعة وغيرها ظہور مہدی، فتنہ ظہور دجال، نزول حضرت مسیح		
۱	پانی آگ اور آگ پانی	۳۲
۲	ختم دجال کے بعد کا منظر	۳۴
۳	دجال مکہ و مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا	۳۸
۴	دجال کے لشکر میں ستر ہزار یہودی ہوں گے	۳۸
۵	فتنہ دجال کے وقت اہل ایمان کا حال	۳۹
۶	دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں	۳۹
۷	ایک مؤمن اور دجال کا مقابلہ	۴۰
۸	دجال کے پاس روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی	۴۲
۹	ہر نبی نے دجال سے ڈرایا ہے	۴۳
۱۰	وہ ایک بات جو کسی نبی نے نہیں بتائی	۴۳
۱۱	اللہ تعالیٰ کی آنکھ میں عیب نہیں ہے	۴۴

۴۴	قیامت سے پہلے مسلمان اور یہودیوں کی جنگ ہوگی	۱۲
۴۵	قرب قیامت ٹینشن انتہا کو پہنچ جائے گا	۱۳
۴۶	دریائے فرات میں سے سونے کا پہاڑ نمودار ہوگا	۱۴
۴۷	پالتو جانور بھی وحشی بن جائیں گے	۱۵
۴۸	مال کی کثرت ہو جائے گی	۱۶
۴۹	قرب قیامت کی دو نشانیاں؛ مال اور عورتوں کی کثرت	۱۷
۵۰	دلچسپ واقعہ	۱۸
۵۱	دلچسپ فیصلہ	۱۹
۵۲	نیک لوگ آہستہ آہستہ دنیا سے رخصت ہوں گے	۲۰
۵۳	اصحاب بدر کی فضیلت	۲۱
۵۳	عمومی عذاب کی لپیٹ میں سب ہی آجاتے ہیں	۲۲
۵۴	اسطوانہ حثانہ	۲۳
۵۶	جامع روایت	۲۴
۵۶	حضور اکرم ﷺ کی نوش فرمائی ہوئی ایک غذا (مڈی)	۲۵
۵۷	ایمان والا بڑا محتاط ہوتا ہے	۲۶
۵۸	وہ تین آدمی جن سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں	۲۷
۶۰	دو صورتوں کے درمیان کا فاصلہ	۲۸
۶۱	جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو	۲۹

۳۰	امانت کے ضائع ہونے کا مطلب	۶۳
۳۱	ذمہ دار کی کوتاہی کا وبال اسی پر	۶۴
۳۲	بہترین لوگ	۶۵
۳۳	پابہ زنجیر جنت میں	۶۶
۳۴	حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ	۶۶
۳۵	وہ کہاں اور تم کہاں!	۶۹
۳۶	محبوب ترین اور مبغوض ترین جگہیں	۶۹
۳۷	بازار شیطان کا دار السلطنت ہے	۷۰
۳۸	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے دعائے مغفرت	۷۱
۳۹	بے شرم بن، پھر جو چاہے کر	۷۲
۴۰	قیامت کا سب سے پہلا فیصلہ	۷۳
۴۱	کون کس چیز سے بنا؟	۷۳
۴۲	قرآن کریم کا عملی نمونہ	۷۴
۴۳	مؤمن اور کافر کی موت کا منظر	۷۵
۴۴	شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے	۷۶
۴۵	غزوہ حنین	۷۸
۴۶	ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی اُمیہ کے اسلام کا قصہ	۸۵
۴۷	رزقِ حلال کی اہمیت	۸۸
۴۸	ناپاک کپڑا ناپاکی کے ذریعہ پاک نہیں کیا جاسکتا	۹۰

۴۹	غلط فہمی نہ ہو	۹۱
۵۰	حلال مال کھاؤ اور نیک عمل کرو	۹۲
۵۱	روزی کا قدرتی اثر	۹۳
۵۲	ایک لقمہ کا اثر	۹۴
۵۳	شاہ جی عبداللہ کا واقعہ	۹۴
۵۴	ظالموں کو اہل اللہ کا مال راس نہیں آتا	۹۵
۵۵	بہترین مثال	۹۶
۵۶	گناہ نہ چھوٹنے کا ایک اہم سبب	۹۷
۵۷	جو گوشت حرام غذا سے پرورش پائے	۹۷
۵۸	اجازت کے بغیر ذبح کی ہوئی بکری	۹۸
۵۹	آقا اور غلاموں کے احوال کا فرق	۹۹
۶۰	ایک اہم تعلیم	۹۹
۶۱	ہمارے اکابر اور نعمتوں کی قدردانی	۱۰۰
۶۲	ظریفانہ مقولہ	۱۰۱
۶۳	میں اپنا تھوکا ہوا چاٹ بھی سکتا ہوں	۱۰۱
۶۴	حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا احتیاط	۱۰۲
۶۵	حضرت ابو بکر صدیقؓ کا احتیاط	۱۰۳
۶۶	امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط	۱۰۵

۶۷	جس کی غذا حرام ہوگی	۱۰۶
۶۸	تہامہ پہاڑ کے برابر نیکیاں ضائع	۱۰۶
۶۹	ایک زمانہ آنے والا ہے	۱۰۷
۷۰	دعا قبول نہیں	۱۰۷
۷۱	نماز قبول نہیں	۱۰۷
۷۲	نا قابلِ معافی تین گناہ	۱۰۹
۷۳	دنیا میں جنت کی چار نہریں!	۱۱۱
۷۴	جنت کی نہروں کا مطلب	۱۱۱
۷۵	محققین کا رائج قول	۱۱۲
۷۶	کون سے دن کیا پیدا کیا گیا؟	۱۱۳
۷۷	جنگِ مؤتہ اور حضرت خالد بن ولیدؓ	۱۱۴
۷۸	دو ہزار اجر؛ ورنہ ایک ثواب	۱۱۹
۷۹	بخارا اور اس کا علاج	۱۲۰
۸۰	میت کے ذمہ فرائض باقی ہوں تو؟	۱۲۲
۸۱	حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے حضرت عائشہؓ کی ناراضگی کا قصہ	۱۲۳
۸۲	حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی تمنا	۱۲۹
۸۳	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے بارے میں خدشہ	۱۳۰
۸۴	پوری امت کے لیے بڑی تسلی کی بات	۱۳۳

۱۳۳	۸۵	حضور اکرم ﷺ نے پورے دن وعظ فرمایا
۱۳۴	۸۶	نیکی کی نذر درست ہے، گناہ کی نہیں
۱۳۵	۸۷	گرگٹ، چھپکلی کو مارنے میں نیکیاں ملیں گی
۱۳۷	۸۸	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چھپکلی مارنے کے لیے بھالا رکھا
۱۳۷	۸۹	اخلاص سے دیا ہوا صدقہ فائدہ سے خالی نہیں ایک قصہ
۱۴۱	۹۰	قصہ شفاعت درمیدان قیامت
۱۵۰	۹۱	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توریہ کے تین واقعات
۱۵۵	۹۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھرانے کی قربانیوں کی تاریخ
۱۷۰	۹۳	کھمبی من کی قسم ہے
۱۷۱	۹۴	کھمبی کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے
کتاب الاستغفار باب الأمر بالاستغفار وفضله		
۱۷۳	۹۵	استغفار کے متعلق آیات قرآنیہ
۱۷۴	۹۶	عذاب الہی سے بچانے والی دو چیزیں
۱۷۵	۹۷	اللہ کے علاوہ کون معاف کرنے والا ہے
۱۷۵	۹۸	حضور ﷺ کا استغفار کا اہتمام
۱۷۶	۹۹	روزانہ ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار

۱۰۰	انسانوں کی پیدائش کا ایک خاص مقصد	۱۷۷
۱۰۱	گناہ کا مادہ رکھنے کی پہلی وجہ	۱۷۹
۱۰۲	دوسری وجہ	۱۸۰
۱۰۳	حضرت آدم علیہ السلام کی صفتِ عبدیت	۱۸۰
۱۰۴	صفتِ غفاریت کا ظہور اس طرح ہوگا	۱۸۲
۱۰۵	ایک مجلس میں سومرتبہ استغفار	۱۸۳
۱۰۶	استغفار پر تین بڑے بڑے وعدے	۱۸۳
۱۰۷	جو وعدے تقویٰ پر وہی استغفار پر	۱۸۴
۱۰۸	استغفار کے ایک جملہ پر عجیب نتیجہ	۱۸۴
۱۰۹	سید الاستغفار	۱۸۵
۱۱۰	عبادات کے اختتام پر استغفار	۱۸۷
۱۱۱	زندگی کے آخری ایام میں استغفار کی کثرت	۱۸۸
۱۱۲	استغفار سے شرک کے علاوہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں	۱۸۹
۱۱۳	عورتوں کو کثرت استغفار کا حکم	۱۹۰
باب بیان مَا أَعَدَّ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمُؤْمِنِينَ فِي الْجَنَّةِ		
۱۱۴	جنت میں کدورت اور تھکاؤٹ نہیں ہوگی	۱۹۳
۱۱۵	یہی وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنائے گئے	۱۹۵
۱۱۶	خوشحال آدمی کے لیے جو ہو سکتا ہے وہ سب جنت میں ہوگا	۱۹۵

۱۹۶	مقربین کے لیے جنت کا ایک چشمہ	۱۱۷
۱۹۸	جنتیوں کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی	۱۱۸
۱۹۹	اللہ کا ذکر سانس کی طرح جاری رہے گا	۱۱۹
۱۹۹	آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان	۱۲۰
۲۰۰	جنت میں داخل ہونے والی پہلی دو جماعتوں کی کیفیت	۱۲۱
۲۰۳	جنت اور اس میں جنتیوں کے لیے تیار کردہ نعمتوں کا بیان	۱۲۲
۲۰۴	جنت کی نہروں، پہاڑوں اور اس میں سے جو دنیا میں ہے ان کا بیان	۱۲۳
۲۰۷	یا جوج ماجوج کے خروج کے وقت ان نہروں اور قرآن کریم کے اٹھنے کا بیان	۱۲۴
۲۰۹	جنت کے درختوں پھلوں اور ان پھلوں کا بیان جو دنیا میں جنت کے پھلوں کے مشابہ پائے جاتے ہیں	۱۲۵
۲۱۳	جنت کے درخت اور نہریں، جنت والوں کے کپڑے، گھوڑے اور اونٹنیاں بنائیں گے	۱۲۶
۲۱۵	جنت کے دروازے، ان کی تعداد، اور یہ کہ وہ کس کے ہوں گے، ان کے نام کیا ہیں؟ اور وہ کتنے کشادہ ہوں گے؟	۱۲۷
۲۱۹	جنت کے درجات کا بیان اور یہ کہ مؤمن کو کون سا درجہ ملے گا	۱۲۸
۲۲۱	بالا خانوں اور اس کے مستحقین کا بیان	۱۲۹
۲۲۴	جنت کے محلات، مکانات اور کمروں کا بیان اور یہ کہ وہ مؤمنوں کو کس طرح حاصل ہوں گے	۱۳۰
۲۲۶	جنت کے خیموں اور بازاروں کا بیان	۱۳۱

۲۲۸	جنت میں کوئی شخص بغیر پاسپورٹ کے داخل نہ ہو سکے گا	۱۳۲
۲۲۸	اہل جنت کے مراتب، عمریں، لمبائی، شباب، بالاحنانوں، کپڑوں، کنگھیوں، دھونی، بیویوں اور عورتوں وغیرہ کا بیان	۱۳۳
۲۳۲	بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں، ان کی گفتگو اور عورتوں کا جواب اور ان کے حسن و جمال کا بیان	۱۳۴
۲۳۴	موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں کا مہر اعمالِ صالحہ ہے	۱۳۵
۲۳۸	حوریں کس چیز سے پیدا کی گئیں	۱۳۶
۲۳۹	دنیا میں جو کنواری سے شادی کرے گا وہ آخرت میں اس کی بیوی بنے گی	۱۳۷
۲۴۰	جنت میں ہر نعمت دائمی اور ابدی ہوگی، نہ وہ پرانی ہوگی اور نہ اس کو فنا اور زوال ہوگا	۱۳۸
۲۴۱	جنتی عورت دنیا والے اپنے شوہر کو دنیا ہی میں دیکھتی ہے	۱۳۹
۲۴۲	جنت کے پرندوں، گھوڑوں اور اونٹوں کا بیان	۱۴۰
۲۴۴	دنبے اور بکرے کا جنت کے چوپایوں میں سے ہونے کا بیان	۱۴۱
۲۴۴	جنت میں کم سے کم تر اور اعلیٰ سے اعلیٰ تر درجے والے کو کیا کچھ ملے گا؟	۱۴۲
۲۴۶	اللہ جل شانہ کی رضا کا پروانہ جنتیوں کے لیے جنت کی تمام نعمتوں سے افضل ہے	۱۴۳
۲۴۷	اللہ جل شانہ کا دیدار جنتیوں کو تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب ہوگا	۱۴۴
۲۵۰	سب سے کم درجے والا اور سب سے اونچے درجے والا کون؟	۱۴۵
۲۵۱	سب سے آخر میں جہنم سے نکلنے والے جنتی کی جنت	۱۴۶

۲۵۳	”One piece“ جنت	۱۴۷
۲۵۴	جنت کا ایک درخت اور اس کا سایہ!	۱۴۸
۲۵۵	جنتیوں کا اپنا الگ الگ بنگلہ ہوگا	۱۴۹
۲۵۶	جنت کی ایک کمان کی لکڑی کا آدھا حصہ دنیا سے بہتر ہے	۱۵۰
۲۵۶	جنت کا بازار اور اس کی کیفیت	۱۵۱
۲۵۷	ہر جنتی کا مکان دور دور ہوگا	۱۵۲
۲۵۸	جنت میں ایسی نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی، نہ کسی کے دل میں خیال اور وسوسہ گزرا	۱۵۳
۲۵۹	جنتی ہمیشہ نعمتوں میں رہیں گے	۱۵۴
۲۵۹	جنتی تمنا کرے گا وہ سب اور اس کا دو گنا دیا جائے گا	۱۵۵
۲۶۰	اللہ تعالیٰ کی ایسی خوشنودی جس کے بعد کبھی ناراضگی نہیں	۱۵۶
۲۶۱	ہر ایک کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار آسانی کے ساتھ ہو جائے گا	۱۵۷
۲۶۱	اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہوگا	۱۵۸
۲۶۵	دعا	۱۵۹
۲۷۸	خاتمہ	
۲۹۶	”حدیث کے اصلاحی مضامین“ کی تمام جلدوں کی اجمالی فہرست	

باسمہ تعالیٰ

اداریہ

حضرات مصنفین کا زمانہ قدیم سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنی مصنفات میں مضامین کو ابوابِ مخصوصہ کے ذیل میں بیان کر کے جب فارغ ہو جاتے ہیں تو اخیر میں ”متفرقات“ کی ایک سرخی قائم کر کے ان میں ایسے مضامین ذکر فرماتے ہیں جن کو کسی ایک خاص عنوان کے تحت ذکر کرنا مشکل ہوتا ہے۔

فقہ و مسائل کی تو شاید ہی کوئی کتاب اس قسم کے عنوان سے خالی ہو، البتہ احادیث کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ بات نسبتاً کم ہے، لیکن ہمارے امام نوویؒ نے اپنی مقبول و متبرک کتاب ”ریاض الصالحین“ کے جھومر میں آخری دو ٹکینے ایسے جڑے ہیں کہ واقعہً داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے، ایک ٹکینہ تو ”متفرقات“ کا ہے، اور دوسرا اس جھومر کا سب سے آخری ٹکینہ ”جنت کی منظر کشی“ کا ہے۔

متفرقات والے عنوان کے لیے علامہؒ نے ”منشورات و ملح“ کی تعبیر اختیار فرمائی ہے، اس میں حضرت مصنف نے قیامت کی علامات کے علاوہ کچھ دلچسپ مضامین کی احادیث بھی ذکر فرمائی ہیں۔

انسان کے مزاج میں تنوع پسندی ہے، حضرت نبی کریم ﷺ اپنی مجلس بابرکت میں گاہے بوقلموں مضامین بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے، لیکن ان کی خوبصورتی یہ ہے کہ انسان کے دل کو انتہائی چھونے والی باتیں ہیں، خالی لفاظی و لسانی نہیں، ان میں کہیں نہ کہیں پند و موعظت بھی ہے۔ سرِ دست صرف ایک مثال لیتے ہیں:-

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک شخص نے دوسرے سے زمین خریدی، خریدار کو اس زمین میں سونا بھرا ہوا گھڑا ملا، اس نے بائع سے کہا: اپنا سونا لے لو، کیونکہ میں نے آپ سے زمین خریدی ہے، سونا نہیں خریدا۔ بائع نے کہا: میں نے زمین بھی بیچی اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب بیچ دیا۔ دونوں فیصلہ کے لیے ایک تیسرے شخص کے پاس گئے۔ اس نے فیصلہ بڑا دلچسپ کیا۔ اس نے پوچھا: تمہاری کوئی اولاد ہے؟ ایک نے کہا: میرا ایک لڑکا ہے۔ دوسرے نے کہا: میری لڑکی ہے۔ اس نے کہا: دونوں کا باہم نکاح کر دو اور ان کے نکاح میں یہ سونا خرچ کر لو، اور باقی صدقہ کر دو۔ (حدیث نمبر: ۱۸۲۶)

فیصلہ جتنا دلچسپ ہے؛ اس سے زیادہ تو جھگڑا دلچسپ ہے۔ کیا خیر و صلاح کا زمانہ رہا ہوگا! یہ صورت حال اگر آج پیدا ہو تو شاید نہیں، یقیناً معاملہ بالکل برعکس ہو۔

اللہ ما شاء اللہ۔ غرض کہ ایسے مضامین جو فرحت و نشاط انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیز بھی ہیں۔ کیا شان تھی ہمارے نبی ﷺ کی کہ لطائف و ظرائف میں بھی امت کے لئے معارف چھوڑ گئے۔

جنت اور اس کی منظر کشی تو ایسی چیز ہے کہ اگر سلیقہ کے ساتھ تفصیل سے ہو تو انسان دنیا چھوڑنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے، مؤلف مکرم نے اپنی مبارک تالیف کو اسی عنوان پر ختم کیا ہے، شاید قارئین کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں:

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے	یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے
------------------------------	--------------------------------

تذکرہ جنت ہر مسلمان کا پسندیدہ موضوع ہے اور ہونا بھی چاہیے کہ وہ دنیا سے دل کو سرد کرنے میں بڑا موثر ہے، اسی لئے ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم نے خصوصی اہتمام فرما کر اس سلسلہ کے اضافی مضامین بھی سنائے۔ اسی پر ہماری یہ سیر مکمل ہو رہی ہے۔

محدث کبیر بیچی بن شرف نوویؒ نے ایک گلشن سجایا، اس کو ریاض الصالحین کا نام دیا، نیک لوگوں کی کیاریاں اور پارک۔ کتاب کے معنوی حسن و ذائقہ کا تو کیا پوچھنا کہ اس میں تو آسمانی مضامین ہی ہیں؛ نیک بخت محدث نے نام بھی ہلکا پھلکا اور لطیف تجویز فرمایا، ایک طرح سے اشارہ دیدیا کہ مؤمن کی سیر و تفریح یہی ہونی چاہیے۔ ان ہی مضامین سے اس کا دل بہلنا چاہیے، ان ہی میں اس کو لطف آنا چاہیے، مذاق کا پاکیزہ ہونا شرط ہے؛ ورنہ بھنگی کو مشک و عنبر در دوسر پیدا کر دیتا ہے۔ سنا ہے کہ کوئی بھنگی عطر فروش کی دکان سے گزرا، ایک دم سے چکرا کر گر گیا، بے ہوش ہو گیا، اس کو ہوش میں لانے کے لیے بہتیرے جتن کئے، سب بے سود۔ اخیر میں ایک شخص جو اسے پہچانتا تھا اس نے نجاست سنگھانے کا مشورہ دیا، اسی سے اس کو ہوش آیا۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے دست گیری فرمائے، ورنہ آج ہمارے عمومی احوال ناگفتہ بہ ہیں۔ جو نو جوان نغمہ، موسیقی اور سرود میں گھنٹوں گزار دیتا ہے، دینی و علمی مجالس میں اسی کے لئے ایک منٹ ٹھہرنا دو بھر ہو جاتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

حقیقت یہ ہے کہ امام نوویؒ نے اپنی کتاب ریاض الصالحین تالیف فرما کر ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے، ہم تو ان کے احسان کا کیا بدلہ دے سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ محدث مرحوم کو اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے اور بلسند درجات نصیب فرمائے، ہمیں حق استفادہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارے استاذ و مرشد، مشفق و منعم، محسن و مربی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم العالی کے سایہ عاطفت کو بصحت و سلامت ہم پر تادیر قائم رکھے، ہمیں قدردانی کی توفیق بخشے۔ حضرت کی سالہا سال سے ہر شنبہ کو (مسجد انوار، نشاط کالونی،

اڈاجن پاٹیا، سورت) تشریف آوری ہوتی ہے، یکے بعد دیگرے مختلف کتابوں کے عمومی درس سے فیض رسانی فرما رہے ہیں، پہلے ریاض الصالحین، پھر الادب المفرد، پھر شامل ترمذی، اور آج کل صحیح بخاری شریف کی کتاب الرقاق زیر درس ہے۔ اس ”ریاض الصالحین“ ہی کا درس کئی سالوں کے دورانہ پر محیط رہا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال رہا، رفیق مکرم مولانا عبدالمنان بن شیخ محمد منیار سلمہ نے مخصوص توفیق ایزدی سے ریکارڈنگ سے لے کر ترتیب و تدوین کے مراحل سے گزارا، اور اس پندرہویں جلد کی شکل میں ریاض الصالحین مکمل ہوئی۔ فجزاۃ اللہ خیراً وبارک فی علومہ واعمالہ و مالہ واولادہ۔

یہ راقم آثم ادارہ کے صفحات سیاہ کرتا رہا، اِنْ كَانَ صَوَابًا فَمِنَ اللَّهِ الرَّحْمَنِ، وَإِنْ كَانَ خَطَاً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ، واللہ ورسولہ منہ بریئان۔ ہر لغزش وخطا سے بندہ معافی کا خواستگار ہے۔ مکتبہ محمودیہ کے احباب کو اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی برکتوں اور رحمتوں سے نوازے کہ اس کی نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھا کر ریاض الصالحین کی ایک جامع و مبسوط اردو شرح امت کو عطا کی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ
سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا.

البوزاہر

شب ۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

۲۴ دسمبر ۲۰۱۵ء

بَابُ الْمَنْشُورَاتِ وَالْمُلَحِّ

باب أحادیث الدّجال

وأشراط الساعة وغيرها

یہاں سے کچھ متفرق اور دلچسپ چیزیں جو احادیث میں آئی ہیں ان کو پیش کر رہے ہیں۔

ظہور مہدی، فتنہ ظہور دجال، نزول حضرت مسیح

۱۸۰۸:- عن النّوّاس بن سمعان - رضی اللہ عنہ - قال: ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدّجَالَ ذَاتَ غَدَاةٍ، فَخَفَضَ فِيهِ وَرَفَعَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ، فَلَمَّا رُحْنَا إِلَيْهِ، عَرَفَ ذَلِكَ فِينَا، فَقَالَ: ((مَا شَأْنُكُمْ؟)) قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! ذَكَرْتَ الدّجَالَ الْغَدَاةَ، فَخَفَضْتَ فِيهِ وَرَفَعْتَ، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ، فَقَالَ: ((غَيْرُ الدّجَالِ أَخُوفُنِي عَلَيْكُمْ، إِنْ يَخْرُجُوا أَنَا فِيكُمْ، فَأَنَا حَاجِبُهُ دُونَكُمْ، وَإِنْ يَخْرُجُوا وَلَسْتُ فِيكُمْ، فَأَمُرُّوْهُ حَاجِبُ نَفْسِهِ، وَاللَّهُ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ. إِنَّهُ شَابٌّ قَطَطٌ عَيْنُهُ طَائِفِيَّةٌ، كَأَنَّ أَشِبَّهُهُ بَعْبِدِ الْعَزَّى بْنِ قَطَنِ، فَمَنْ أَدْرَكَهُ مِنْكُمْ، فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُورَةِ الْكَهْفِ، إِنَّهُ خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ، فَعَاثَ يَمِينًا وَعَاثَ شِمَالًا، يَاعِبَادَ اللَّهِ فَانْثَبُتُوا)) قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا لُبُّهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: ((أَرَبُعُونَ يَوْمًا: يَوْمٌ كَسَنَدَةٍ، وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ، وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ، وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ)) قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَذَلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَسَنَدَةٍ

أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلَاةُ يَوْمٍ؟ قَالَ: ((لَا، اقْدُرُوا لَهُ قَدْرَةً)). قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا اسْرَاعُهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: ((كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ، فَيَأْتِي عَلَى الْقَوْمِ، فَيَدْعُوهُمْ فَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَجِيبُونَ لَهُ، فَيَأْمُرُ اللَّهُ مَاءً فَتُمْطِرُ، وَالْأَرْضُ فَتُنْبِتُ، فَتَرْوَحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ أَطْوَلَ مَا كَانَتْ ذُرَى وَأُسْبَغَهُ ضُرُوعاً، وَأَمَدَهُ خَوَاصِرُ، ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوهُمْ، فَيَزِدُّونَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَيُنْصَرِفُ عَنْهُمْ، فَيُصْبِحُونَ مُجْلِلِينَ لَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ مِنْ أُمُومِهِمْ، وَيَمُرُّ بِالْحَرْبَةِ فَيَقُولُ لَهَا: أَخْرِجِي كُنُوزَكَ، فَتَتَّبِعُهُ كُنُوزُهَا كَيْعَاسِيبِ النَّحْلِ، ثُمَّ يَدْعُو رَجُلًا مُتَبَلِّغًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ، فَيَقْطَعُهُ جِزْلَتَيْنِ رَمِيَّةِ الْغَرَضِ، ثُمَّ يَدْعُوهُ، فَيَقْبِلُ، وَيَتَهَلَّلُ وَجْهُهُ يَضْحَكُ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ اللَّهُ تَعَالَى الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ﷺ، فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِي دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرٍ وَدَتَيْنِ، وَاضِعاً كَفَّيْهِ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَئِينَ، إِذَا طَاطَأَ رَأْسُهُ قَطْرَةً، وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جَمَانٌ كَاللُّوْءِ، فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجْدِرُ بِخِصَمِهِ إِلَّا مَاتَ، وَنَفْسُهُ يَنْتَهِي إِلَى حَيْثُ يَنْتَهِي ظَرْفُهُ، فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يَدْرِكَهُ بِبَابٍ لَدِي فَيَقْتُلُهُ، ثُمَّ يَأْتِي عِيسَى ﷺ قَوْمًا قَدْ عَصَبَهُمُ اللَّهُ مِنْهُ، فَيَمْسَحُ عَنْ وُجُوهِهِمْ وَيُحْدِثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ أَوْحَى اللَّهُ تَعَالَى إِلَى عِيسَى ﷺ: أَنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِي لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ، فَخَرَّزَ عِبَادِي إِلَى الظُّورِ وَيَبْعَثُ اللَّهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ، فَيَهْرُأُوا إِلَهُهُمْ عَلَى بُحِيرَةٍ طَبَرِيَّةَ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا، وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ فَيَقُولُونَ: لَقَدْ كَانَ بِهِذِهِ مَرَّةً مَاءً، وَيُخْصِرُ نَبِيُّ

اللہ عیسیٰ ﷺ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرٌ أَمِنْ مِئَةِ دِينَارٍ
لِأَحَدِكُمْ الْيَوْمَ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى ﷺ وَأَصْحَابُهُ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - إِلَى اللَّهِ
تَعَالَى، فَيُرْسِلُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِمُ النَّعْفَ فِي رِقَابِهِمْ، فَيُضْبِحُونَ فَرَسَى كَمَوْتِ
نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى ﷺ وَأَصْحَابُهُ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - إِلَى
الْأَرْضِ، فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شَيْءٍ إِلَّا مَلَأَهُزْهُمْهُمْ وَنَتْنُهُمْ، فَيَرْغَبُ
نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى ﷺ وَأَصْحَابُهُ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - إِلَى اللَّهِ تَعَالَى، فَيُرْسِلُ اللَّهُ تَعَالَى
طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ، فَتَحْبِلُهُمْ، فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ -
عَزَّ وَجَلَّ - مَطَرًا لَا يَكُنْ مِنْهُ بَيْتٌ مَدْرٍ وَلَا وَبَرٍ، فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتَّى يَتْرُكَهَا
كَالزَّلَقَةِ، ثُمَّ يَقَالُ لِلْأَرْضِ: أَنْبِئِي ثَمَرَتِكَ، وَرَدِّي بَرَكَتِكَ، فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ
الْعِصَابَةُ مِنَ الزَّمَانَةِ، وَيَسْتَظِلُّونَ بِقَحْفِهَا، وَيُبَارِكُ فِي الرِّسْلِ حَتَّى أَنْ اللَّقْحَةَ
مِنَ الْإِبِلِ لَتَكْفِيَ الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ، وَاللَّقْحَةُ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِيَ الْقَبِيلَةَ مِنَ
النَّاسِ، وَاللَّقْحَةُ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِيَ الْفِخْذَ مِنَ النَّاسِ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ
بَعَثَ اللَّهُ تَعَالَى رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ أَبْطَاهِمُ فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ
وَكُلِّ مُسْلِمٍ، وَيَبْقَى شَرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ، فَعَلَيْهِمْ تَقَوْمُ
السَّاعَةِ)). (رواه مسلم)

قولہ: ((خَلَّةٌ بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ)): اُی طریقاً بَیْنَهُمَا۔ و قولہ: ((عَاثٌ)) بِالْعَيْنِ الْمَهْمَلَةِ
وَالْفَاءِ الْمَثْلَفَةِ، وَالْعَيْثُ: أَشَدُّ الْقَسَادِ۔ ((وَالذُّرَى)): بضم الذال المعجمة وهو أعلى الأسنينة
وهو جمع ذرورة بضم الذال وكسر ها ((وَالْيَعَاسِيْبُ)): دُكُورُ النَّخْلِ۔ ((وَجَزَلَتَيْنِ)): اُی قِطْعَتَيْنِ۔

((وَالْغُرُضُ)): الْهَكَفُ الَّذِي يُرَى إِلَى النَّشَابِ. أَيْ: يَرْمِيهِ رَمِيَّةً كَرْمِيَّةَ النَّشَابِ إِلَى الْهَدَفِ.
 ((وَالْمَهْرُودَةُ)): بِالْدَالِ الْمَهْلَةِ وَالْمَعْجَمَةِ. وَهِيَ: الْقَوْبُ الْمَضْبُوعُ. قَوْلُهُ: ((لَا يَدَانِ)): أَيْ
 لِكَطَافَةٍ. ((وَالنَّغْفُ)): دُودٌ. ((وَفَرَسَى)): جَمْعُ فَرَسٍ، وَهُوَ الْقَتِيلُ. وَ ((الرُّلْفَةُ)): بَفَتْحِ الزَّايِ
 وَاللَّامِ وَالْقَافِ، وَرُوى: الرُّلْفَةُ بِضَمِّ الزَّايِ وَإِسْكَانِ اللَّامِ وَبِالْفَاءِ وَهِيَ الْهِرَاقَةُ. ((وَالْعَصَابَةُ)): الْجَبَاعَةُ.
 ((وَالرِّسْلُ)): بِكسْرِ الرَّاءِ: اللَّيْنُ. ((وَاللِّقْحَةُ)): اللَّبُونُ. ((وَالْفِئَامُ)): بِكسْرِ الْفَاءِ
 وَبَعْدَهَا هَمْزَةٌ مَمْدُودَةٌ: الْجَمَاعَةُ. ((وَالْفَخْدُ)): مِنَ النَّاسِ: دُونَ الْقَبِيلَةِ

ترجمہ مع تشریح:- حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبہ میں دجال کا تذکرہ کیا (قربِ قیامت کی جو علامات اور نشانیاں بتائی گئی ہیں ان میں ایک نشانی دجال کا ظہور بھی ہے۔ دجال، دجل سے ماخوذ ہے، اور دجل کا معنی دھوکہ دینا۔ گویا دجال لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنی ذات کے متعلق غلط نظریے ان کے دل و دماغ میں جما نے کی کوشش کرے گا، شروع میں تو وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا اور آخر میں الوہیت اور خدائی کا دعویٰ کر دے گا۔ اور اس سے پہلے بہت سے چھوٹے چھوٹے دجال ظاہر ہوں گے، اور قربِ قیامت میں امام مہدیؑ کے ظہور کے ساتویں سال یہ بڑا دجال ظاہر ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے دجال کے سلسلہ میں سارے نشیب و فراز بتلا دیئے ہیں) اس خطبے میں آپ نے اپنی آواز کو پست بھی کیا اور بلند بھی کیا (بعض حضرات ترجمہ فرماتے ہیں کہ دجال کا حال بیان فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اس کی تحقیر بیان فرمائی یعنی اس کی اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں ہے، وہ کانا ہے، اس میں فلاں فلاں کمزوریاں ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتلایا کہ اس کا فتنہ بڑا خطرناک ہے۔) اس روایت کے راوی حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

نبی کریم ﷺ نے دجال کا تذکرہ ایسے انداز میں فرمایا گویا ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ قریب ہی نخلستان (یعنی کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ) میں کہیں موجود ہے (کبھی کسی کے بیان کرنے کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ جس کو سن کر طبیعتوں پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ جو چیز پیش کی جا رہی ہے وہ آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے) جب وہ بیان ختم ہوا اور شام کو ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (تو صبح کی تقریر کا ہمارے دل و دماغ پر اثر تھا اور سب کے چہروں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ صبح کے بیان سے بہت متاثر ہیں) اور حضور اکرم ﷺ نے اس کا اثر ہمارے اندر محسوس بھی کیا تو پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے صبح دجال کا تذکرہ فرمایا، اس کے سارے نشیب و فراز سے آگاہ کیا، آپ کے بیان کی وجہ سے ہم ایسا گمان کرنے لگے ہیں کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہی ہے۔ حضور ﷺ نے جب محسوس کیا کہ ان کی طبیعتیں زیادہ مضحل ہیں، تو اس گھبراہٹ کو کم کرنے کے لیے ارشاد فرمایا: (اگرچہ دجال خطرہ کی چیز ہے لیکن مجھے تمہارے متعلق اور چیزوں کا بھی خطرہ ہے) دجال کے علاوہ دوسری چیزوں کا مجھے تم پر زیادہ اندیشہ ہے (بعض روایتوں میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ایسے حُکام کا خطرہ ہے جو تمہیں دین سے ہٹانے کا کام کریں گے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ گھبراؤ مت، اگر دجال نکل آیا اور میں تمہارے درمیان موجود ہوؤں گا تو تمہاری طرف سے میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ اور اگر وہ ایسی حالت میں ظاہر ہوا کہ میں تمہارے درمیان موجود نہ رہا تو پھر ہر آدمی اپنی طرف سے جواب دہ ہوگا، اور میرے بعد اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا مددگار ہوگا۔

(پھر حضور ﷺ نے اس کی کچھ اور نشانیاں بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وہ ایک نوجوان ہوگا جس کے بال بہت زیادہ گھنگریالے ہوں گے، اس کی آنکھ اُبھری ہوئی ہوگی۔

(دجال کی آنکھ کے سلسلہ میں دو لفظ بیان کئے گئے ہیں، ایک ”طَافِيَّةٌ“ اور ”طَافِيَّةٌ“ آتا ہے۔ اور بعض روایتوں میں ”مَسْوُحَةٌ“ بھی آتا ہے، یعنی مٹی ہوئی اگر ”طِفْأٌ“ ہمزہ سے آئے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی آنکھ میں روشنی نہیں ہوگی۔ گویا اس کی بائیں آنکھ ایسی ہوگی جیسے بعضوں آنکھ بالکل سپاٹ ہوتی ہے اور اس میں ذرا سا معمولی شکاف ہوتا ہے، لیکن اس سے نظر نہیں آئے گا۔ اور دائیں آنکھ ابھری ہوئی یعنی آگے کو نکلی ہوئی ہوگی جس سے دیکھنے کا کام لے گا۔ بعض روایتوں میں اس کو ایسے انگور کے خوشہ کے دانہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو خوشہ سے باہر ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ ویسے تو انگور کے دانے بالکل ترتیب سے ہوتے ہیں لیکن اس میں سے کوئی دانہ آگے نکل آتا ہے، اسی طرح اس کی آنکھ ابھری ہوئی ہوگی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ) میں اس کو عبدالعزیٰ بن قطن سے زیادہ مشابہ پاتا ہوں (یہ قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنوالمطلب کا ایک آدمی تھا جو زمانہ جاہلیت میں انتقال کر چکا تھا، حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ اُسی کی شکل و شباهت کا آدمی تھا) تم میں سے جو آدمی اس کو پالے تو اس کے سامنے سورہ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھ لے (بعض روایتوں میں تین آیتوں کا تذکرہ ہے، اور بعض میں دس کا تذکرہ ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ دس آیتیں پڑھے تو زیادہ احتیاط کی بات ہے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دجال سے بھی اور دجال کے فتنوں سے بھی محفوظ رکھے گا، لہذا اس کا معمول بنالینا چاہیے) شام اور عراق کے درمیان کے راستے پر وہ ظاہر ہوگا اور وہ دائیں بائیں خوب فساد پھیلانے گا، اے اللہ کے بندو! جس وقت وہ ظاہر ہو اُس وقت تم ثابت قدم رہنا (راوی کہتے ہیں) ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دجال زمین میں کتنا رہے گا؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: چالیس دن۔ اس کا پہلا دن ایک سال کے برابر لمبا ہوگا (اب یہ سوال

پیدا ہوتا ہے کہ ایک سال کے برابر ہوگا تو کیا سورج کی رفتار کو سست کر دیا جائے گا؟ تو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ اپنے دجل و فریب سے لوگوں کی ایسی نظر بندی کرے گا کہ لوگوں کو ایسا معلوم ہوگا کہ دن موجود ہے، اور یہ کیفیت ایک زمانے تک رہے گی) اور ایک دن ایک مہینے کے برابر ہوگا، اور ایک دن ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ دن جو ایک سال کے برابر ہوگا اس میں کیا ایک دن کی نمازیں ہمارے لیے کافی ہو جائیں گی؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (نہیں! پانچ نمازیں کافی نہیں ہوں گی) بلکہ عام دنوں کی طرح وقت کو شمار کرتے رہنا (یعنی جب فجر کی نماز پڑھتے ہو اس وقت فجر پڑھنا، اس کے بعد جتنے فصل سے ظہر پڑھتے ہو اس وقت ظہر پڑھنا، پھر جتنے فصل سے عصر پڑھتے ہو عصر پڑھنا، مغرب اور عشاء کا بھی یہی طریقہ رہے گا۔ اسی طرح سال بھر میں جتنی نمازیں پڑھی جاتی ہیں اتنی ہی پڑھی جائیں گی۔ یہیں سے علماء کا وہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی جہاں پر چھ مہینے رات اور چھ مہینے دن ہوتا ہے، وہاں کے لیے یہی حساب بنایا جائے گا۔)

ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! زمین میں اس کی تیز رفتاری کیسی ہوگی؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس بادل کی طرح ہوگی جس کے پیچھے ہوا لگی ہو۔ چناں چہ وہ کچھ لوگوں کے پاس آئے گا اور ان کو اپنی خدائی کی دعوت دے گا، وہ لوگ اس پر ایمان لائیں گے، اس کی پکار پر لبیک کہیں گے، چناں چہ وہ آسمان کو حکم کرے گا تو آسمان بارش برسائے گا، زمین کو حکم کرے گا تو زمین غلہ اُگائے گی، ان کے چوپائے چرنے کے بعد جب واپس لوٹیں گے تو ان کی کوبائیں بڑی اونچی ہوں گی (یعنی خوب کھاپی کرتا زہ ہو گئے ہوں گے) اور ان کے تھن دودھ سے خوب بھرے ہوئے ہوں گے، اور ان کی کوکھیں بڑی لمبی ہوں گی (مطلب یہ ہے کہ

ان کے جانور تروتازہ ہوں گے)۔

اس کے بعد دوسرے لوگوں کے پاس جائے گا، ان کو بھی اپنی خدائی کی دعوت دے گا، وہ لوگ اس کی بات کو نہیں مانیں گے۔ جب وہ واپس لوٹے گا تو وہ سب لوگ قحط زدہ ہو جائیں گے، اور ان کے پاس مال میں سے کوئی چیز نہیں رہے گی، نہ چوپائے، نہ ساز و سامان (سب ختم ہو جائے گا) جب وہ غیر آباد اور بنجر زمین سے گزرے گا تو کہے گا کہ اپنے خزانے نکال۔ تو زمین کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے چلیں گے، جیسے شہد کی مکھیاں اپنے راجا کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں (اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقتی طور پر ڈھیل دی جائے گی)۔

اس کے بعد وہ ایک آدمی کو بلائے گا جو جوانی سے بھرپور ہوگا، اس پر تلوار کا ایک وار کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا، دونوں ٹکڑے دور جا گریں گے، پھر جس کے دو ٹکڑے کئے تھے اس کو پکارے گا تو وہ زندہ ہو کر اس کے پاس آئے گا اور اس کا چہرہ کھلا ہوا ہوگا (بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے، دوسری روایتوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اور کوئی اللہ کا نیک بندہ ہوگا، لوگ کہیں گے کہ وہاں مت جاؤ۔ وہ ان سے کہیں گے کہ تمہارا بادشاہ دجال کہاں ہے؟ پھر یہ دجال کے لیے غلط الفاظ استعمال کریں گے تو اس کا محافظ دستہ کہے گا کہ ہمارے آقا کے متعلق غلط بات بولتا ہے؛ اس کو قتل کر دو۔ وہ دستہ مارنا چاہے گا تو دوسرے یوں کہیں گے کہ ہمارے آقا نے کہا ہے کہ میری اجازت کے بغیر کسی کو مت مارنا۔ وہ ان کو وہاں لے جائیں گے اور جب پیش کریں گے تو یہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جس کی ہمارے نبی نے خبر دی ہے) دجال اسی حال طرح فتنہ پھیلاتا پھر رہا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجیں گے، وہ دمشق کے شرقی جانب کے سفید منارہ پر، زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ملبوس، اپنے دونوں ہاتھوں

کو دوفرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے اتریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنے سر کو جھکائیں گے تو پانی کے قطرے ٹپکیں گے، اور جب اپنے سر کو سیدھا کریں گے تو سر سے سفید چاندی کی طرح صاف شفاف موتی جیسے پانی کے قطرے آپ کے چہرے پر سے لڑھکیں گے (جیسے کوئی آدمی غسل کر کے نکلتا ہے تو اس کے سر میں سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں، اور جب سر کو سیدھا کرے تو پانی کے قطرے اس کے چہرے پر سے لڑھکتے ہیں)۔

(اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سانس میں اللہ تعالیٰ ایسی تاثیر رکھ دے گا کہ) جس کافر تک ان کی سانس پہنچے گی وہ مر جائے گا (کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کی سانس میں ایک تاثیر تو وہ تھی کہ جب دم کرتے تھے تو مردہ زندہ ہو جاتا تھا، اور یہاں زندہ مر جائے گا) اور (آدمی کی سانس تو اس کے قریب ہی رہتی ہے لیکن) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سانس اتنی دور تک جائے گی جہاں تک ان کی نگاہ پہنچے گی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے (در اصل اُسی کو تو مارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اُتارا ہوگا۔ اور دجال حضرت مہدی کے ظہور کے سات سال بعد ظاہر ہوگا۔ ایک جگہ پر عصر کی نماز کے لیے اقامت کہی جا رہی ہوگی کہ اسی دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُتریں گے، حضرت مہدی ان کو امامت کی پیش کش کریں گے کہ آپ نماز پڑھائیے، تو وہ کہیں گے: نہیں! اقامت آپ کے لیے ہی کہی گئی ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ نماز حضرت مہدی کے پیچھے پڑھیں گے۔ بعد میں امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا لشکر حوالے کریں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے) یہاں تک کہ اس کو باب لد کے پاس پالیں گے اور اس کو قتل کر دیں گے۔ (باب لد بیت المقدس کے قریب آج بھی ایک شہر ہے۔ البلاغ کے تازہ شمارہ میں حضرت مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی دامت برکاتہم کا سفر نامہ بھی آیا ہے، اس

میں انہوں نے لکھا ہے کہ ہمارا وہاں سے گزر ہوا تو ہمارے رہبر نے کہا کہ یہاں یہودیوں نے ایک تختی لگا رکھی ہے، جس پر انہوں نے لکھا ہے کہ سلامتی کا بادشاہ یہاں ظاہر ہوگا۔ یہودی بھی دجال کے نکلنے کا انتظار کرتے ہیں اور وہ اس کو اپنا مسیحا سمجھتے ہیں موجودہ اسرائیل کی حکومت نے دجال کے قیام کے واسطے ایک محل بھی بنا رکھا ہے۔ اور دجال یہودی خاندان ہی سے ہوگا۔ خیر! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کریں گے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل نہ بھی کریں تب بھی وہ آپ کی سانس سے ایسا پھلکے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام باقاعدہ لوگوں کو بتلانے کے لیے اس کو قتل کریں گے، اور اس کا خون نیزے پر لے کر لوگوں کو بتلائیں گے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے لوگوں کے پاس جائیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دجال کے فتنے سے محفوظ رکھا تھا، ان کی تکالیف کو دور کریں گے اور جنت میں ان کو جو درجے ملنے والے ہیں وہ بتائیں گے۔ اسی حال میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجیں گے کہ میں نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے کہ جن کا مقابلہ کرنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے، آپ میرے (ایمان والے) بندوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوہ طور پر چلے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ یا جوج ماجوج کو بھیجیں گے، وہ اتنی کثیر تعداد میں ہوں گے کہ ایسا معلوم ہوگا کہ ہر اونچی جگہ سے وہ پھسل رہے ہوں۔ یا جوج ماجوج کے لشکر کا شروع دستہ بحیرہ طبریہ پر سے گزرے گا (طبریہ، طبرستان کی طرف نسبت ہے، وہاں ایک سمندر ہے) اور وہ اس سمندر میں جتنا پانی ہوگا سب پی جائیں گی، اسی لشکر کے آخر والے جب وہاں سے گزریں گے (اور اُس سمندر کو دیکھیں گے) تو کہیں گے کہ یہاں کسی زمانے میں پانی رہا ہوگا

(حالانکہ ان کا ہی شروع دستہ وہ سب پی کر گیا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء بالکل بند اور محصور ہو کر رہ جائیں گے، کھانے پینے کی اتنی قلت ہوگی کہ بیل کی ایک سری ان کو اتنی مہنگی ملے گی کہ جیسے آج سودینار کے بدلے میں ملے۔ اتنی تکلیفوں کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کریں گے اور ان کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ یا جوج ماجوج کی گردنوں میں کیڑے پیدا کر دیں گے (”نَعْفُ“ ایک قسم کا کیڑا ہوتا ہے جو جانور کی ناک یا گردن میں پیدا ہوتا ہے، جانور اس سے مر جاتا ہے) جس کے نتیجے میں وہ سب ایک ساتھ مر جائیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کوہ طور پر ایمان والوں کو لے کر محصور ہو گئے تھے وہ وہاں سے نیچے اتریں گے تو زمین میں ایک بالشت بھی جگہ ایسی نہیں پائیں گے جہاں یا جوج ماجوج کی چربی اور بد بو نہ ہو، سب جگہ ان کی لاشیں پڑی ہوئی ہوں گی اور بد بو پھیل گئی ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء اللہ تعالیٰ کی طرف گریہ و زاری کریں گے تو اللہ تعالیٰ بحسبى اونٹوں کی گردنوں جیسے بڑے بڑے پرندے بھیجیں گے جو یا جوج ماجوج کی لاشوں کو اٹھا کر لے جائیں گے اور ایسی جگہ ڈال دیں گے جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا، اس طرح زمین سے ان کی لاشیں ہٹادی جائیں گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش بھیجیں گے تو کوئی کچا یا کماکان باقی نہیں رہے گا جو اس سے محفوظ رہے۔ چالیس دن تک بارش برے گی، اس کا پانی ہر مکان کے اندر تک پہنچ جائے گا، وہ بارش زمین کو دھو کر بالکل صاف کر دے گی، یہاں تک کہ آئینہ کی طرح ہو جائے گی۔ اس کے بعد زمین سے کہا جائے گا کہ اپنے پھلوں کو اُگا، اور اپنی برکت کو ٹٹا، چنانچہ اُس وقت جو پھل ہوں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ ایک بڑی جماعت کھا کر پیٹ بھر لے گی، اور اس کا چھلکا اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے نیچے کئی لوگ سایہ میں بیٹھ سکیں گے۔ اور دودھ والے جانوروں میں اتنی برکت ہوگی کہ دودھ دینے والی

ایک اونٹنی کئی انسانوں کی جماعتوں کے لیے کافی ہو جائے گی، اور دودھ دینے والی ایک گائے پورے خاندان کو کافی ہو جائے گی، اور دودھ دینے والی ایک بکری ایک گھرانے کے لیے کافی ہو جائے گی۔ لوگ اسی طرح خوشحالی میں ہوں گے (اور کئی سال اس طرح گزریں گے کہ کسی کے دل میں کسی کے متعلق کوئی کینہ بھی نہیں ہوگا، سب کے دل ایک دم پاک اور صاف ہوں گے۔)

پھر اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجیں گے جو ایمان والوں کی بغسلوں کے نیچے سے گزرے گی تو ہر مومن اور مسلمان کی روح قبض کر لی جائے گی۔ اس کے بعد روئے زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے جو ایسے بے حیا ہوں گے جیسے گدھے کہ وہ جس طرح لوگوں کے سامنے آپس میں جھتی کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی لوگوں کے سامنے جھتی کریں گے، اور ان ہی پر قیامت قائم ہو جائے گی۔

پانی آگ اور آگ پانی

۱۸۰۹:- وعن ربیع بن جرّاش قال: انطلقت مع أبي مسعود الأنصاري إلى حذيفة بن اليمان رضى الله عنهم فقال له أبو مسعود: حَدِّثْنِي مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الدَّجَالِ. قَالَ: ((إِنَّ الدَّجَالَ يُخْرُجُ، وَإِنَّ مَعَهُ مَاءً وَنَارًا، فَأَمَّا الَّذِي يَرَاهُ النَّاسُ مَاءً فَنَارٌ تُحْرِقُ، وَأَمَّا الَّذِي يَرَاهُ النَّاسُ نَارًا، فَمَاءٌ بَارِدٌ عَذْبٌ. فَمَنْ أَدْرَكَهُ مِنْكُمْ، فَلْيَقْعْ فِي الَّذِي يَرَاهُ نَارًا، فَإِنَّهُ مَاءٌ عَذْبٌ طَيِّبٌ)) فقال أبو مسعود: وَأَنَا قَدْ سَمِعْتُهُ. (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ربیع بن جرّاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت ابو مسعود انصاریؓ نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے کہا: آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کے

سلسلہ میں جو سنا ہو وہ بیان فرمائیے۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا: دجال ظاہر ہوگا اور اس کے ساتھ پانی ہوگا اور آگ ہوگی، لوگ جس کو پانی دیکھ رہے ہوں گے وہ حقیقت میں آگ ہوگی۔ اور جس کو لوگ آگ دیکھ رہے ہوں گے وہ ٹھنڈا اور شیریں پانی ہوگا۔ تم میں سے جو آدمی دجال کو پاوے، اس کو چاہئے کہ جس چیز کو آگ دیکھے اس میں گر پڑے، اس لیے کہ وہ ٹھنڈا اور شیریں پانی ہوگا۔ یہ سن کر حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے۔

افادات:- اللہ تبارک و تعالیٰ دجال کے ہاتھ پر بطور استدراج (ڈھیل) بہت سی چیزیں دکھلائیں گے۔ آج بھی بعض ایسے لوگ جو اللہ کو نہیں مانتے اور باطل پر ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں پر خرقِ عادت کے طور پر ایسی کچھ چیزیں ظاہر ہوتی ہیں جس سے لوگ حیرت میں پڑ جاتے ہیں، اور ناواقف لوگ ان چیزوں کو اس کی حقانیت اور سچائی کی دلیل سمجھ لیتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے استدراج (ڈھیل) کا معاملہ ہوتا ہے جو ان کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اُس کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت مقرر ہوتا ہے، جب وہ وقت ختم ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت ہوتی ہے اور وہ ساری چیزیں چھین لی جاتی ہیں اور حقیقت لوگوں کے سامنے کھل جاتی ہے، لیکن جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور فتنہ میں مبتلا ہونا مقدر ہوتا ہے وہ ناواقفیت کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

دجال کے ساتھ بھی ایک طرف باغ نظر آئے گا جس میں نہریں ہوں گی جس میں عیش و عشرت کا سامان نظر آئے گا، اور دوسری طرف سزا دینے کے لیے آگ کی شکل ہوگی۔ جو آدمی بھی اس پر ایمان لائے گا وہ اس کو اس باغ میں داخل کرے گا۔ اور جو اس کو نہیں مانیں گے ان کو آگ میں ڈالے گا۔ لیکن جب اپنے ماننے والوں کو اس باغ میں

داخل کرے گا جو باغ نظر آ رہا ہوگا تو وہ باغ ان کے لیے آگ بن جائے گی۔ اور اس کا انکار کرنے والوں کو جب وہ آگ میں ڈالے گا تو وہ آگ ان کے لیے باغ بن جائے گی۔ ان سب کرشموں کو دیکھ کر لوگ یوں سمجھیں گے کہ یہ دجال جو خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے اس میں سچا ہے، حالاں کہ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد پہلے بھی گزر چکا، اور آئندہ بھی آئے گا کہ اس کے چہرہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی باتیں ایسی رکھی ہیں جن کو دیکھ کر ہر معمولی ایمان والا بھی۔ جس میں کچھ سوچہ بوجھ ہوگی۔ آسانی سے فیصلہ کر لے گا کہ یہ خدا نہیں ہو سکتا، مثلاً: اس کی آنکھ میں جو عیب ہوگا وہ خود اپنے ہی اس عیب کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہوگا، تو بھلا وہ خدا کیسے بن سکتا ہے!

اور دوسری روایت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر باقاعدہ ”ک، ف، ر“ یعنی کافر لکھا ہوا ہوگا جس کو ہر ایمان والا پڑھ لے گا، چاہے وہ پڑھا لکھا ہو، یا پڑھا لکھا نہ ہو، جس کی وجہ سے وہ جان لے گا کہ یہ نہ تو خدا ہے، اور نہ نبی ہے۔

ختم دجال کے بعد کا منظر

۱۸۱۰:- وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله عنهما، قال:

قال رسول الله ﷺ: ((يَخْرُجُ الدَّجَالُ فِي أُمَّةٍ تَبَى فَيَمُكُّكَ أَرْبَعِينَ، لَا أَدْرِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ أَرْبَعِينَ شَهْرًا، أَوْ أَرْبَعِينَ عَامًا، فَيَبْعَثُ اللَّهُ تَعَالَى عِيسَى - ابْنَ مَرْيَمَ ﷺ، فَيَطْلُبُهُ فَيُهْلِكُهُ، ثُمَّ يَمُكُّكَ النَّاسُ سَبْعَ سِنِينَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ - عز وجل -، رِيحًا تَأْرِدُّهُ مِنْ قَبْلِ اللَّهِ أَمْرًا، فَلَا يَبْقَى عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ أَوْ إِيْمَانٍ إِلَّا أَقْبَضْنَاهُ، حَتَّىٰ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ دَخَلَ فِي كَيْدِ جَبَلٍ، لَدَخَلْنَاهُ عَلَيْهِ حَتَّىٰ تَقْبِضَهُ، فَيَبْقَى شَرُّ الدَّائِسِ فِي

خِفَّةِ الطَّيْرِ، وَأَحْلَامِ اللَّهِ بَاعَ، لَا يَعْرِفُونَ مَعْرُوفاً، وَلَا يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا، فَيَتَبَشَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ، فَيَقُولُ: أَلَا تَسْتَجِيبُونَ؟ فَيَقُولُونَ: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَيَأْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْأَوْثَانِ، وَهُمْ فِي ذَلِكَ دَارٌّ رَزَقُهُمْ، حَسَنٌ عَيْشُهُمْ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ، فَلَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا الْأَصْغَى لَيْتاً وَرَفَعَ لَيْتاً، وَأَوَّلُ مَنْ يَسْمَعُهُ رَجُلٌ يَلُوطُ حَوْضٍ إِلَيْهِ فَيَضَعُ وَيُضَعُّ النَّاسُ حَوْلَهُ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ - أَوْ قَالَ: يُنْزِلُ اللَّهُ - مَطَرًا كَأَنَّهُ الظُّلُّ أَوِ الظِّلُّ، فَتَنْبُتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ هَلُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ، وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ، ثُمَّ يُقَالُ: أَخْرِجُوا بَعَثَ النَّارِ. فَيُقَالُ: مِنْ كَمْ؟ فَيُقَالُ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعِينَ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ، فَذَلِكَ يَوْمٌ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا، وَذَلِكَ يَوْمٌ يَكْشَفُ عَنْ سَائِيٍّ. رواه مسلم.

((الْبَيْتُ)): صَفْحَةُ الْعُنُقِ، وَمَعْنَاهُ يَضَعُ صَفْحَةَ عُنُقِهِ وَيَزِفُّ صَفْحَتَهُ الْأُخْرَى.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں دجال ظاہر ہوگا اور وہ چالیس تک رہے گا (راوی کہتے ہیں کہ) مجھے یاد نہیں کہ چالیس دن فرمایا، یا چالیس مہینے، یا چالیس سال (لیکن پہلے آچکا ہے کہ چالیس دن رہے گا۔ پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا، دوسرا دن ایک مہینے کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ہفتے کے برابر ہوگا، اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے) اللہ تعالیٰ دجال کے ظاہر ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجیں گے جن کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ وہ دجال کو تلاش کریں گے اور اس کو ہلاک کر دیں گے (پہلے آچکا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سانس میں ایسی تاثیر رکھیں گے کہ جس کافر تک بھی اُن کی سانس

پہنچے گی وہ پگھل جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا، اور دجال بھی پگھلنا شروع ہوگا لیکن حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) باقاعدہ اس کو نیزے کے ذریعہ ختم کریں گے اور اس کا خون لوگوں کو دکھلائیں گے (دجال کی ہلاکت کے بعد لوگوں پر سات سال ایسے آئیں گے کہ لوگوں کے درمیان بالکل امن و امان کا عالم ہوگا، کسی دو آدمیوں کے دل میں ایک دوسرے کے متعلق دشمنی، حسد، کینہ اور بغض نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ملکِ شام کی طرف سے ٹھنڈی ہوا بھیجیں گے، روئے زمین پر کوئی ایسا آدمی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا اس کو وہ ہوا نہیں چھوڑے گی مگر یہ کہ اس کی روح کو قبض کر لے گی) (یعنی جس کو بھی وہ ہوا لگے گی اس کا انتقال ہو جائے گا) یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی پہاڑ کے جگر میں داخل ہو گیا ہوگا تو وہ ہوا اس کے اندر بھی پہنچے گی اور اس کی روح کو قبض کرے گی (دنیا سے سب اچھے لوگ ختم ہو جائیں گے) اور ایسے بدترین قسم کے لوگ دنیا میں باقی رہ جائیں گے جو پرندوں کی طرح ہلکے اور درندوں جیسی سوجھ بوجھ والے ہوں گے (یعنی یہ لوگ برائی اور شہوتوں کی طرف ایسے لپکیں گے جیسے پرندہ کسی چیز کی طرف لپکتا ہے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو ایسا نقصان اور ضرر پہنچائیں گے جیسے درندے پہنچاتے ہیں) وہ کسی نیک بات کو ذرہ برابر نہیں جانیں گے، اور کسی گناہ کو ذرہ برابر بُرا نہیں سمجھیں گے (یعنی ان میں سے نیکی کو نیکی اور گناہ کو گناہ سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے گی) پھر ان کے سامنے شیطان ظاہر ہوگا جو کہے گا: کیا تم ہماری بات نہیں مانو گے؟ لوگ کہیں گے: کیا حکم دیتے ہو؟ تو وہ ان کو بتوں کی عبادت کرنے کا حکم دے گا، وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان کی روزی ان پر برس رہی ہوگی (یعنی کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی) ان کی زندگی بہت آرام سے گزر رہی ہوگی، اسی حالت میں صور پھونکا جائے گا، جو بھی اس کو سنے گا اپنی گردن کا ایک حصہ جھکائے گا اور ایک حصہ اٹھائے گا (مطلب یہ ہے کہ اس کو سننے کی وجہ

سے بے ہوشی کی ایسی کیفیت ہو جائے گی کہ کبھی وہ گردن جھکائیں گے اور کبھی گردن اٹھائیں گے) اور سب سے پہلے صورت کی آواز جو آدمی سے گاہ وہ شخص ہوگا جو اپنے اونٹوں کے پانی پلانے کے لیے حوض کو لپ رہا ہوگا (پلاسٹر کر رہا ہوگا) وہ اس آواز کو سن کر بے ہوش ہو جائے گا، پھر دوسرے لوگ بھی سن کر بے ہوش ہو جائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسی بارش بھیجے گا جیسے شبنم ہوتی ہے (یعنی بارش کی ہلکی سی پھوار ہوگی) جس کی وجہ سے مرے ہوئے لوگوں کے جسم اُگ آئیں گے (یعنی لوگ دوبارہ پیدا ہو جائیں گے) پھر دوبارہ صورت پھونکا جائے گا اور لوگوں میں ایک دم جان پڑ جائے گی جیسے کھڑے دیکھ رہے ہوں۔ پھر لوگوں سے کہا جائے گا: اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو (یعنی میدانِ حشر کی طرف لے جایا جائے گا) پھر کہا جائے گا: میدانِ حشر میں کھڑے رہو، تاکہ تم سے سوال جواب ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ انسانوں میں سے جہنم کا جو حصہ ہے وہ نکال لو۔ پوچھا جائے گا: کتنے میں سے کتنے؟ کہا جائے گا: ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم کے لیے۔ اور یہ وہ دن ہوگا کہ جو بچہ کو بوڑھا بنا دے گا اور اُس دن تجلی ساق ظاہر ہوگی۔

افادات:- روایت میں آتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ: حضرت آدم علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ جہنم کا حصہ الگ کرو۔ تو وہ پوچھیں گے: کتنا؟ کہا جائے گا: ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ اس پر حضراتِ صحابہ چیخ پڑے اور ان پر غم کی سی کیفیت طاری ہو گئی کہ پھر تو کون بچے گا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: کافروں کے مقابلہ میں اہل ایمان کی تعداد کا حال ایسا ہے جیسے سفید بیل کے جسم میں سیاہ ناخن ہو۔ یعنی بیل پورا سفید ہو لیکن ذرا سیاہ نشان ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اہل کفر کی تعداد اہل ایمان کے مقابلہ میں ہر زمانہ میں زیادہ ہی رہی

ہے، اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو ہزار میں سے نو سو نواوے والا عدد لکھار کے ذریعہ پورا کیا جائے گا۔

دجال مکہ و مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا

۱۸۱۱:- وعن أنس رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ((لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ إِلَّا سَيَطُوهُ الدَّجَالُ إِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِينَةَ، وَلَيْسَ نَقَبٌ مِنْ أَنْقَابِهِمَا إِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّينَ تَحْرُسُهُمَا، فَيَنْزِلُ بالسَّبْخَةِ، فَتَرْجُفُ الْمَدِينَةُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ، يُخْرِجُ اللَّهُ مِنْهَا كُلَّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ)) (رواه مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مئی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی شہر ایسا نہیں مگر یہ کہ دجال اس کو روند ڈالے گا (مطلب یہ کہ دجال چالیس دن میں پوری دنیا میں گھوم جائے گا اور کوئی شہر ایسا نہیں ہوگا جہاں وہ نہ پہنچے) سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے (کہ وہاں جائے گا تو سہی، لیکن اندر داخل نہیں ہو سکے گا، اس لیے کہ) مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستوں میں سے کوئی راستہ اندر داخل ہونے کا ایسا نہیں ہوگا مگر ان پر فرشتے صف لگا کر حفاظت کے لیے کھڑے ہوں گے (تا کہ دجال اندر نہ جاسکے) جب وہ مدینہ منورہ میں داخلے کے لیے پہنچے گا (تو فرشتوں کے پہرے کی وجہ سے اندر تو نہیں جاسکے گا) مگر وہ مدینہ کے باہر شور اور کھاری جگہ (میدان) میں ٹھہر جائے گا، اُس وقت مدینہ منورہ میں (زلزلے کے) تین جھٹکے آئیں گے، ان جھٹکوں کی وجہ سے مدینہ میں جتنے بھی منافق اور کافر ہوں گے وہ خود بخود مدینہ منورہ سے باہر نکل کر دجال سے مل جائیں گے، اور اہل ایمان باقی رہ جائیں گے۔

دجال کے لشکر میں ستر ہزار یہودی ہوں گے

۱۸۱۲:- وعن رضي الله عنه: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((يَتَّبِعُ الدَّجَالُ

مِنْ يَهُودٍ أَصْبَهَانَ سَبْعُونَ أَلْفًا عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ))۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اصبہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار یہودی دجال کے ساتھ اس کے لشکر میں ہوں گے جو اپنے کندھوں پر شال ڈالے ہوئے ہوں گے (اور جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے خود دجال بھی قوم کے اعتبار سے یہودی ہوگا)

فتنہ دجال کے وقت اہل ایمان کا حال

۱۸۱۳:- وعن أم شريك رضي الله عنها: أنها سمعت النبي - ﷺ -

يقول: ((لَيُفَرِّقَنَّ النَّاسُ مِنَ الدَّجَالِ فِي الْجَبَالِ))۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: لوگ (یعنی اہل ایمان) دجال کے فتنے سے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لیں گے۔

دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں

۱۸۱۴:- وعن عمران بن حصين رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله ﷺ

يقول: ((مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ أَمْرٌ أَكْبَرُ مِنَ الدَّجَالِ))۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک دجال سے بڑھ کر کوئی بڑا فتنہ نہیں ہے۔

افادات:- سب سے بڑا فتنہ اور آزمائش دجال کا ظہور ہے، حالانکہ دنیا میں بڑے بڑے واقعات اور بڑے بڑے حوادث ہوں گے، لیکن اس سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں ہوگا۔

ایک مؤمن اور دجال کا مقابلہ

۱۸۱۵:- وعن أبي سعيد الخدري - رضى الله عنه - عن النبي - ﷺ - قال: ((يَخْرُجُ الدَّجَالُ فَيَتَوَجَّهُ قِبَلَهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَيَتَلَقَّاهُ الْمَسَاحُ: مَسَاحُ الدَّجَالِ. فَيَقُولُونَ لَهُ: إِلَى أَيْنَ تَعْبُدُ فَيَقُولُ: أَعْبُدُ إِلَى هَذَا الَّذِي خَرَجَ فَيَقُولُونَ لَهُ: أَوْ مَا تُؤْمِنُ بِرَبِّنَا؟ فَيَقُولُ: مَا بِرَبِّنَا خَفَاءُ! فَيَقُولُونَ: اقْتُلُوهُ. فَيَقُولُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: أَلَيْسَ قَدْ نَهَّيْنَاكُمْ رَبُّكُمْ أَنْ تَقْتُلُوا أَحَدًا دُونَهُ، فَيَنْظُرُونَ بِهِ إِلَى الدَّجَالِ، فَإِذَا رَأَاهُ الْمُؤْمِنُ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ هَذَا الدَّجَالَ الَّذِي ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَيَأْمُرُ الدَّجَالُ بِهِ فَيُشَبِّحُ؛ فَيَقُولُ: خُذُوهُ وَشُجُّوهُ. فَيُوسِعُ ظَهْرَهُ وَبَطْنُهُ ضَرْبًا. فَيَقُولُ: أَوْ مَا تُؤْمِنُ بِي؟ فَيَقُولُ: أَنْتَ الْمَسِيحُ الْكَذَّابُ! فَيَوْمَرُ بِهِ، فَيُوشِرُ بِالْمَنْشَارِ مِنْ مَفْرِقِهِ حَتَّى يُفَرِّقَ بَيْنَ رِجْلَيْهِ. ثُمَّ يَمْشِي الدَّجَالُ بَيْنَ الْقِطْعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُولُ لَهُ: قُمْ فَيَسْتَوِي قَائِمًا. ثُمَّ يَقُولُ لَهُ: أَتُؤْمِنُ بِي؟ فَيَقُولُ: مَا أَرَدْتُ فِيكَ إِلَّا بَصِيرَةً. ثُمَّ يَقُولُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَا يَفْعَلُ بَعْدِي بِأَحَدٍ مِنَ النَّاسِ، فَيَأْخُذُهُ الدَّجَالُ لِيَذْبَحَهُ، فَيَجْعَلُ اللَّهُ مَا بَيْنَ رَقَبَتَيْهِ إِلَى تَرْقُوتِهِ نُحَاسًا، فَلَا يَسْتَطِيعُ إِلَيْهِ سَبِيلًا، فَيَأْخُذُهُ بِيَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَيَقْدِفُ بِهِ، فَيَحْسَبُ النَّاسُ أَنَّهُ قَذَفَهُ إِلَى النَّارِ، وَإِنَّمَا أُلْقِيَ فِي الْحِجَّةِ)). فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ - ﷺ -: ((هَذَا أَعْظَمُ النَّاسِ شَهَادَةً عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ)). (رواه مسلم. وروى البخاري بعضه بمعناه)

((المساح)): هُمُ الْخُفَرَاءُ وَالظَّلَائِعُ.

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے

ہیں: دجال نمودار ہوگا تو ایک ایمان والا شخص اس کے پاس جائے گا، دجال کا مسلح اور ہتھیار بند دستہ اس آدمی سے ملے گا اور پوچھے گا: کہاں جانا چاہتا ہے؟ مؤمن کہے گا: یہ جھوٹا آدمی ہے، میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ دجال کا دستہ کہے گا: تو ہمارے رب پر ایمان نہیں رکھتا؟ مؤمن جواب دے گا: ہمارا رب کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں ہے، میں تو اپنے رب پر ایمان رکھتا ہوں (تیرے رب پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے؟) اس مؤمن کا یہ جواب سن کر وہ ہتھیار بند دستہ آپس میں کہے گا کہ اس کو قتل کر دو۔ اسی دستہ میں سے کچھ لوگ کہیں گے: کیا تمہارے رب (دجال) نے تم کو اس کے حکم کے بغیر کسی کو قتل کرنے سے منع نہیں کیا؟ (لہذا اس کو کیسے قتل کر سکتے ہو؟) چنانچہ وہ دستہ اس مؤمن کو دجال کے پاس لے جائے گا۔ جب وہ مؤمن دجال کو دیکھے گا تو زور سے پکار کر کہے گا: اے لوگو! یہ وہی دجال ہے جس کا نبی کریم ﷺ نے تذکرہ فرمایا ہے۔ دجال حکم دے گا تو اس مؤمن کو لمبا کھینچ کر لٹایا جائے گا اور دجال کہے گا اس کو پکڑو اور زخمی کرو۔ چنانچہ اس کی پیٹھ اور پیٹ پر مارا جائے گا، پھر دجال اس مؤمن سے کہے گا: ابھی بھی تو میرے اوپر ایمان نہیں لاتا؟ وہ مؤمن کہے گا: تو تو دجال جھوٹا ہے (جب یہ ایمان لانے سے انکار کرے گا) تو دجال حکم دے گا اور آرے کے ذریعہ سے سر کے بالوں کی مانگ سے اس کو چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دئے جائیں گے، ایک ٹکڑا ادھر اور ایک ٹکڑا اُدھر گرے گا۔ دجال اس کے بیچ میں سے گزرے گا (تا کہ دیکھنے والے لوگوں کو یقین آجائے کہ دو ٹکڑے کر دئے گئے ہیں) پھر دجال حکم دے گا کہ اٹھ جا۔ چنانچہ وہ آدمی زندہ ہو کر اٹھ جائے گا (دیکھو! اللہ تعالیٰ دجال کو کتنی ڈھیل دیں گے کہ مارنے اور زندہ کرنے کی بھی طاقت دیں گے) پھر دجال اس مؤمن سے پوچھے گا: اب تو تو میرے اوپر ایمان لائے گا کہ نہیں؟ اس کے جواب میں مؤمن کہے گا: اب تو مجھے اور زیادہ یقین ہو گیا کہ تو دجال ہی ہے۔ پھر وہ مؤمن کہے گا: اے لوگو! میرے بعد یہ ایسا معاملہ نہیں کر سکے گا (یعنی اب اس میں کسی کو مارنے کی طاقت نہیں ہے) چنانچہ دجال دوبارہ اس مؤمن کو پکڑ کر کوزح کرنا

چاہے گا، اللہ تعالیٰ اس مؤمن کی گردن کا حصہ تانبے کی طرح بنادیں گے جس کی وجہ سے دجال کا کوئی ہتھیار اس پر نہیں چلے گا۔ پھر وہ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگیں پکڑ کر اس آگ میں جو اس کے ساتھ ہوگی پھینک دے گا۔ لوگ سمجھیں گے کہ اس کو آگ میں ڈالا گیا حالانکہ وہ تو جنت میں ڈالا گیا ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ شخص جس کو دجال سب سے پہلے قتل کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے بڑی شہادت والا ہے۔

دجال کے پاس روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی

۱۸۱۶:- وعن المغيرة بن شعبة - رضى الله عنه - قال: ما سأل أحد رسول الله - ﷺ - عن الدجال أكرمهم سألته؛ وإذنه قال لي: ((مَا يَصْرُكَ)) قُلْتُ: إِنَّهُمْ يَقُولُونَ: إِنَّ مَعَهُ جَبَلٌ خُبِرَ وَنَهَرَ مَاءً. قَالَ: ((هُوَ أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ ذَلِكَ)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کریم ﷺ سے دجال کے متعلق مجھ سے زیادہ کسی نے سوالات نہیں کئے۔ میرے اس بار بار پوچھنے پر حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تمہیں کیا ڈر ہے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ ہوگا اور پانی کی نہر ہوگی؟ (مطلب یہ کہ جس کو چاہے گا کھانا دے گا، اور جس کو چاہے گا کھانا نہیں دے گا) اس پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی نگاہوں میں وہ اس سے زیادہ حقیر ہے۔

افادات:- یعنی اس کے پاس روٹیوں کا پہاڑ ہوگا اور پانی کی نہر ہوگی، اس کے باوجود ان چیزوں کی وجہ سے اہل ایمان گمراہ نہیں ہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی ساری ڈھیل دیئے جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اتنی

حیثیت نہیں ہے کہ وہ کسی مؤمن کو گمراہ کر سکے، گمراہ وہی ہوں گے جو کافر و مشرک ہیں۔

ہر نبی نے دجال سے ڈرایا ہے

۱۸۱۷:- وعن أنس رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أُنْذِرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ، إِلَّا إِذْهُ أَعْوَرُ وَإِنَّ رَبَّكُمْ ﷻ لَيْسَ بِأَعْوَرٍ، مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كُفْرٌ. (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر نبی نے اپنی امت کو جھوٹے اور کانے (یعنی آنکھ میں عیب والے) دجال سے ڈرایا، اور سنو! اس کی ایک آنکھ بالکل سپاٹ ہوگی (اور دوسری آگے کو نکلی ہوئی ہوگی، اور اس کا یہ ظاہری عیب ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا نہیں ہے، جو خود اپنا عیب دور کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ خدا کیا بن سکتا ہے؟) اور تمہارا رب آنکھ میں عیب والا نہیں ہے۔ اور اس کی پیشانی پر ک، ف، ر (یعنی کافر) لکھا ہوا ہے۔ (آگے ایک روایت آئے گی جس میں ہے کہ اس کو ہر مؤمن جو پڑھا لکھا ہو وہ بھی، اور جو پڑھا لکھا نہ ہو وہ بھی پڑھ لے گا)۔

وہ ایک بات جو کسی نبی نے نہیں بتائی

۱۸۱۸:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا عَنِ الدَّجَالِ مَا حَدَّثَ بِهِ نَبِيٌّ قَوْمَهُ! إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّهُ يَجِيءُ مَعَهُ بِمِثَالِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَالَّتِي يَقُولُ إِنَّهَا الْجَنَّةُ هِيَ النَّارُ)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں دجال کے متعلق ایسی بات نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتلائی؟ (وہ یہ ہے

کہ) دجال آنکھ میں عیب والا ہے، اور وہ اپنے ساتھ جنت اور جہنم کے نمونے لائے گا، لیکن جس کو وہ جنت کہتا ہوگا وہ حقیقت میں دوزخ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی آنکھ میں عیب نہیں ہے

۱۸۱۹:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ذَكَرَ الدَّجَالَ بَيْنَ ظَهْرِ ابْنِ الدَّائِسِ، فَقَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، إِلَّا إِنْ الْمَسِيحُ الدَّجَالُ أَعْوَرَ الْعَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے دجال کا تذکرہ کیا، چنانچہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی آنکھ میں عیب نہیں ہے، اور دجال کی دائیں آنکھ عیب دار ہے، ایسی باہر نکلی ہوئی ہے جیسے انور کا دانہ (خوشے میں سے) آگے نکلا ہوا ہوتا ہے۔

قیامت سے پہلے مسلمان اور یہودیوں کی جنگ ہوگی

۱۸۲۰:- وعن أبي هريرة - رضي الله عنه -: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ - قَالَ: ((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ، حَتَّى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ. فَيَقُولُ الْحَجَرُ وَالشَّجَرُ: يَا مُسْلِمُ هَذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي، تَعَالَ فَاقْتُلْهُ، إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں سے جنگ کریں گے، یہاں تک کہ کوئی یہودی اگر کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپے گا وہ تو پتھر اور درخت بھی کہے گا کہ: اے مسلمان! یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے؛ آ! اور اس کو مار۔ سوائے غرقہ کے درخت کے کہ یہ

یہودی درخت میں سے ہے۔

افادات:- ”غرق“ یہودی درخت کہلاتا ہے، جب کوئی یہودی اس درخت کے پیچھے چھپے گا تو وہ نہیں بتائے گا۔ ایک صاحب نے بتلایا کہ آج کل اسرائیل میں یہودی غرق کے درخت کثرت سے بورے ہیں تاکہ ان کو چھپنے کی جگہ ملے۔

قرب قیامت ٹینشن انتہا کو پہنچ جائے گا

۱۸۲۱:- وعنہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَى الْقَبْرِ، فَيَتَمَرَّغَ عَلَيْهِ وَيَقُولُ: يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَكَانَ صَاحِبِ هَذَا الْقَبْرِ، وَلَيْسَ بِهِ الدِّينُ، مَا بِهِ إِلَّا الْبَلَاءُ.)) (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ کوئی آدمی قبر پر سے گزرے گا تو اس قبر پر لوٹے گا (جیسے کوئی آدمی پیٹ میں درد کی وجہ سے لوٹتا ہے) اور کہے گا: کاش! اس قبر والے کی جگہ پر میں ہوتا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) اس کی یہ تمنا دینداری کی وجہ سے نہیں ہوگی، بلکہ آزمائش اور ٹینشن کی وجہ سے ہوگی۔

افادات:- بعض مرتبہ آدمی موت کی تمنا اس لیے کرتا ہے کہ وہ ایسے ماحول میں زندگی گزار رہا ہوتا ہے کہ اس کو ایمان کا اندیشہ ہوتا ہے، تو دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! میرے ایمان پر آنچ آوے اس سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھالے؛ یہ تمنا تو پسندیدہ ہے۔ لیکن کسی مصیبت کی وجہ سے ایسی تمنا کرنا ناپسندیدہ ہے۔

آج کل ہر آدمی ٹینشن میں ہے اور قرب قیامت ٹینشن انتہا کو پہنچ جائے گا،

ہر چیز ہونے کے باوجود آدمی اتنے ٹینشن میں ہوگا کہ کسی قبر پر سے گزرے گا تو اس پر لوٹے گا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اُس وقت حالات کیسے سخت ہوں گے!

دریائے فرات میں سے سونے کا پہاڑ نمودار ہوگا

۱۸۲۲:- وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَحْسِرَ الْفَرَاتُ عَنْ جَبَلٍ مِنْ ذَهَبٍ يُقْتَلُ عَلَيْهِ، فَيُقْتَلُ مِنْ كُلِّ مِئَةِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ، فَيَقُولُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ: لَعَلِّي أَنْ أكونَ أَنَا الْجَبَلُ)).

وفی روایة: ((يُوشِكُ أَنْ يَحْسِرَ الْفَرَاتُ عَنْ كَنْزٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَمَنْ حَضَرَ هَـ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئاً)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ دریائے فرات سونے کے ایک پہاڑ کو کھول دے گا، جس کو حاصل کرنے کے لیے آپس میں قتل و قتل ہوگا، اور اُس جنگ میں اتنی کثرت سے آدمی مارے جائیں گے کہ سو میں سے ننانوے آدمی ہلاک ہو جائیں گے، (گویا اس جنگ میں ننانوے فیصد آدمی مارے جائیں گے، صرف ایک فیصد لوگ بچیں گے) ہر آدمی اس امید اور لالچ پر اس جنگ میں حصہ لے گا کہ شاید میں بچ جاؤں (اور یہ سونا میرے ہاتھ لگ جائے)۔

دوسری روایت میں ہے کہ: دریائے فرات سونے کے خزانے کھول دے گا، جو اُس زمانے کو پائے وہ اس میں سے کچھ نہ لے۔

افادات:- ”حَسِرَ يَحْسِرُ“ کا مطلب یہ ہے کہ دریائے فرات کا پانی خشک ہو جائے گا اور جیسے ندی میں کوئی چیز چھپی ہوئی ہو اور اس کا پانی خشک ہو جائے تو لوگ اس کو دیکھ لیتے ہیں، اسی طرح دریائے فرات سے سونے کا ایک پہاڑ کھل جائے

گالیعی دریائے فرات کا پانی خشک ہو جائے گا اور اندر سے سونے کا ایک پہاڑ نمودار ہوگا۔ اب ہوسکتا ہے کہ وہ پہاڑ کی شکل میں ہو۔ یا خزانے کی کثرت اور زیادتی کو پہاڑ سے تعبیر کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو تاکید فرمائی کہ جو اُس زمانے کو پائے وہ اس میں سے کچھ نہ لے۔ اس لیے کہ اس میں سے لینا آپس کی لڑائی اور فتنہ کا باعث ہوگا اور فتنے سے اپنے آپ کو بچانے کا اسلم راستہ یہی ہے کہ آدمی اس سے دُور رہے۔

پالتو جانور بھی وحشی بن جائیں گے

۱۸۲۳:- وعنه قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقول: ((يَتْرُكُونَ الْمَدِينَةَ عَلَى خَيْرِ مَا كَانَتْ، لَا يَغْشَاهَا إِلَّا الْعَوَافِي يُرِيدُ - عَوَافِي السَّيِّئَاتِ وَالطَّيْرِ - وَآخِرُ مَنْ يُخْشَرُ رَاعِيَانِ مِنْ مُزَيْنَةَ يُرِيدَانِ الْمَدِينَةَ يَنْعِقَانِ بَغْتَمِهِمَا فَيَجِدَانِهَا وَحُوشًا، حَتَّى إِذَا بَلَغَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ خَرَا عَلَى وَجُوهِهِمَا)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: لوگ مدینہ منورہ کی رہائش کو چھوڑ دیں گے باوجود اس کے کہ وہاں کی سکونت اور رہائش خیر اور بھلائی کا ذریعہ ہوگی، اور مدینہ منورہ میں صرف جانور (درندے اور پرندے) ہی آئیں گے۔ اور آخر میں جو وہاں سے نکلیں گے وہ قبیلہ مُزَيْنَةُ کے دو چرواہے ہوں گے، وہ مدینہ جانا چاہیں گے اور اپنے ساتھ اپنے چوپایوں، مویشیوں اور جانوروں کو لے جانے کے لیے ان کو آواز دیں گے لیکن اس وقت وہ اپنے جانوروں کو بالکل وحشی پائیں گے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں چرواہے جب مقام ثنیۃ الوداع تک پہنچیں گے تو اپنے منہ کے بل نیچے گر جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے۔

افادات:- یہ صورتِ قربِ قیامت میں پیش آئے گی کہ پالتو جانور بھی متوحش ہو جائیں گے، حالاں کہ بکریاں، بھینس وغیرہ پالتو جانور ہوتے ہیں، جن کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے چرواہے کی آواز پر۔ جہاں وہ لے جانا چاہتا ہے۔ فوراً چلے جاتے ہیں، لیکن اس وقت ان میں وہ بات نہیں رہے گی، وہ جانور جنگلی جانوروں کی طرح ہو جائیں گے کہ ان چرواہوں کی آواز پر ان کے ساتھ نہیں چلیں گے بلکہ ادھر اُدھر منتشر ہو جائیں گے۔ اور مدینہ منورہ کو چھوڑنا کیوں ہوگا؟ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حُکام کے جور و ظلم اور زیادتی کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوگی۔

مال کی کثرت ہو جائے گی

۱۸۲۴:- وعن أبي سعيد الخدري - رضی اللہ عنہ - : أَنَّ النَّبِيَّ - صلی اللہ علیہ وسلم - قَالَ: ((يَكُونُ خَلِيفَةٌ مِنْ خُلَفَائِكُمْ فِي آخِرِ الزَّمَانِ يَحْثُو الْمَالَ وَلَا يَعْدُّهُ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخری زمانہ میں تمہارے خلفاء میں سے ایک خلیفہ (بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ) ایسا ہوگا جو لپیں بھر بھر لوگوں کو مال دے گا، اور گنے گا بھی نہیں۔

افادات:- یعنی مال کی اتنی کثرت ہوگی، اور وہ حاکم بھی اتنا سخی ہوگا کہ اس کے پاس مال لینے کے لیے آنے والے لوگوں کو مال گن کر نہیں بلکہ لپیں بھر بھر کر دے گا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت مہدیؑ ہیں کہ ان کے زمانے میں مال کی ایسی ہی کثرت ہوگی۔

قربِ قیامت کی دو نشانیاں؛ مال اور عورتوں کی کثرت

۱۸۲۵:- وعن أبي موسى الأشعري - رضي الله عنه -: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ -

قال: ((لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَطُوفُ الرَّجُلُ فِيهِ بِالصَّدَقَةِ مِنَ الذَّهَبِ فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَأْخُذُهَا مِنْهُ، وَيَرَى الرَّجُلُ الْوَاحِدَ يَتْبَعُهُ أَرْبَعُونَ امْرَأَةً يُلْذَنُ بِهِ مِنْ قِلَّةِ الرِّجَالِ وَكَثْرَةِ النِّسَاءِ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی صدقہ کے طور پر دینے کے لیے اپنا سونالے کر پھرے گا اور کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں پائے گا جو اس کو قبول کرے (ہر ایک منع کر دے گا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ وہ یوں کہے گا کہ پہلے آیا ہوتا تو میں لے لیتا اب تو میرے پاس بھی بہت ہے) اور مردوں کی کمی اور عورتوں کی کثرت کی وجہ سے (ایسا حال ہوگا کہ) ایک آدمی کے پاس چالیس چالیس عورتیں پنہاں حاصل کر رہی ہوں گی۔

افادات:- یعنی عورتوں کی زیادتی اتنی ہو جائے گی کہ ایک ایک مرد کی

نگرانی میں چالیس چالیس عورتیں۔ اس کی بیوی، بیٹیاں، بہنیں وغیرہ۔ ہو جائیں گی۔

اب مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی کیوں ہوگی؟ تو بعض حضرات فرماتے

ہیں کہ آخری زمانے میں جنگیں اور لڑائیاں کثرت سے ہوں گی، اور چوں کہ عام طور پر

لڑائیوں اور جنگوں میں مرد ہی حصہ لیتے ہیں، اس لیے مرد کثرت سے مریں گے اور عورتیں

بچیں گی، اس لیے ان عورتوں کی نگرانی کرنے والا ایک مرد ہوگا اور اس کے ماتحت چالیس

چالیس عورتیں ہوں گی۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آخری زمانے میں عورتوں کی

پیدائش ہی بڑھ جائے گی، اس وجہ سے مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔

دلچسپ واقعہ

۱۸۲۶:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((اشترى رجلٌ من رجلٍ عقاراً، فوجد الذي اشترى العقار في عقاره جرةً فيها ذهبٌ، فقال له الذي اشترى العقار: خذ ذهبك، إنما اشتريت منك الأرض ولم اشترِ الذهب، وقال الذي له الأرض: إنما بعثتك الأرض وما فيها، فتحاكما إلى رجلٍ، فقال الذي تحاكما إليه: ألكما ولدٌ؟ قال أحدهما: لي غلامٌ، وقال الآخر: لي جاريةٌ قال: أنكحاه الغلام الجارية، وأنفقاً على أنفسهما منه وتصدقاً.)) (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے زمین خریدی، جس نے زمین خریدی تھی اس کو اس زمین میں سے سونے سے بھرا ہوا ایک گھڑا ملا۔ تو اس نے اس سے جس سے زمین خریدی تھی کہا کہ: یہ سونا تیرا ہے، تو لے لے، اس لیے کہ میں نے تو صرف زمین خریدی تھی، سونا نہیں خریدا تھا۔ اور جس کی زمین تھی اس نے کہا: میں نے تو یہ زمین اس میں جو کچھ ہے اس کے ساتھ تجھے بیچ دی ہے (یہ گھڑا بھی اس میں آگیا؛ اب میں یہ نہیں لوں گا۔ وہ دینے پر اصرار کرتا ہے، اور یہ لینے سے انکار کرتا ہے) یہ دونوں اپنا جھگڑا ایک آدمی کے پاس لے گئے (اور اس کو اپنا حکم اور فیصلہ بنایا) اس فیصلہ نے ان دونوں سے پوچھا: تمہاری کوئی اولاد ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: میرا ایک لڑکا ہے۔ دوسرے نے کہا: میری لڑکی ہے۔ تو اس نے کہا کہ فیصلہ بہت آسان ہو گیا، ایسا کرو کہ تمہارے لڑکے کا نکاح اس کی لڑکی سے کرادو، اور یہ مال ان دونوں پر خرچ کر دو، اور جو بیچ جاوے اس کا صدقہ کر دو (چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا)۔

افادات:- ویسے ہماری شریعت میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے کسی کو اپنی زمین بیچی اور اس میں اس نے اپنا خزانہ یا کوئی چیز رکھی تھی؛ تو اب وہی اس کا مالک سمجھا جائے گا، خریدنے والا زمین خریدنے کی وجہ سے اس خزانے کا مالک نہیں بنتا۔

دلچسپ فیصلہ

۱۸۲۷:- وعنه - رضی اللہ عنہ - : أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ - ﷺ - يَقُولُ : ((كَانَتْ أُمْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا، جَاءَ الذِّدْبُ فَذَهَبَ بَابْنِ أَحَدَاهُمَا. فَقَالَتْ لِصَاحِبَتِهَا: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ، وَقَالَتِ الْأُخْرَى: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ، فَتَحَا كَمَا إِلَى دَاوُدَ - ﷺ - فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى، فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ - ﷺ - فَأَخْبَرَتَاهُ. فَقَالَ: ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّهُ بَيْنَهُمَا. فَقَالَتِ الصَّغْرَى: لَا تَفْعَلْ! رَحِمَكَ اللَّهُ، هُوَ ابْنُهَا. فَقَضَى بِهِ لِلصَّغْرَى)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: دو عورتیں تھیں، ان کے پاس اپنا اپنا بچہ تھا، ایک بھیڑیا آیا اور ایک کے بیٹے کو لے گیا۔ جس کے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا تھا اس نے دوسری کے بیٹے کو لے لیا اور اس سے یوں کہا: تیرے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا (یہ میرا بیٹا ہے) دوسری نے کہا: نہیں! تیرے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا (یہ میرا بیٹا ہے) دونوں عورتیں اپنا فیصلہ حضرت داود علیہ السلام کے پاس لے گئیں۔ حضرت داود علیہ السلام نے جو بڑی عورت تھی اس کے حق میں فیصلہ دیدیا (اب سوال ہوتا ہے کہ بڑی کے حق میں فیصلہ کیوں دیا؟ تو روایت میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے، اور گواہ بھی دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس قرینہ کی وجہ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو کہ جس وقت دونوں عورتیں مقدمہ لے کر ان کے پاس گئیں، اس وقت بچہ بڑی کے

قبضہ میں تھا۔ خیر! فیصلہ ہو گیا) اس کے بعد یہ دونوں عورتیں باہر نکلیں، حضرت سلیمان علیہ السلام ملے، انہوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ دونوں نے بتلایا کہ اس طرح کا واقعہ پیش آیا (اور حضرت نے ایسا فیصلہ کیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قرآن سے معلوم کیا کہ یہ بچہ بڑی کا نہیں ہے، بلکہ چھوٹی کا ہے) تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: ایک چاقولاؤ، میں اس بچے کے آدھے آدھے ٹکڑے کر کے دونوں کو بانٹ دیتا ہوں۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تو چھوٹی عورت۔ جس کے حق میں فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ نے کہا: حضرت! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے؛ آپ ایسا مت کیجئے، بچہ اسی کے پاس رہنے دو (میں اپنا دعویٰ چھوڑ دیتی ہوں۔ اور بڑی نے کچھ نہیں کہا) حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ بچہ اس چھوٹی عورت کا ہے، اس لیے کہ یہ اس بچے کے دو ٹکڑے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا (ہو سکتا ہے کہ بعد میں بڑی نے بھی حقیقتِ حال کا اقرار کر لیا ہو)۔

افادات:- مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے متعلق دو فریق میں اختلاف ہو جائے، اور اس پر قبضہ کسی ایک کا ہو، اور دوسرا کہے کہ یہ چیز میری ہے، تو اس سے گواہ مانگے جاتے ہیں، اگر وہ گواہ پیش کر دے تب تو ٹھیک ہے، ورنہ دوسرے کی قسم سے اسی کے حق میں فیصلہ ہو جاتا ہے۔

نیک لوگ آہستہ آہستہ دنیا سے رخصت ہوں گے

۱۸۲۸:- وعن مرداس الأسلمی رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ:

((يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ، وَيَبْقَى حُثَالَةُ كُثَالَةِ الشَّعِيرِ أَوْ الثَّمَرِ لَا يَبْقَى لَهُمُ اللَّهُ بَالَةً)). (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: نیک لوگ آہستہ آہستہ دنیا سے رخصت ہوں گے، اور اخیر میں کوڑا کڑکٹ (نکما حصہ) رہ جائے گا، جیسے جڑ اور کھجور میں سے رہ جاتا ہے (پھر ان پر جیسے بھی حالات آویں) اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

اصحابِ بدر کی فضیلت

۱۸۲۹:- وعن رفاعۃ بن رافع الزُّرَقِیِّ رضی اللہ عنہ قال: جاء جبریل
إلی النبی ﷺ قال: مَا تَعُدُّونَ أَهْلَ بَدْرٍ فِیْكُمْ؟ قال: ((مَنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِیْنَ))
أَوْ كَلِمَةٍ مِّثْلِهَا. قال: وَكَذَلِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت رفاعہ بن رافع زُرَقِی رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل
ﷺ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: بدر میں شریک ہونے والوں کو آپ
اپنے درمیان کیسا شمار کرتے ہیں (یعنی صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات غزوہ بدر میں شریک
ہوئے تھے؟ آپ کے درمیان ان کی پوزیشن اور مقام کیا ہے؟) نبی کریم ﷺ نے
ارشاد فرمایا: غزوہ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ دوسرے سب کے مقابلہ میں افضل سمجھے جاتے
ہیں۔ یا ایسا ہی کوئی جملہ ارشاد فرمایا جس سے بدر والوں کی فضیلت معلوم ہوتی تھی۔ اس پر حضرت
جبرئیل ﷺ نے فرمایا: ہمارے فرشتوں میں بھی جو فرشتے غزوہ بدر میں شریک ہوئے ان کو
دوسرے تمام فرشتوں کے مقابلہ میں۔ جو بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ افضل سمجھا جاتا ہے۔

عمومی عذاب کی لپیٹ میں سب ہی آجاتے ہیں

۱۸۳۰:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ:
((إِذَا أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى بِقَوْمٍ عَذَابًا، أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ، ثُمَّ بُعِثُوا

عَلَى أَعْمَالِهِمْ))۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتے ہیں تو اس وقت جتنے بھی لوگ موجود ہوتے ہیں سب پر وہ عذاب آتا ہے، البتہ قیامت کے روز لوگ اپنے اپنے اعمال اور نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

افادات:- یعنی عام دستور یہی ہے کہ کسی بد عملی کی وجہ سے کسی قوم پر کوئی عذاب آتا ہے تو جو لوگ اس گناہ میں مبتلا نہیں ہوتے وہ بھی اس عذاب کا شکار ہو جاتے ہیں، جیسے عذاب کے طور پر زلزلہ آیا، تو اس میں وہ لوگ بھی مریں گے جو گنہگار نہیں تھے اور جن کے گناہوں کو اس زلزلہ کے آنے میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اسی طرح سیلاب آیا اور اس میں بہت سے لوگ ڈوب گئے تو جتنے میں بھی اس قوم میں ہوں گے ان سب کو وہ عذاب پہنچے گا۔ دنیوی عذاب کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا، ہاں! جونیک ہیں آخرت میں ان کے ساتھ ان کے اعمال کے مطابق معاملہ ہوگا۔

اسطوانہ حنّانہ

۱۸۳۱:- وعن جابر - رضى الله عنه - قال: كَانَ جُنْدٌ يَقُومُ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ - يَعْنِي فِي الْخُطْبَةِ - فَلَمَّا وُضِعَ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِلْجُنْدِ مِثْلَ صَوْتِ الْعِشَارِ، حَتَّى نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ - فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ فَسَكَنَ.

وفی روایت: فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَعَدَ النَّبِيُّ ﷺ - عَلَى الْمِنْبَرِ، فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِي كَانَ يُخْطَبُ عَنْهَا حَتَّى كَادَتْ أَنْ تَنْشَقَّ.

وفی روایت: فَصَاحَتْ صِيَاخُ الصَّيْبِ، فَانْزَلَ النَّبِيُّ ﷺ، حَتَّى أَخَذَهَا

فَضَّمَهَا إِلَيْهِ، فَجَعَلَتْ تَيْنُ أَنْبِيَاءِ الصَّحَابِيِّ الَّذِينَ يُسَكُّنُ حَتَّى اسْتَقَرَّتْ، قَالَ: (بَكَتْ عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ)). (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں ایک تناہٹا، آپ ﷺ جب خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو کھجور کے اسی تنے سے ٹیک لگاتے تھے (ایک بڑھئی آیا اور اس نے ایک منبر بنادیا) جب وہ منبر رکھا گیا اور جمعہ کے دن پہلی مرتبہ نبی کریم ﷺ خطبہ دینے کے لیے بجائے کھجور کے اس تنے کے پاس کھڑے ہونے کے منبر پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کا وہ تناروٹ لگا، اور اس میں سے ایسی آواز آئی جیسے گابھن اوٹنی روتی ہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ منبر سے نیچے اترے اور آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا تو اس کو سکون ملا۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ: منبر بن کر آیا اور آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کا تنا زور زور سے چلا کر رونے لگا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ پھٹ جائے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ: جیسے بچہ بلبلاتا رہتا ہے اس طرح رویا۔ حضور اکرم ﷺ منبر سے نیچے اترے، اس کو اپنے بازوؤں میں لے کر اپنے سینے سے لگایا (جیسے بچہ روتا ہوتا ہو تو اس کو چپ کرانے کے لیے تسلی دی جاتی ہے) اور بچہ جیسے ہچکیاں لیتا ہے اس طرح اس تنے نے بھی ہچکیاں لیں یہاں تک کہ وہ سکون پذیر ہو گیا۔ وہ اس لیے رویا تھا کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس کھڑے رہ کر جو خطبہ دیتے تھے (اس فضیلت سے وہ محروم ہو گیا)

ترجمہ:- روایتوں میں ہے کہ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس کو اختیار دیا کہ اگر تو چاہے تو مسجد میں لگائے جانے سے پہلے تو جیسا ہر ابھر درخت تھا، ایسا ہی تجھے ہر ابھر درخت کر دیا جائے، اور اگر تو چاہے تو جنت میں بھیج دیا جائے؛ تو اس نے جنت میں جانے کو پسند کیا، چنانچہ مسجد نبوی میں اسی جگہ پر اس کو دفن کر دیا گیا۔

مسجد نبوی کے جن ستونوں کی زیارت کی جاتی ہے ان میں ایک یہ ”اسطوانہ حنّانہ“ بھی ہے۔ آپ ﷺ کی محراب سے بالکل لگ کر وہ جگہ ہے۔

جامع روایت

۱۸۳۲:- وعن أبي ثعلبة الخشني جُرثوم بن ناشر رضى الله عنه عن رسول الله ﷺ قال: ((إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا، وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَسَكَّتْ عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً لَكُمْ غَيْرَ نَسِيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا)) (حدیث حسن۔ رواہ الدارقطنی وغیرہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض کی ہیں، ان کو ضائع مت کرو (یعنی ان کو انجام دو) اور اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں، ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے، ان کی حرمت مت توڑو (یعنی ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرو) اور کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ تم پر رحم کھاتے ہوئے اس سے خاموشی اختیار فرمائی ہے (اس سلسلہ میں کوئی بھی بات ارشاد نہیں فرمائی) تو ایسی چیزوں میں بحث نہ کرو۔

افادات:- معلوم ہوا کہ جن چیزوں کے متعلق شریعت میں کوئی صراحت نہیں آئی ہے اس کے بارے میں آدمی کو خاموشی اختیار کرنی چاہیے، اس میں بحث و مباحثہ میں نہیں پڑنا چاہیے۔

حضورِ اکرم ﷺ کی نوش فرمائی ہوئی ایک غذا (ٹڈی)

۱۸۳۳:- وعن عبد الله بن أبي أوفى رضى الله عنهما، قال: غَزَوْنَا مَعَ

رَسُولِ اللَّهِ ﷺ - سَبَعَ غَزَوَاتٍ تَأْكُلُ الْجَرَادَ. (متفق علیہ)

وَفِي رِوَايَةٍ: تَأْكُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں حصہ لیا اور اس موقع پر ہم ٹڈیاں کھاتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ٹڈیاں کھاتے تھے۔

افادات:- ”ٹڈی“ اُڑنے والا ایک حلال جانور ہے، اس میں ذبح کرنے کی بھی شرط نہیں ہے، جیسے مچھلی کا ذبح کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی ٹڈی نوش فرمائی ہے۔

ایمان والا بڑا محتاط ہوتا ہے

۱۸۳۲:- وعن أبي هريرة - رضى الله عنه:- أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ - قَالَ: ((لَا يَلِدُ الْغُفَّاءُ مِنَ الْغُفَّاءِ وَاحِدًا مَرَّتَيْنِ)). (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان والا ایک سوراخ سے دوسرے ڈسا نہیں جاتا۔

افادات:- ایمان والا بڑا محتاط ہوتا ہے۔ زندگی میں جو حالات، واقعات اور عبرت انگیز چیزیں پیش آتی ہیں ان سے وہ بڑے سبق لیتا ہے، اگر کسی کی طرف سے اس کے ساتھ دھوکہ دہی ہوئی ہو تو پھر دوسری مرتبہ وہ غفلت میں رہ کر ایسا دھوکہ نہیں کھاتا۔

علامہ نور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے تھے: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی کسی غفلت پر کسی نے تنبیہ کی، یا اس کی وجہ سے سزا بھگتنے کی نوبت آئی، تو پھر ایمان والا دوبارہ کبھی

ایسی غفلت نہیں برتنے۔ جیسے: فیکٹری میں کسی قانون کی خلاف ورزی ہوگئی اور اس کی وجہ سے پینلٹی آگئی؛ تو ایمان والے کے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ آئندہ کبھی ایسا کوئی اقدام نہ کرے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ زندگی میں پیش آنے والے حالات سے وہ عبرت اور سبق حاصل نہ کرے، اور اس کی طرف سے بار بار ایسی ہی صورتیں پیش آتی رہیں۔

وہ تین آدمی جن سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں

۱۸۳۵:- وعنه قال: قال رسول الله - ﷺ -: ((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ عَلَى فُضْلِ مَاءٍ بِالْفَلَاحَةِ يَمْنَعُهُ مِنَ ابْنِ اللَّهِ بَيْلٌ. وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا سِلْعَةً بَعْدَ الْعَصْرِ، فَخَلَفَ بِاللَّهِ لِأَخْذِهَا بِكَذَابٍ وَكَذَابَ فَصَدَّقَهُ وَهُوَ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ. وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا فَإِنْ أُعْطَاهُ مِنْهَا وَفَى وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ))، متفق عليه

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

ارشاد فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات کریں گے، اور نہ ان کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھیں گے، اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کریں گے، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا (۱) ایک وہ آدمی جس کے پاس جنگل، صحراء اور رن میں اس کی ضرورت سے زائد پانی موجود ہو اور کسی مسافر کو استعمال کرنے سے منع کرے (۲) دوسرا وہ آدمی جس نے عصر کے بعد کسی کے ہاتھ کوئی سامان بیچا اور اس وقت قسم کھا کر یوں کہا کہ میں نے یہ سامان اتنے روپیہ میں خریدا ہے اور سامنے والے نے بھی اس کی بات کو سچ مان لیا، حالاں کہ اس کی بات صحیح نہیں تھی (۳) تیسرا وہ آدمی جس نے امامِ مسلمین (حاکمِ وقت) کے ہاتھ پر اطاعت و فرماں برداری کی بیعت صرف دنیا حاصل کرنے کے لیے کی (گویا اس کی یہ بیعت اللہ کے واسطے نہیں،

حالاں کہ حکام کے ہاتھ پر ان کی اطاعت و فرماں برداری کے لیے اللہ کے واسطے بیعت کرنی چاہیے) اب اگر اس کو سرکاری خزانہ سے کچھ ملتا ہے تب تو وہ اس حاکم کی فرمانبرداری کرتا ہے (بیعت کے تقاضہ پر عمل کرتا ہے) اور اگر وہ حاکم کچھ نہیں دیتا تو پھر وہ بیعت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔

افادات:- بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کو کرنے والا سزا کا مستحق تو بنتا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیں گے، لیکن اس روایت میں جن تین کا تذکرہ ہے وہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کریں گے، بلکہ ان کو اپنے کئے کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی:-

(۱) پہلا وہ آدمی جس نے مثلاً کوئی کنواں کھودا اور اس میں سے پانی نکلا پھر اس کی ضرورت پوری ہو گئی اور زائد پانی بچا ہے، پھر کوئی مسافر وہاں سے گزر جو ضرورت مند اور پیاسا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اس پانی کے ذریعہ اس کی پیاس بجھے، لیکن یہ کہتا ہے کہ یہ کنواں میرا ہے، میں اس میں سے پانی پینے نہیں دوں گا، حالاں کہ یہ پانی اس کی ضرورت سے زائد ہے۔

(۲) جو آدمی عصر کے وقت جھوٹی قسم کھا کر کاروبار کرتا ہے۔ ویسے تو کسی بھی وقت پر غلط طریقہ سے سامان بیچنا گناہ ہے، لیکن عصر کے بعد کا وقت بڑا برکت سمجھا جاتا ہے، اس وقت کوئی آدمی ایسی حرکت کرے گا تو اس میں اور زیادہ قباح و برائی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) پہلے زمانہ میں جب اسلامی حکومت تھی تو بادشاہ وقت جب حکومت پر آتا تھا تو وہ تمام لوگوں سے بیعت اور عہد و پیمان لیتا تھا کہ تم سب میری اطاعت

کرو گے، اب جس آدمی نے حاکم وقت کے ہاتھ پر بیعت صرف دنیا حاصل کرنے کے لیے کی، اس کا مقصد حاکم کی اطاعت و فرمانبرداری نہیں تھی، پھر اگر اس کو سرکاری خزانہ سے کچھ وظیفہ ملتا ہے تب تو حاکم کی مانتا ہے اور بیعت کے تقاضہ پر عمل کرتا ہے، لیکن اگر حاکم اس کو کچھ نہیں دیتا تو پھر وہ بھی بیعت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔

یہ تین گناہ ایسے ہیں جن کو کرنے والا ان کی سزا ضرور بھگتے گا، اس کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

دو صورتوں کے درمیان کا فاصلہ

۱۸۳۶: - وعنہ، عن النبی ﷺ - قال: ((بَيْنَ النَّفْعَتَيْنِ أَرْبَعُونَ))
 قالوا: يَا أَبَاهُ رِيَّةٌ أَرْبَعُونَ يَوْمًا؟ قَالَ: أُبَيْتُ، قَالُوا: أَرْبَعُونَ سَنَةً؟ قَالَ:
 أُبَيْتُ. قَالُوا: أَرْبَعُونَ شَهْرًا؟ قَالَ: أُبَيْتُ. ((وَيَسْلَى كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الْإِنْسَانِ إِلَّا
 حُجَبَ الذَّنْبِ، فِيهِ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ، ثُمَّ يُنْزِلُ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُونَ كَمَا
 يَنْبُتُ الْبَقْلُ)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

دو مرتبہ صورتوں کے جانے کے درمیان کا فاصلہ چالیس ہے۔ سننے والوں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! چالیس دن مراد ہیں؟ انہوں نے کہا: مجھے یقین کے ساتھ معلوم نہیں۔ پوچھنے والوں نے پوچھا: چالیس سال؟ اس پر بھی انہوں نے جواب میں فرمایا: میں (یقین کے ساتھ کہنے سے) انکار کرتا ہوں (یعنی مجھے یقین کے ساتھ یا نہیں) پھر لوگوں نے پوچھا: چالیس مہینے؟ انہوں نے اس کا بھی وہی جواب دیا۔ (ویسے دوسری روایتوں سے چالیس سال کی تعین ہوتی ہے) پھر آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس (درمیانی مدت) میں انسان کے جسم کی ہر چیز گل سڑ کر

ختم ہو جائے گی، سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری سرے کے (کہ وہ باقی رہ جائے گا) اور ساری مخلوق کی دوبارہ پیدائش اُسی سے کی جائے گی، اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ آسمان سے پانی برسائیں گے جس کے نتیجے میں لوگ اس طرح نکل آئیں گے جیسے پانی سے سبزہ نکل آتا ہے۔

افادات:- پہلا صور پھونکے جانے پر ساری مخلوق ختم ہو جائے گی، اور سب پر موت طاری ہو جائے گی، اس کے بعد جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اس کے نتیجے میں سب لوگ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ ان دونوں صوروں کے پھونکنے جانے کے درمیان کی مدت اور زمانہ چالیس سال ہوگا جیسا کہ دوسری روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔

”ریڑھ کی ہڈی کا آخری سرا“ یعنی آدمی کی پیٹھ میں بیچ میں جو ہڈی ہے اس میں نیچے دو سرینوں کے بیچ میں جو نوکیلا حصہ ہوتا، آپ وہاں انگلی سے ایک نوک سی نکلی ہوئی محسوس کر سکتے ہیں۔

جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو

۱۸۳۷:- وعنه، قال: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ فِي مَجْلِسٍ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ، جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ فَمَضَى- رَسُولُ اللَّهِ ﷺ- يُحَدِّثُ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: سَمِعَ مَا قَالَ فَكَرَّهَ مَا قَالَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ لَمْ يَسْمَعْ، حَتَّى إِذَا قَضَى حَدِيثَهُ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنِ السَّاعَةِ؟ قال: هَذَا أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ. قال: ((إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ)) قال: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قال: ((إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ)). (رواه البخاری)

ترجمہ تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ

نبی کریم ﷺ اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے اور آپ کی تقریر جاری تھی اسی دوران ایک دیہاتی آیا (اب چاہیے تو یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ جو گفتگو فرما رہے تھے اس کے ختم ہونے کا وہ انتظار کرتا، اور جب آپ اپنی گفتگو ختم فرما لیتے اس کے بعد اس کو جو پوچھنا تھا وہ پوچھتا، لیکن چوں کہ وہ دیہات کا رہنے والا تھا، اور اس نوع کے آداب وغیرہ کی ان کے یہاں کوئی رعایت نہیں ہوتی تھی، اس لیے دورانِ گفتگو ہی) اس نے سوال کر لیا کہ: قیامت کب ہے؟ اس کے سوال کے بعد بھی نبی کریم ﷺ نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے اس کا سوال سنا ہی نہیں۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے حضرات صحابہؓ آپس میں یوں کہنے لگے: نبی کریم ﷺ نے اس کا سوال تو سن لیا ہے لیکن آپ نے اس کے سوال کو ناپسند سمجھا، اس لیے آپ نے اس کا جواب نہیں دیا۔ بعضوں نے کہا: نہیں! آپ ﷺ نے اس کا سوال سنا ہی نہیں، اس لیے جواب نہیں دیا (گویا آپ کی مجلس میں بیٹھے حضرات صحابہؓ کشمکش میں پڑ گئے) یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ جب اپنی گفتگو ختم کر چکے تو آپ نے فرمایا: بھائی! وہ قیامت کے متعلق پوچھنے والا کہاں گیا؟ (اب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہاں! حضور ﷺ نے سوال تو سنا تھا اور اس کو جواب کے قابل بھی سمجھا تھا، لیکن فوری جواب کی ضرورت نہیں تھی، اس لیے آپ نے اپنی گفتگو کے سلسلہ کو جاری رکھا) اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! جی ہاں! میں حاضر ہوں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس سائل کی طرف خصوصی طور پر مخاطب ہو کر فرمایا: جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا: امانت ضائع کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب معاملات نااہلوں کے حوالے کئے جائیں۔

افادات:- علماء نے لکھا ہے کہ اگر عقیدہ کے متعلق سوال ہو، یا کسی ایسی چیز کے متعلق ہو جس پر فوری عمل کرنا ہو، تو اس کا جواب فوری دینا ضروری ہے۔ اسی

لیے بعض روایتوں میں ایک واقعہ آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے، ایک آدمی نے آکر دین کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے خطبہ روک دیا اور اس کے سوال کا جواب دیا (مسلم شریف، کتاب الجمعہ) گویا جیسا موقع ہو، ویسا معاملہ کیا جائے۔ اگر ایمر جنسی صورت حال ہے تو ظاہر ہے کہ ایمر جنسی امداد پہنچائی جائے گی۔ اور عقیدہ کی درستگی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اب یہاں اس کا سوال قیامت کے متعلق تھا کہ کب آئے گی۔ اس سوال سے معلوم ہو گیا کہ وہ قیامت کا تو قائل ہے، لیکن پوچھنا چاہتا ہے کہ کب آئے گی۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا کوئی وقت متعین نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس کا فوری جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور اپنی گفتگو جاری رکھی۔

امانت کے ضائع ہونے کا مطلب

”جب معاملات نا اہلوں کے حوالے کئے جائیں“ تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ امانت ضائع ہو رہی ہے۔ جیسے: کسی ایسے آدمی کو امام بنایا جائے جو امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کسی ایسے آدمی کو تدریس کا کام سونپا جو تدریس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کسی ایسے آدمی کو قوم کا سردار بنایا گیا جو قوم کا سردار بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کسی ایسے آدمی کو مسجد کا متولی بنایا گیا جو یہ جانتا ہی نہیں کہ شرعی طور پر متولی کی ذمہ داریاں کس طرح ادا کرنی چاہئیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دینی یا دنیوی اعتبار سے جن لوگوں کے ہاتھ میں اختیارات اور پاورس ہیں، اور جو لوگ ذمہ داری کے کام دوسروں کے حوالہ کر سکتے ہیں، ان کا فریضہ ہے کہ جن کے متعلق ان کو اس بات کا یقین اور پورا وثوق و اعتماد ہو کہ وہ اس کام کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، انہیں کو وہ کام سپرد کریں۔

صرف رشتہ داری کی بنیاد پر، یا کسی کی سفارش کی بنیاد پر، یا صرف تعلقات کی بنیاد پر، یا قومی، خاندانی، نسلی، وطنی اعتبار سے تعلقات کی بنیاد پر کوئی ذمہ داری سپرد نہ کریں، کہ فلاں میری بستی کا رہنے والا ہے، فلاں میرے محلہ کا رہنے والا ہے، اس لیے میں اس کو عہدہ دے دوں، حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ اس میں یہ کام کرنے کی پوری صلاحیت نہیں ہے، تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس بات کی شریعت بالکل اجازت نہیں دیتی۔ قرآن پاک میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ امانتیں جو اس کے اہل اور حقدار ہیں؛ انہیں کے حوالے کرو۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ: عہدے اور مناصب جن حکام کے اختیار میں ہوا کرتے ہیں، ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان عہدوں اور مناصب کو ایسے لوگوں کے حوالے کریں جن کے اندران کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہو اور وہ پوری امانت و دیانت کے ساتھ ان فرائض کو انجام دے سکیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب مناصب اور عہدے نااہلوں کے حوالے کئے جائیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔ امانت کے ضائع ہونے کا یہی مطلب ہے۔

ذمہ دار کی کوتاہی کا وبال اسی پر

۱۸۳۸:- وعنه: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -ﷺ- قَالَ: ((يُضَلُّونَ لَكُمْ، فَإِنْ

أَصَابُوا فَلَكُمْ، وَإِنْ أَخْطَئُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ)). (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی کریم ﷺ

نے ارشاد فرمایا: (ایسے حکام آئیں گے جو نماز کو اُس کے وقت سے ہٹا کر اتنی دیر

کر کے پڑھائیں گے کہ اس نماز کا وقت مستحب نکل جائے گا اور مکروہ وقت آجائے گا۔ یا تو وقت بالکل ہی نکل جائے گا، اب) جو حاکم صحیح طریقہ سے پڑھائے گا تو تمہارے لیے ثواب ہوگا، اور جو صحیح وقت پر نہیں پڑھائے گا (اور اس میں تمہاری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی ہوگی۔ یعنی تم تو وقت پر نماز کے لیے آگئے، اور اس کے انتظار میں رہے، لیکن وہی دیر سے آیا) تو اس میں تمہارے لیے ثواب ہی ہوگا، البتہ ان کے اوپر اس کا وبال ہوگا اور ساری ذمہ داری ان پر آئے گی۔

افادات:- پہلے زمانہ میں جو حاکم ہوا کرتے تھے امامت کی ذمہ داری انہیں کی ہوا کرتی تھی، بعد میں ایسے حکام آنے لگے جو امامت کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے تو پھر دونوں عہدے منقسم ہوئے، ورنہ خود نبی کریم ﷺ نے اپنی پوری حیات طیبہ میں نماز کی امامت کرائی، آپ ﷺ کے بعد جب حضرات خلفائے راشدین کا دور آیا تو سب ہی اپنے اپنے زمانے میں جہاں حکومت کے اختیارات سنبھالتے تھے، وہیں نماز کی امامت کی ذمہ داری بھی انہیں کی ہوا کرتی تھی۔ ان کے بعد کچھ خلفاء تک یہ سلسلہ رہا، اور وہ جن لوگوں کو اپنے علاقہ میں حاکم مقرر کرتے تھے، یا کسی شہر میں کسی کو گورنر بناتے تھے؛ وہاں کی امامت کی ذمہ داری بھی انہیں کی ہوا کرتی تھی۔

بہترین لوگ

۱۸۳۹:- وعنه۔ رضی اللہ عنہ:- { كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ }۱

البقرة: ۱۱۰ قال: خَيْرُ النَّاسِ لِلنَّاسِ يَأْتُونَ بِهِمْ فِي السَّلَاسِلِ فِي أَعْنَاقِهِمْ حَتَّى يَدْخُلُوا فِي الْإِسْلَامِ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ باری تعالیٰ کے ارشاد: تم

بہترین امت ہو، لوگوں کے حق میں بھلائی کے لیے پیدا کئے گئے ہو، اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ: دوسری تمام امتوں کے مقابلہ میں تمہارا وجود سب سے بہتر ہے، لوگوں کو زنجیروں میں جکڑ کر، ان کے گلوں میں زنجیر ڈال کر لائیں گے، یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

پابہ زنجیر جنت میں

۱۸۴۰:- وعنہ عن النبی ﷺ قال: ((عَجِبْتُ بِاللهِ - عَزَّوَجَلَّ - مِنْ قَوْمٍ

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ.)) (رواهما البخاری)

معنا: یُؤَسَّرُونَ وَیُقَيِّدُونَ ثُمَّ يُسَلِّمُونَ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ می کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ بڑے خوش ہوتے ہیں ان لوگوں سے جو جنت میں زنجیروں کے ساتھ داخل ہوں گے۔
افادات:- یعنی غیر مسلموں کے ساتھ جنگ ہوئی جس میں کچھ لوگ قید پکڑے گئے، ان کو زنجیروں میں جکڑ کر رکھا گیا، لیکن اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا، اس لیے کہ اگر جبری طور پر کوئی آدمی ایمان لاتا ہے تو وہ دل سے مؤمن نہیں ہوتا۔ جب ان کو اسلامی ماحول ملا اور مسلمانوں کے اعمال، اخلاق اور خوبیاں دیکھیں جس کی وجہ سے ان کے دل میں ایمان داخل ہوا اور وہ اسلام لائے۔ گویا قید کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام و مسلمانوں کی خوبیاں دیکھنے کا موقع دیا تو وہ اسلام لائے۔

حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ بنو حنیفہ کے سرداروں میں سے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک ٹکڑی ایک علاقہ میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی

میں بھیجی، جب وہ لوگ وہاں سے واپس لوٹ رہے تھے تو قبیلہ بنو خنیفہ کے سردار حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کی - جو اپنے علاقہ سے عمرہ کرنے کے ارادہ سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے - صحابہ کرام کی جماعت سے بڑھ بیٹھ ہو گئی، صحابہؓ نے اُن کو قید کر لیا اور مسجد نبویؐ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ اُس زمانہ میں مستقل کوئی قید خانہ نہیں تھا، اور نہ ہی کوئی مہمان خانہ تھا۔ جو مہمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے ان کو بھی، اور قیدیوں کو بھی مسجد نبویؐ ہی میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ لوگ مسلمانوں کی نماز اور اسلامی ماحول دیکھتے تھے، جس کا ان کی طبیعتوں پر اثر ہونا لازمی تھا۔ حضرت ثمامہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ بندھوا دیا۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے لیے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان سے پوچھا: کیا حال ہے اور میرے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا: آپ کے متعلق میرا خیال اچھا ہی ہے، اگر آپ میرے قتل کا حکم صادر کریں گے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک ایسے آدمی کے قتل کا حکم صادر کریں گے جو قتل کا حقدار ہے۔ اور اگر آپ مجھے معاف کر کے مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار آدمی پر احسان کریں گے۔ اور اگر آپ کو مال چاہئے تو فرمائیے کہ کتنا مال چاہئے؟ وہ پیش کر دیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرے دن پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو وہی سوال پوچھا۔ اُس وقت انہوں نے کہا: اگر آپ معاف کر دیں گے تو ایک شکر گزار آدمی پر احسان کریں گے، اور آپ سے یہی توقع ہے۔ تیسرے دن پھر وہی سوال پوچھا تو انہوں نے کہا: میرا وہی جواب ہے جو میں دے چکا ہوں۔ اب وہ تین دن مسجد میں

رہے تھے اور حضراتِ صحابہ کے اعمال دیکھے تھے تو ان کے دل میں ایمان آچکا تھا، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو کھول دو۔ ان کو کھول دیا گیا، وہیں مسجد کے قریب کھجور کے درختوں کا جھنڈ تھا، وہ سیدھے وہاں تشریف لے گئے، غسل کیا اور فوراً نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمہ پڑھ لیا، پھر عرض کیا کہ: آج سے پہلے میرے نزدیک آپ کی ذات سے زیادہ مبغوض اور قابلِ دشمنی اور کوئی ذات نہیں تھی، اور اب آپ کی ذات سے زیادہ محبوب اور کوئی ذات نہیں ہے۔ اور آج سے پہلے آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض کوئی شہر نہیں تھا، اور اب آپ کے شہر سے زیادہ محبوب کوئی شہر نہیں۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی نگاہوں کی تاثیر تھی کہ بڑے سے بڑا کافر بھی ایک مرتبہ آپ کے پاس آ گیا تو اس کے دل کی کایا پلٹ جاتی تھی۔

پھر انہوں نے عرض کیا: میں اپنے علاقہ سے بیت اللہ کی زیارت کے لیے نکلا تھا کہ آپ کے لوگوں نے مجھے راستہ میں پکڑ لیا، اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپ عمرہ کے ارادہ سے نکلے ہو تو عمرہ کر کے اپنے گھر واپس جاؤ، چنانچہ وہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ ان کے مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کے سارے واقعہ کی تفصیل مکہ مکرمہ پہنچ چکی تھی اور مکہ والوں کو پتہ چل گیا تھا کہ یہ ایمان لا چکے ہیں، جب یہ مکہ مکرمہ پہنچے تو کسی نے ان کو طعنہ دیا کہ یہ اپنے دین سے پھر گسیا ہے۔ انہوں نے کہا: نہیں! بلکہ میں حضور اکرم ﷺ پر ایمان لایا ہوں۔ اور چوں کہ مکہ مکرمہ والے گیہوں کی جو روٹیاں کھاتے تھے وہ گیہوں یمامہ سے ہی آتے تھے، تو انہوں نے کہا: اب یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی یہاں نہیں بھجیوں گا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اجازت دیں۔ چنانچہ وہ یمامہ گئے اور گیہوں بند کر دیئے۔ مکہ والے

پریشان ہو گئے تو مجبور ہو کر ابوسفیان نے۔ جو اُس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ مدینہ منورہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ تو لوگوں کو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ثمامہ نے ہمارا غلہ بند کر دیا ہے، آپ ان کو لکھ بھیجیں کہ وہ غلہ بھیجنا بدستور جاری کر دیں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ثمامہؓ کو خط لکھا کہ ان کا غلہ بند نہ کیا جائے۔ (بخاری شریف، باب وفد بنی حنیفہ)

وہ کہاں اور تم کہاں!

اسی سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جن کے ساتھ باقاعدہ جنگ جاری ہو، ان کی بھی بنیادی ضرورتیں۔ کھانا، پینا وغیرہ۔ بند نہیں کی جائیں گی۔ دیکھو! یہاں مکہ والوں کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ تھی، کوئی صلح بھی نہیں ہوئی تھی، گویا مکہ والے اہل حرب تھے، پھر بھی نبی کریم ﷺ نے ان کا غلہ بند کرنے سے حضرت ثمامہ بن اثالؓ کو منع فرمایا۔ لیکن آج کل کی سدھری ہوئی اور ترقی یافتہ دنیا اور حقوقِ انسانی کے اتنے بلند بانگ دعوے کرنے والوں کا عمل دیکھو کہ جب وہ کسی سے روٹھتے ہیں تو ساری بنیادی ضرورتوں پر روک لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ دوائیاں تک بند کر دیتے ہیں؛ یہ کہاں کی ترقی اور حقوقِ انسانی کا کیسا دعویٰ ہے!

محبوب ترین اور مبغوض ترین جگہیں

۱۸۴۱:- وعنہ عن النبی ﷺ قال: ((أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا،

وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد

فرمایا: زمین کے تمام حصوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ حصے مسجدیں ہیں، اور زمین کے حصوں میں اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ حصے بازار ہیں۔

انفادات:- مساجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے، اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، کتاب اللہ کی تلاوت کی جاتی ہے، بھلائی کی باتیں کی جاتی ہیں، تعلیم و تعلم کا سلسلہ رہتا ہے، یہ سارا خیر ہی خیر ہے، اس لیے اس کو ”أَحَبُّ الْبِلَادِ“ کہا گیا۔ اور بازاروں میں دغا بازی، دھوکہ دہی، جھوٹی قسمیں اور لوگوں کے ساتھ خیانت کا معاملہ ہوتا ہے؛ اس لیے اس کو ”أَبْغَضُ الْبِلَادِ“ کہا گیا۔

بازار شیطان کا دار السلطنت ہے

۱۸۴۲:- وعن سلمان الفارسی - رضى الله عنه - من قوله قال: لَا تَكُونَنَّ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ السُّوقَ، وَلَا آخِرَ مَنْ يَخْرُجُ مِنْهَا، فَإِنَّهَا مَعْرَكَةُ الشَّيْطَانِ، وَبِهَا يَنْصَبُ رَأْيَتُهُ. (رواه مسلم هكذا.)

ورواہ البرقانی فی صحیحہ: عن سلمان، قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((لَا تَكُنْ أَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ السُّوقَ، وَلَا آخِرَ مَنْ يَخْرُجُ مِنْهَا، فِيهَا بَأْضُ الشَّيْطَانِ وَفَرَسُ))

ترجمہ:- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر تم سے ہو سکے تو سب سے پہلے بازار میں جانے والے نہ بنو، اور مارکیٹ سے سب سے آخر میں آنے والے مت بنو (مطلب یہ ہے کہ جتنا کم وقت مارکیٹ میں لگا سکتے ہو؛ لگاؤ۔ سب سے پہلے جاؤ گے اور سب سے آخر میں نکلو گے تو زیادہ وقت مارکیٹ میں لگے گا۔ پھر آگے اس کی وجہ بتلائی) اس لیے کہ وہ شیطان کا میدان ہے، اور وہیں شیطان اپنا جھنڈا گاڑتا ہے۔

اور برقانی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: سب سے پہلے بازار میں جانے والے مت بنو، اور سب سے آخر میں وہاں سے واپس آنے والے مت بنو، اس لیے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں شیطان نے انڈے بھی دئے اور بچے بھی جنے۔

افادات:- ”فَرَّخَ“، یعنی جیسے مرغی انڈے سیتی ہے، اسی طرح شیطان کے انڈے بھی یہیں بنتے ہیں اور بچے بھی یہیں بنتے ہیں۔ اس لیے اگر شیطان کے اثرات سے بچنا ہو تو ضروری ہے کہ آدمی بازار کے ساتھ کم سے کم تعلق رکھے۔

بازار گویا شیطان کا دار السلطنت ہے، اگر کاروبار کرنے کے لیے وہاں جانا ہے تو کاروبار کرنے کی حد تک جاؤ، ویسے ہی وہاں بیٹھنے کی عادت مت ڈالو۔ بہت سے لوگوں کا مزاج ایسا بنا ہوا ہے کہ اگر بازار میں نہ جائیں تو گویا ان کا کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا حالانکہ ان کی وہاں نہ کوئی دوکان ہے، نہ کوئی کاروبار ہے، پھر بھی دوسروں کی دوکان پر جا کر ویسے ہی بیٹھتے ہیں، ان کو مسجد میں بیٹھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے دعائے مغفرت

۱۸۴۳:- وعن عاصمِ الأَحْوَلِ، عن عبدِ اللهِ بنِ سَرجِسَ - رَضِيَ اللهُ عنه - قال: قلتُ لِرَسُولِ اللهِ - ﷺ -: يَا رَسُولَ اللهِ، غَفَرَ اللهُ لَكَ، قال: ((وَلَكَ)) قال عاصمٌ: فَقُلْتُ لَهُ: أَسْتَغْفِرُكَ رَسُولُ اللهِ - ﷺ -؟ قال: نَعَمْ وَلَكَ، ثُمَّ تلا هذه الآية: {وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيَاكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ} {احمد: ۱۹} (رواه مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عاصم احوّلؓ (تابعی) حضرت عبداللہ بن سرجسؓ (تابعی) حضرت عبداللہ بن

سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں (حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس موقع پر اور باتیں بھی ہوئی تھی، انہیں میں سے یہ ہے کہ) انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی

مغفرت فرمائے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے۔ جب انہوں نے یہ روایت نقل کی تو عاصم فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں؛ اور تمہارے لیے بھی فرمائی۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: اے نبی! اپنے آپ کے لیے اور اہل ایمان مرد اور عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے (جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مؤمنین اور مؤمنات کے لیے دعائے مغفرت کا حکم دیا ہے تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا ہے، لہذا اس میں تم بھی آگئے)

افادات:- ”اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے“ یہاں علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لیے مغفرت کی نسبت کی جائے تو اس کا مطلب یہ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کے درجات بلند کئے جائیں، اور آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کی جو بھی شکلیں ہو سکتی ہیں وہ سب اس دعا کے نتیجے میں آپ ﷺ کو ملیں گی۔

بے شرم بن، پھر جو چاہے کر

۱۸۴۴:- وعن أبي مسعود الأنصاري - رضي الله عنه - قال: قال النبي ﷺ: ((إِنَّ مِمَّا أَذْرَكَ الدَّائِسُ مِنْ كَلَامِ النَّبِوَةِ الْأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَخِرْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتُ))، (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگلے انبیاء کی تعلیمات اور ان کے کلام میں سے ایک کلمہ اور جملہ یہ بھی ہے کہ ”جب تمہارے اندر حیا کا مادہ نہ ہو؛ تو پھر جو چاہے کرو۔“

افادات:- حیا اور شرم ایسی چیز ہے جو آدمی کو ایسے تمام کاموں سے بچاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ہوں۔ یہی وہ صفت ہے جو آدمی کو گناہوں سے روکتی ہے۔ اگر کسی آدمی نے حیا ہی کو ختم کر دیا تو پھر شرم و حیا کی وجہ سے جن برے کاموں سے اپنے آپ کو بچاتا تھا ان سے بچنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ فارسی کی کہاوت ہے: ”بے حیا باش؛ و ہر چہ خواہی کن“ بے شرم بن جا، پھر جو چاہے کر۔ اسی لیے حیا کو ایمان کی ایک بڑی شاخ کہا گیا۔ حدیث پاک میں ہے: ”الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ“ اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

قیامت کا سب سے پہلا فیصلہ

۱۸۴۵:- وعن ابن مسعود - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: ((أَوَّلُ مَا يُقْضَىٰ بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خون کے سلسلہ میں فیصلہ کیا جائے گا

افادات:- یعنی کسی نے کسی کو قتل کیا، کسی کی جان کو نقصان پہنچایا، تو وہاں سب سے پہلے اسی کے فیصلے ہوں گے۔ بعض روایتوں میں نماز کے متعلق آتا ہے۔ تو علماء نے دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں نماز کے متعلق پہلا فیصلہ ہوگا، اور بندوں کے حقوق کے سلسلہ میں جان سے متعلق پہلا فیصلہ ہوگا۔

کون کس چیز سے بنا؟

۱۸۴۶:- وعن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ:-

((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا))
 وَصِفَ لَكُمْ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتے نور سے پیدا کئے گئے، اور جان کو آگ کی لپک (یعنی آگ میں سے جو شعلہ نکلتا ہے جس میں دھوئیں کا بھی اثر ہوتا ہے، اس) سے پیدا کیا گیا، اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے۔

افادات:- جان سے مراد کیا ہے؟ تو بعض نے کہا کہ ابلیس مراد ہے۔ بعضوں نے کہا کہ اس سے مراد جنات کی جنس ہے، جیسے انسان ایک جنس ہے اسی طرح جنات بھی ایک جنس ہے۔ بعض حضرات نے جنوں کا جیدِ علی کو ”جان“ قرار دیا، جیسے انسانوں کے جیدِ علی حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اسی طرح جنات کے جیدِ علی کا نام ”جان“ ہے۔

قرآن کریم کا عملی نمونہ

۱۸۴- وعنہا رضی اللہ عنہا قالت: كان خُلِقَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ - الْقُرْآن

(رواہ مسلم فی جملۃ حدیث طویل)

ترجمہ:- (ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا، تو) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ کے اخلاق قرآن ہی ہیں۔

افادات:- یعنی جو کچھ قرآن پاک میں علمی طور پر ہے وہی سب کچھ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات میں عملی طور پر موجود تھا۔ گویا کسی کو قرآن کریم کا

عملی نمونہ دیکھنا ہو تو وہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو دیکھ لے۔

مؤمن اور کافر کی موت کا منظر

۸۴۸ :- وعنها قالت: قال رسولُ الله ﷺ: ((مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ)) فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَكْرَاهِيَةُ الْمَوْتِ، فَكُلُّنَا نَكْرَهُ الْمَوْتَ؟ قَالَ: ((لَيْسَ كَذَلِكَ، وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا بُشِّرَ بِرَحْمَةِ اللَّهِ وَرِضْوَانِهِ وَجَنَّتِهِ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ فَأَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا بُشِّرَ بِعَذَابِ اللَّهِ وَسَخَطِهِ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ وَكَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ)). (رواه مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے

ارشاد فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ سے تعلق اور محبت ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچیں اور اللہ تعالیٰ کا اعمالِ صالحہ پر اجر کا جو وعدہ ہے وہ ہم اللہ تعالیٰ سے حاصل کریں) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہاں اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے مراد موت ہے؟ اور موت کو تو ہم میں سے ہر آدمی ناپسند کرتا ہے؟ تو حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسی بات نہیں ہے (بلکہ اس کو یوں سمجھو کہ جب تک موت کا مقررہ وقت نہیں آیا ہے وہاں تک تو آدمی کے دل میں ایسا خیال، جذبہ اور اُمنگ و تمنا ہوتی ہے کہ اور موقع مل جائے) لیکن مؤمن کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب (اس کی موت کا مقررہ وقت آ جاتا ہے، اور جس گھڑی اس کی روح نکالی جانے والی ہوتی ہے، اس سے کچھ پہلے) اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، اس کی رحمتیں اور جنت کے درجات (جو اس کو حاصل ہونے والے

ہیں اس) کی بشارت سنائی جاتی ہے (وہاں کے مناظر دکھلائے جاتے ہیں، تو عین اس گھڑی میں جب کہ اس کی روح قبض کی جانے والی ہوتی ہے اس کے دل کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ) وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے (اس کا جی چاہتا ہے کہ بس میں دنیا سے جلدی سے نکل جاؤں) اور اس وقت اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔ اور کافر کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب (اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو عین اس گھڑی میں جب اس کی روح قبض کی جانے والی ہوتی ہے، اس سے کچھ پہلے) اس کو جہنم میں جو عذاب ہونے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے نتیجہ میں اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جانے والا ہے، وہ ساری چیزیں اس کو دکھائی جاتی ہیں، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

افادات:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ موت کو تو ہر انسان طبعی طور پر ناپسند اور ناگوار سمجھتا ہے، کون ہے جو موت کو چاہتا ہو؟ ہر آدمی چاہتا ہے کہ جتنی ٹل سکتی ہے، ٹل جائے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: اس سے اگر موت مراد لی جائے تب بھی عین وہ گھڑی جو آدمی کے لیے اللہ کی طرف سے موت کی مقرر ہے، اس سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بشارتیں دی جاتی ہیں، اس کی وجہ سے مؤمن کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے۔

شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے

۱۸۴۹:- وَعَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُجْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مُعْتَكِفًا، فَأَتَيْتُهُ أَزْوَاجًا لِيَلَا، فَحَدَّثْتُهُ ثُمَّ قُمْتُ لِأَنْقَلِبَ فَقَامَ مَعِيَ لِيَقْلِبَنِي، فَمَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا رَأَى النَّبِيُّ ﷺ -

أَشْرَعَا. فَقَالَ - ﷺ: ((عَلَى رَسَلِكُمَا إِتْمَامُهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ)) فَقَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ. فَقَالَ: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْزِي مِنَ ابْنِ آدَمَ حَقَّ رِي الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَغْدِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَرًّا - أَوْ قَالَ: شَيْئًا -)). (متفق عليه)

ترجمہ مع تشریح:- اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے، ایک مرتبہ رات کو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور ملاقات کے لیے حاضر ہوئی (دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اور ازواج مطہرات بھی تھیں، وہ سب ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں معتکف کی ملاقات کے لیے جہاں اور لوگ آتے ہیں، وہیں اگر اس کے گھر والے بھی آنا چاہیں تو آسکتے ہیں، اور ان کے ساتھ مباح اور جائز قسم کی گفتگو بھی کی جاسکتی ہے۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ دوسری ازواج مطہرات کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پہنچی تھیں، جب تمام ازواج مطہرات واپس جانے لگیں تو چوں کہ دوسروں کے حجرے قریب تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ دُور تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: تم ٹھہر جاؤ، میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں، تو یہ ٹھہر گئیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام سے فارغ ہوئے) تو مجھے چھوڑنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد کی حد تک) تشریف لائے (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر معتکف کی ملاقات کے لیے کوئی آدمی آیا ہو، اور اس کے اکرام کے طور پر اس کو چھوڑنے کے لیے مسجد کی حدود تک وہ آئے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے) اس وقت دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے، جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا (اور یہ بھی دیکھا کہ آپ کے ساتھ کوئی خاتون ہے) تو وہ دونوں صحابی جلدی سے لوٹنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہر جاؤ، یہ صفیہ بنت حیی ہے (ان دونوں حضرات کی

طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ کیا حضور اکرم ﷺ کے قلبِ مبارک میں یہ خیال آیا کہ ہمیں آپ پر کوئی بدگمانی ہوئی ہوگی، اس لیے (انہوں نے کہا: سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول!) (یعنی ہم اپنے دل میں کوئی ایسا خیال لا بھی نہیں سکتے، آپ کو یہ وضاحت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟) تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شیطان انسان کے اندر ایسا گردش کرتا ہے جیسے خون انسان کے جسم میں اپنے اثرات ڈالتا ہے، مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ تمہارے دل میں کوئی وسوسہ نہ آجائے (اور اگر کسی مؤمن کے دل میں حضور اکرم ﷺ کے متعلق کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی تو وہ تو ایمان سے محروم ہو جائے گا۔ اس لیے آپ نے ان کی حفاظت اور خیر خواہی کے لیے یہ وضاحت فرمادی تاکہ شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔)

افادات:- اسی سے دلیل پکڑتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ مقتدا اور پیشوا لوگوں کو اپنا طرزِ عمل اس انداز سے رکھنا چاہیے کہ کسی کو ان پر بدگمانی کا موقعہ نہ ملے۔ اگرچہ کسی کے ساتھ بلا کسی سبب کے بدگمانی کرنا گناہ ہے، لیکن لوگوں کو بدگمانی میں ڈالنے کے اسباب پیدا کرنا بھی منع ہے۔ اگر ہمارا کوئی کام ایسا ہے جس کے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ کسی کو شاید کوئی خیال آجائے گا تو اس کی وضاحت کر دینا مناسب ہے، خاص کر کے جو مقتدا اور اہل علم ہیں ان کے لیے تو بہت ہی زیادہ ضروری ہے، تاکہ ان کے فیض سے لوگ محروم نہ ہو جائیں۔ اس لیے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہوگی، اور پھر اس کے ذریعہ ان کو فائدہ نہیں ہوگا۔

غزوہ حنین

۱۸۵۰:- وعن أبي الفضل العباس بن عبد المطلب - رضي الله عنه -

قال: شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ - يَوْمَ حُنَيْنٍ. فَلَزِمْتُ أَنَا وَأَبُو سُفْيَانَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمَطْلَبِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ -، فَلَمْ نُفَارِقْهُ، وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ - عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ بَيْضَاءُ، فَلَمَّا التَّقَى الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ، وَلَّى الْمُسْلِمُونَ مُدْبِرِينَ، فَطَفِقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ -، يَزْكُضُ بَغْلَتَهُ قَبْلَ الْكُفَّارِ، وَأَنَا أَخِذْتُ بِلِجَامِ بَغْلَةٍ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ -، أَكْفُفُهَا إِرَادَةً أَنْ لَا تُتَمَرِّعَ، وَأَبُو سُفْيَانَ أَخِذَ بِرِكَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ -، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ -: ((أَيْ عَبَّاسُ، نَادِ أَصْحَابَ السَّيِّئَةِ)). قَالَ الْعَبَّاسُ - وَكَانَ رَجُلًا صَيِّتًا - فَقُلْتُ بِأَعْلَى صَوْتِي: أَيُّنَ أَصْحَابِ السَّيِّئَةِ، فَوَاللَّهِ لَكُنَّ عَظَفَتْهُمْ حِينَ سَمِعُوا صَوْتِي عَظْفَةً الْبَقْرِ عَلَى أَوْلَادِهَا، فَقَالُوا: يَا لَبَيْكَ يَا لَبَيْكَ، فَاقْتَتَلُواهُمْ وَالْكَفَّارُ، وَالِدَعْوَةُ فِي الْأَنْصَارِ يَقُولُونَ: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، ثُمَّ قَصُرَتِ الدَّعْوَةُ عَلَى بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْحَزْرَجِ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ -، وَهُوَ عَلَى بَغْلَتِهِ كَالْمُتَطَاوِلِ عَلَيْهَا إِلَى قِتَالِهِمْ، فَقَالَ: ((هَذَا حِينَ تَجْزِي الْوَطِيسُ))، ثُمَّ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ - حَصِيَّاتٍ فَرَمَى بِهِنَّ وَجُوهَ الْكُفَّارِ، ثُمَّ قَالَ: ((انْمَهِزُّوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ))، فَذَهَبْتُ أَنْظُرُ فَإِذَا الْقِتَالُ عَلَى هَيْئَتِهِ فِيمَا أَرَى، فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَمَاهُمْ بِحَصِيَّاتِهِ، فَمَارِ لْتُ أَرَى حَدَّهُمْ كَلِيلًا وَأَمَرَهُمْ مُدْبِرًا. (رواه مسلم)

((الوطيس)) الثَّوْرُ، ومعناه: اشْتَدَّتِ الْحَرْبُ. وقوله: ((حَدَّهُمْ)) هو الحياء المبهلة: أي بَأْسَهُمْ.

ترجمہ مع تشریح:- ابو الفضل حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوا تو میں نے اور حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لازم پکڑ لیا (یعنی

ہم حضور ﷺ کے ساتھ ہی رہے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کے خچر کی لگام حضرت عباسؓ نے اور رکاب حضرت ابوسفیان بن حارثؓ نے پکڑی ہوئی تھی (اور حضور ﷺ اپنے سفید خچر کے اوپر سوار تھے، جب مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مدبھیڑ ہوئی تو) (اچانک حملہ کی وجہ سے) مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ حضور اکرم ﷺ اس حالت میں بھی اپنے خچر کو ایڑ لگا کر کفار کی طرف آگے بڑھ رہے تھے۔ میں حضور اکرم ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا اور میں اس خچر کو روکنا چاہتا تھا کہ تیزی سے آگے نہ بڑھے، اور حضور ﷺ اس کو ایڑ لگا کر تیزی سے آگے بڑھنا چاہتے تھے (یہ حضور ﷺ کی شجاعت و بہادری کی بات ہے۔ اسی لیے ایک صحابی نقل کرتے ہیں کہ جو صحابی میدان جنگ میں حضور ﷺ سے زیادہ قریب ہوتا تھا وہ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے کہ میدان جنگ میں جو جگہ سب سے زیادہ خطرناک ہوتی تھی حضور ﷺ وہاں موجود ہوتے تھے) اور حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی رکاب تھامے ہوئے تھے جب مسلمانوں نے بھاگنا شروع کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے عباس! کیکروالوں کو آواز دو ("اصحاب السمرۃ"، یعنی کیکروالے۔ حدیبیہ کے موقع پر کیکر کے درخت کے نیچے جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، جن کو "اصحاب بیعت الرضوان" بھی کہا جاتا ہے، جس بیعت پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آیت (۱) نازل فرمائی جس میں ان کو اپنی خوشنودی کا پروانہ عطا کیا۔ حضرت عباسؓ بلند آواز والے آدمی تھے، ان کی آواز اتنی بلند تھی کہ جبل سلع پر کھڑے ہو کر رات کے آخری حصہ میں

(۱) لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿۸﴾

جب وہ اپنے غلاموں کو جو غابہ میں بکریاں چرا رہے ہوتے تھے آواز دیتے تھے تو ان کی آواز وہاں تک پہنچتی تھی، حالاں کہ جبلِ سلع اور غابہ کے درمیان بارہ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ اور ان کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب کبھی وہ اپنی بکریاں چرانے جاتے تھے اور بھیڑ یا آتا تھا تو اتنی زور سے آواز لگاتے تھے کہ بھیڑیے کا پتہ پھٹ جاتا تھا) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بلند آواز سے کہا: حضور کے ہاتھ پر کیکر کے نیچے بیعت کرنے والے کہاں ہیں؟ جب میری آواز ان صحابہ نے سنی تو ایسے پلٹے، جیسے گائے اپنے بچے کی طرف پلٹتی ہے (گائے جب اپنے بچے کی طرف پلٹتی ہے تو کسی کا خیال نہیں کرتی، سب کو روند ڈالتی ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ صحابہ نے جب یہ آواز سنی تو ان کی ایسی حالت ہو گئی کہ اتنی جلدی سے پلٹنا چاہا کہ جو اونٹوں پر سوار تھے اور ان کے اونٹ جلدی سے پلٹ نہیں سکے تو انہوں نے اپنی زریں نکال کر اونٹوں کی گردنوں میں ڈالیں اور اپنی تلوار اور ڈھال لے کر پیدل ہی حضور ﷺ کی طرف دوڑ پڑے) اور ”ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں“ کہتے ہوئے لپکے اور کفار کے ساتھ مقابلہ شروع کیا۔ اور انصار کو بلانے کے لیے یہ ندا دی گئی تھی: اے انصار کی جماعت، اے انصار کی جماعت۔ چنانچہ وہ بھی آئے۔ اور انصار کے قبیلہ خزرج کا ایک خاندان بنو حارث ہے، ان کا نام لے کر بھی پکارا تو وہ بھی دوڑ کر پہنچے (حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان پلٹے اور کافروں پر جھپٹے) اس وقت حضور ﷺ اپنے نچسپر پر سوار تھے، اور آپ اپنا سر مبارک اونچا کر کے صحابہ کے اس مقابلہ کو دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اب میدان گرم ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کچھ کنکر لیے (روایتوں میں آتا ہے کہ جب آپ جھکے تو آپ کا نچسپر بھی جھکا اور آپ نے مٹھی بھری) اور وہ کافروں کی طرف پھینکے، اور فرمایا: محمد (ﷺ) کے رب کی قسم! یہ لوگ شکست

کھا گئے (حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ) میں دیکھ رہا تھا کہ جنگ اسی طرح برابر جاری تھی، اللہ کی قسم! جیسے ہی حضور اکرم ﷺ نے یہ کنکریاں ڈالیں تو دشمنوں کی دھار گند (بُٹھی) ہو گئی، وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔

افادات:- ”حنین“ مکہ مکرمہ سے طائف جاتے ہوئے عرفات کے بعد راستہ میں ایک جگہ آتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ذوالحجاز نامی ایک بازار لگا کرتا تھا، اسی کے دامن میں یہ وادی واقع ہے۔

”غزوہ حنین“ دور نبوت میں جو غزوات اور جنگیں پیش آئیں ان میں سے ایک غزوہ ہے۔ ۸ھ میں نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا اور چوں کہ مکہ مکرمہ کے آس پاس کے علاقہ میں ایک بڑا قبیلہ ہوازن آباد تھا جس کی مختلف شاخیں تھیں، بنو سعد بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کی رضاعی ماں کا قبیلہ ہے۔ اور قبیلہ ثقیف طائف میں آباد تھا۔ قریش کا تو اپنا سب سے اونچا مقام بھتا ہی، لیکن یہ دونوں قبائل (ہوازن اور ثقیف) بھی زمانہ جاہلیت میں امتیازی شان اور اہمیت کے حامل تھے، اور دونوں جنگجو اور لڑاکو قبائل سمجھے جاتے تھے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور قریش نبی کریم ﷺ کے تابع ہو گئے تو ان دونوں قبیلے کے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ مکہ مکرمہ تو فتح ہو گیا، اب یقیناً ہماری باری ہے، اور اب یہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ اس لیے ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ وہ ہم پر لشکر لے کر آویں اس سے پہلے ہم ہی کیوں نہ تیاری کر لیں اور ان پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ ہوازن کی جتنی بھی شاخیں تھیں ان کے تمام سردار آپس میں ملے اور مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ ہمیں مسلمانوں پر چڑھائی کرنی ہے۔ دو تین قبیلے بنو کعب، بنو کلاب وغیرہ ایسے بھی تھے جنہوں نے اس میں حصہ

لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ: محمد (ﷺ) کے مقابلہ میں ساری دنیا آئے گی تب بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتی، اس لیے ہم اس میں حصہ لینا نہیں چاہتے۔ لیکن اکثر قبائل نے اس میں حصہ لیا۔ ان کا لشکر تیار ہوا اور مالک بن عوف نضری جو قبیلہ نضر کا سردار تھا، وہ بڑا سپہ سالار اور رئیس اعلیٰ قرار پایا۔ اس نے سب کو اس بات کا پابند کیا کہ اپنے بیوی بچوں اور اپنے جانوروں کو اپنے ساتھ لیں۔ اس نے اس خیال سے یہ تدبیر اختیار کی تھی کہ جب بیوی بچے بھی میدان جنگ میں ساتھ ہوں گے تو آدمی خوب جم کر لڑے گا، اور میدان سے بھاگے گا نہیں۔ اس کو یہ ڈر لگے گا کہ اگر میں بھاگ جاؤں گا تو میرے بیوی بچے ہلاک ہو جائیں گے۔

جب نبی کریم ﷺ کو یہ پتہ چلا کہ وہ لوگ لشکر جمع کر رہے ہیں، اور حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی حدرد کو تحقیق و تفتیش کے لیے بھیجا کہ تم جاؤ اور ان کے درمیان ایک دودن رہو، اور پتہ چلاؤ کہ ہم نے جو کچھ سنا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ چنانچہ وہ گئے اور ایک دودن ان کے درمیان رہے اور سارے حالات سے باخبر ہو کر نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی کہ بات بالکل صحیح ہے، وہ لوگ حملے کا ارادہ رکھتے ہیں اور تیاریاں کر چکے ہیں۔ تو حضور اکرم ﷺ نے مناسب سمجھا کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوں اس سے پہلے ہم ہی ان کا جواب دیں۔ چنانچہ ماہ شوال کی آٹھ تاریخ کو نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے حنین کے لیے روانہ ہوئے جس وقت مدینہ منورہ سے چلے تھے تو دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر ساتھ تھا اور مکہ مکرمہ کے جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ان میں سے بھی بعض حضرات ساتھ تھے، اور جو لوگ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ایسے بھی بعض لوگ تماشہ دیکھنے کے

لیے ساتھ ہو گئے تھے، اور ایسے لوگوں کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی، اس طرح ایک قول کے مطابق کل بارہ ہزار کی تعداد تھی۔

جب حضور اکرم ﷺ روانہ ہونے لگے تو راستہ میں ایک آدمی کی زبان سے یہ جملہ نکلا: ”لَنْ نُغْلِبَ الْيَوْمَ عَنْ قِلَّةٍ“ آج تعداد کی کمی کی وجہ سے ہم شکست نہیں کھائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کے گوش مبارک میں جب یہ جملہ پہنچا تو آپ کو بڑا ناگوار گذرا۔ چوں کہ اس جملہ کا مطلب یہ تھا کہ کثرت ہی لوگوں کے لیے کامیابی اور فتح کا سبب بنتی ہے، گویا اس قائل کی نظر اسباب کی طرف ہوئی، اور ایمان والوں کی نظر تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونی چاہیے۔ آگے جا کر یہی جملہ خطرناک ثابت ہوا۔

نبی کریم ﷺ منگل کے دن شام کو وادی حنین میں پہنچے تھے، اور بدھ کی صبح کو جب مقابلہ کے لیے آگے بڑھے تو شروع شروع میں ان لوگوں نے پسپائی اختیار کی جس سے صحابہ کرامؓ یوں سمجھے کہ یہ لوگ شکست کھا رہے ہیں، اور ان کی پسپائی کو دیکھ کر کچھ لوگ مالِ غنیمت کو حاصل کرنے میں پڑ گئے، دراصل انہوں نے پہلے سے ہی ایسی تدبیر اختیار کر رکھی تھی کہ پہاڑوں میں اپنے تیر اندازوں اور تلوار بازوں کو چھپا رکھا تھا۔ جب مسلمان یہ سمجھ کر آگے بڑھے کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں تو اچانک ان لوگوں نے حملہ کر دیا جس کی وجہ سے بہت سوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن نبی کریم ﷺ اپنے خچر پر سوار اپنی جگہ پر مضبوطی سے جمے رہے۔ آپ کے ساتھ حضراتِ صحابہ میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت ابوسفیان بن حارثؓ ان کے صاحبزادے حضرت جعفر بن ابی سفیانؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ موجود تھے۔ کچھ لوگ تو میدان چھوڑ

کر بھاگنے لگے اور کچھ لوگ وہ بھی تھے جو حضور ﷺ سے دور تھے۔ اسی موقع کا یہ واقعہ ہے۔

ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی اُمیہ کے اسلام کا قصہ حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی ہوتے ہیں، حضور ﷺ کے سب سے بڑے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ حضور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی ہوتے ہیں، حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے جس طرح حضور اکرم ﷺ کو دودھ پلایا تھا اس طرح ان کو بھی دودھ پلایا تھا۔ بڑے شاعر تھے اور ان کا چہرہ نبی کریم ﷺ کے بہت زیادہ مشابہ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بچپن اور جوانی میں نبی کریم ﷺ کے بڑے اچھے دوست تھے، جب نبی کریم ﷺ پر وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو یہ آپ کے کچے دشمن بن گئے، اپنے اشعار میں نبی کریم ﷺ کی برائی کرتے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں پر بھی مکہ مکرمہ سے آپ ﷺ کی ہجو میں ان کے اشعار پہنچتے تھے، جن کا جواب حضرت حسان بن ثابتؓ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری تھا، جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے، اس موقع پر یہ اسلام لانے کے لیے مکہ مکرمہ سے اپنے بیٹے جعفر کو اپنے ساتھ لے کر چلے۔ اس موقع پر ایک اور صاحب عبداللہ بن ابی اُمیہ بھی ساتھ چلے۔

یہ عبداللہ بن ابی اُمیہ حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہوتے ہیں، حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے ہیں، انہوں

نے بھی حضور ﷺ کو بڑی تکلیفیں پہنچائی تھیں، بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے تھے کہ اگر آسمان تک سیڑھی لگائی جائے اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ یہ آسمان پر چڑھے، آسمان میں داخل ہوئے اور اپنے ساتھ کچھ اوراق لے کر آئیں اور ان کے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں اور وہ مجھ سے یوں کہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے، پھر بھی میں ان پر ایمان نہیں لاؤں گا۔

جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں مقام ابواء میں یہ دونوں (پھوپھی زاد بھائی اور چچا زاد بھائی) آئے اور حضور ﷺ سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ حضور اکرم ﷺ نے منع فرما دیا کہ میرے پاس مت آنا، میں تمہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ تھیں، انہوں نے سفارش کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ تو بڑے بڑے دشمنوں کو معاف کر دیا کرتے ہیں اور یہ دونوں تو آپ کے چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی ہیں، وہ آپ کے الطاف و عنایات سے کیسے محروم رہ سکتے ہیں!

جب حضرت ابوسفیان بن حارث کو پتہ چلا کہ حضور نے مجھے حاضری کی اجازت نہیں دی ہے تو کہنے لگے کہ: اگر حضور مجھے حاضری کی اجازت نہیں دیں گے تو میں جنگل میں چلا جاؤں گا اور بھوک سے مرجاؤں گا اور میرا بیٹا بھی مرجائے گا۔ حضرت علیؑ نے اس سے کہا کہ ایک کام کرو کہ تم حضور ﷺ کے سامنے جاؤ، اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے جو کہا تھا تم بھی وہی کہو: ”قَالَ اللَّهُ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَطِئِينَ“ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے، اور ہم ہی قصور وار تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ میں حیا بہت زیادہ ہے،

جب آپ ﷺ کے سامنے جا کر یہ کہو گے تو آپ ﷺ انکار نہیں فرمائیں گے۔ چنانچہ انہوں حضور کے سامنے جا کر یہی آیت پڑھی تو حضور ﷺ نے جواب میں وہی ارشاد فرمایا: ”لَا تَثْرِيْبُ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يُغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ“ ④۳ ”تم پر آج کوئی گرفت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کرے، اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ چنانچہ وہ ایمان لے آئے اور ایسا پختہ ایمان لائے کہ پھر فتح مکہ کے بعد یہ جنگ حنین ہوئی ہے جس میں وہ حضور ﷺ کے ساتھ ایسے جھے رہے کہ ذرا بھی نہیں ہٹے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ مارے حیا کے پوری زندگی کبھی حضور اکرم ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اور حضور اکرم ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت بھی سنائی تھی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

متفرق احادیث پیش کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ آج ایک بہت اہم روایت پیش کی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بہت بنیادی ہدایات پر مشتمل ہے۔ انسانی زندگی میں جو چیزیں مؤثر ہیں اور جو عوامل کارفرما ہیں ان میں روزی کا مسئلہ بھی ہے، رزقِ حلال بہت بنیادی حیثیت رکھتا ہے، انسان کی ساری زندگی کی درستگی کا مدار اس پر ہے اور اس کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ**، ”اسلام کے بنیادی فرائض۔ نماز، روزہ وغیرہ۔ کے بعد حلال روزی کو حاصل کرنا ایک فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج جو روایت پیش کی ہے اس میں اسی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

رزقِ حلال کی اہمیت

۱۸۵۱:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **((أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ. فَقَالَ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنْ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (المؤمنون: ۵۱) وَقَالَ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (البقرة: ۱۷۲). ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلُ يُطِيلُ السَّتْرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: يَا رَبِّ يَا رَبِّ، وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابَ لِذَلِكَ؟ (رواه مسلم)**

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم

ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک چیز کو ہی قبول کرتا

ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو بھی اسی چیز کا حکم دیا جس کا رسولوں اور نبیوں کو حکم دیا (ایمان والوں کو کیا حکم دیا؟ اور نبیوں کو کیا حکم دیا؟ تو آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں آیتیں پیش فرماتے ہیں، پہلی آیت میں رسولوں کو حکم دیا گیا ہے) اے رسولو! حلال پاکیزہ مال (روزی) کھاؤ، اور نیک عمل کرو۔ اور باری تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی روزی میں سے حلال کھاؤ (حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر کے بعد ایک آدمی کا تذکرہ کیا جو ایک لمبے سفر پر روانہ ہوتا ہے (اور جن لوگوں کی دعائیں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتی ہیں ان میں ایک مسافر بھی ہے۔ اب وہ سفر چاہے حج کا ہو یا عمرہ کا ہو، طلب علم کا ہو یا تبلیغ کا ہو؛ مطلب یہ ہے کہ کسی بھی نیک کام کے لیے سفر کیا جائے، اور کوئی آدمی مباح کام کے لیے سفر میں نکلے تو کیسی ہی سہولتیں کیوں نہ ہوں، پھر بھی کچھ نہ کچھ تو آدمی کے مزاج کے خلاف ہو، ہی جاتا ہے جس کی وجہ سے طبیعت پر اثر ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آدمی کی طبیعت پر ایک طرح کی شکستگی طاری ہوتی ہے، اسی شکستگی کی وجہ سے مسافر کی دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتی ہے۔ تو سفر کی وجہ سے ویسے بھی وہ اس قابل تھا کہ اس کی دعا قبول کی جاتی) اور ساتھ ہی اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، کپڑے غبار آلود ہیں، ایسی حالت میں دعا کے واسطے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے اور پکارتا ہے: اے میرے پروردگار، اے میرے پروردگار (یعنی دعا کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس کی اس حالت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوتی، لیکن اس کا حال تو یہ ہے کہ) اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام، اور حرام غذا کے ذریعہ اس کی پرورش ہوئی ہے، تو بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ (معلوم ہوا کہ حرام غذا کے اثرات یہ ہیں کہ اس کی وجہ سے دعا بھی قبول نہیں ہوتی)۔

افادات:- جو بھی چیز اس کی بارگاہ میں پیش کی جائے اگر اس میں کوئی غلط طریقہ اختیار نہ کیا گیا ہو؛ اسی کو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ ناپاک اور حرام چیز کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کیا کرتے۔ ترمذی شریف کی پہلی روایت ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بَعْدَ طَهْوَرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ“ بغیر پاکی کے نماز قبول نہیں ہوتی اور حرام مال کے ذریعہ جو صدقہ کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قابل قبول نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جائز، ناجائز طریقے سے مال کماء، اور اس میں سے کچھ اللہ کے راستہ میں خرچ کر دو؛ تو وہ اس کا کفارہ ہو جائے گا؛ حالاں کہ ان کا ایسا سوچنا بالکل صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ حرام کمائی میں سے کتنا ہی خرچ کیوں نہ کیا جائے؛ اس سے اُس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

ناپاک کپڑا ناپاکی کے ذریعہ پاک نہیں کیا جاسکتا

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ جو بہت بڑے محدث بھی تھے اور بہت بڑے فقیہ بھی تھے۔ ائمہ فقہاء میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے، اور ائمہ محدثین میں بھی۔ ان کا ارشاد ہے کہ: حرام مال کا صدقہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔ پھر فرماتے تھے کہ: ناپاک کپڑے کو ناپاکی کے ذریعہ پاک نہیں کیا جاسکتا، مثلاً: کسی کے کپڑے پر پاخانہ لگ جائے اور کوئی آدمی اس کو پیشاب کے ذریعہ دھو کر پاک کرنا چاہے؛ تو کیا وہ پاک ہوگا؟ نہیں! بلکہ وہ تو پانی سے ہی پاک ہوگا۔ اسی طرح کوئی آدمی اگر حرام مال حاصل کرتا ہے اور پھر اس میں سے کچھ صدقہ کرتا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو اس کے لیے اور زیادہ وبال ہے۔

غلط فہمی نہ ہو

کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اگر کسی کے پاس کوئی مال غلط طریقہ سے آ گیا جس کا مالک معلوم نہیں ہے، جیسے بینک سے سود ملا، یا کسی کو گری ہوئی کوئی چیز (پاکٹ، بیگ، تھیلی وغیرہ) ملی، اور اس کا مالک معلوم نہیں ہے، تو وہاں شریعت نے صدقہ کا طریقہ بتلایا ہے۔ ایسے ہی کوئی آدمی حرام مال کمائے اور اس پر قیاس کرتے ہوئے صدقہ کرے کہ اس سے میری ذمہ داری پوری ہو جائے گی؛ تو اس کا یہ سمجھنا بالکل غلط ہے، اس لیے کہ وہاں دوسری حیثیت ہے۔ وہاں تو یہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اگر آپ کے پاس کسی کا ایسا مال آ گیا جس کا حقدار معلوم نہیں تو سب سے پہلے آپ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اس کے مالک کو تلاش کیجئے، اگر مالک معلوم ہو جائے تو اسی کو لوٹانا ضروری ہے۔ اور اگر مالک موجود نہیں رہا، اس کا انتقال ہو چکا ہے تو جیسے اس کا دیگر مال اس کے روثاء کو ملتا ہے، اسی طرح یہ مال بھی اس کے روثاء تک پہنچانا ضروری ہے۔ اور اگر اس کے روثاء تک پہنچانے کی بھی کوئی شکل نہیں ہے تو پھر آخری صورت میں صدقہ کیا جائے گا۔ اور وہ صدقہ اپنی طرف سے شمار نہیں ہوتا بلکہ اس کے مالک کی طرف سے شمار ہوتا ہے۔ جیسے مالک خود آپ کو وکیل بناتا اور آپ اس کی طرف سے صدقہ کرتے، ایسے ہی یہاں پر بھی شریعت نے آپ کو اس کی طرف سے صدقہ کرنے کا اختیار دیا ہے کہ اس کے مال کو صدقہ کر دیجئے۔ وہاں جو صدقہ ہو رہا ہے وہ آپ کی طرف سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ مالک کی طرف سے ہو رہا ہے۔ اور جب صدقہ کیا جاتا ہے تو اس پر ثواب ملتا ہے، اور ثواب درحقیقت اس صدقہ کی اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ملنے والی قیمت ہے، لہذا وہ اسی کو ملے گی جو اس مال کا مالک ہے۔ اب اگرچہ ہم نہیں جانتے کہ اس مال کا مالک کون ہے،

لیکن اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے کہ اس مال کا مالک کون ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا ثواب اُسی کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اور یہاں اس صدقہ کا تذکرہ ہے کہ جان بوجھ کر غلط مال حاصل کیا جائے اور اس کا صدقہ کر کے اس کا ثواب اپنے نام پر چڑھانا چاہیے، اور ایسا کر کے یوں سمجھے کہ میں کوئی کارنامہ انجام دوں اور ثواب حاصل کروں یا اپنے گناہوں کا کفارہ کر لوں؛ تو ایسا ہونے والا نہیں ہے۔

گویا جہاں مال کا اصلی مالک معلوم نہ ہو سکتا ہو، وہاں اس مال کے حقدار تک حق پہنچانے کا ایک طریقہ شریعت نے ہمیں بتلایا ہے۔ لیکن جہاں مالک معلوم ہو، جیسے ایک آدمی نے کسی کو قرض دیا، اور اس قرض پر اس کے پاس سے سود لیا، اب وہ یوں سوچے کہ اس سود کو میں خود استعمال نہ کروں گا بلکہ اس کا صدقہ کر دوں گا؛ تو یہاں صدقہ سے کام نہیں چلے گا۔ اس لیے کہ یہاں تو اس مال کا اصلی مالک معلوم ہے، لہذا اسی کو واپس دینا پڑے گا۔ اور اگر اس کا انتقال ہو گیا ہے تو اس کے وارثوں تک پہنچانا پڑے گا۔ اس مال کا صدقہ کر دینے سے ذمہ داری پوری نہیں ہوگی۔

حلال مال کھاؤ اور نیک عمل کرو

”حلال پاکیزہ مال (روزی) کھاؤ، اور نیک عمل کرو“ اس کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حلال روزی کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ جب وہ آدمی کے پیٹ میں جائے گی تو خود بخود اعمالِ صالحہ کی توفیق ہوگی۔ جیسے: آپ کوئی عمدہ خمیرہ، یا کشتہ استعمال کریں گے، یا کسی ڈاکٹر نے کوئی ٹانک (Tonic) آپ کے لیے تجویز کیا جو آپ کے پیٹ میں جائے گا تو وہ اپنا اثر ضرور دکھلائے گا۔ اب چاہے آپ جان کر وہ استعمال کریں، یا انجانے میں استعمال کریں۔ یعنی آپ کو معلوم ہے کہ یہ مقوی غذا ہے تب بھی

اس کا فائدہ آپ کو پہنچے گا اور اگر کسی نے آپ کو بے خبری میں کوئی کشتہ کھلا دیا، یا ٹانگ پلا دیا، تب بھی اس کا اثر آپ کے پیٹ میں جا کر وہی ہوگا۔ بس! بالکل یہی حال روزی کا بھی سمجھو۔ اگر روزی حرام ہے تو پیٹ میں جانے کے بعد اس کا اثر غلط ہی ہوگا، اور اس کی وجہ سے آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

روزی کا قدرتی اثر

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ اور صوفیاء میں سے گزرے ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں ان کا مقولہ نقل کیا ہے: ”مَنْ أَكَلَ اتَّخَذَ رَاحَةً، عَصَتْ جَوَارِحُهُ، شَاءَ أَمَرَ لَمْ يَشَأْ، عَلِمَ أَوْلَمَ يَعْلَمُ“ جس نے حرام غذا استعمال کی تو اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کریں گے، وہ آدمی چاہے، یا نہ چاہے۔ اُس کو معلوم ہو یا نہ ہو کہ میں حرام کھا رہا ہوں۔ اس لیے کہ قدرتی بات ہے کہ جب پیٹ میں گیا تو اس کا اثر تو ہونا ہی ہے۔ جیسے: بگڑا ہوا کھانا کھالیا، تو جب وہ پیٹ میں جائے گا تو ظاہری طور پر آپ کے جسم کو نقصان پہنچائے گا، چاہے آپ جان بوجھ کر کھائیں، چاہے بھول کر کھائیں۔ مثلاً: آپ نے زہر استعمال کیا تو جب وہ پیٹ میں جائے گا تو وہ اپنا اثر دکھائے گا۔ یہ بات اور رہی کہ اگر جان بوجھ کر زہر کھایا ہے تو یہ خودکشی ہوئی اور اس کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ اس صورت میں تو نقصان بھی ہوگا اور گناہ بھی ہوگا۔ دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد۔ اور اگر بے خبری میں بھول سے زہر کھالیا تو چوں کہ اس کو معلوم نہیں تھا تو اس صورت میں گناہ تو نہیں ہوگا لیکن جسم کو نقصان ہوگا۔

پھر حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وَمَنْ كَانَ طَعَامُهُ حَلَالًا أَطَاعَتْهُ، وَوَفَّقِيَ بِالْخَيْرَاتِ“ جس کا کھانا حلال ہوگا تو اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی اطاعت و

فرماں برداری کریں گے اور اس کو نیک کام کی توفیق دی جائے گی۔ چنانچہ حالات و واقعات اس کی پوری تائید کرتے ہیں۔

ایک لقمہ کا اثر

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے، ان کے حالات میں لکھا ہے: ایک صاحب کے یہاں دعوت میں تشریف لے گئے، ابھی پہلا ہی لقمہ حلق سے نیچے اتر اٹھا کہ احساس ہو گیا کہ کھانا مشتبہ اور مشکوک ہے (جس کو گجراتی میں ”\shakaye“ اور انگریزی میں (Doubtful) کہتے ہیں۔) انہوں نے فوراً ہاتھ روک لیا۔ جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ واقعاً ایسا ہی ہے، لیکن اس ایک لقمہ کا اثر یہ ہوا کہ باوجود توبہ و استغفار کرنے کے دو مہینے تک اس کی ظلمت محسوس ہوتی رہی، اور برابر یہ خیال دوسو سہ آتار ہا کہ فلاں گناہ کر لوں، فلاں گناہ کر لوں، اس ایک لقمہ کا اثر تھا۔

شاہ جی عبداللہ کا واقعہ

اس کے برخلاف اگر اچھی غذا پیٹ میں جائے گی تو اس کے بھی اپنے اثرات ہوں گے۔ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے ملفوظات و مواظ میں ایک قصہ ہے، اور میں نے براہ راست ان کی زبان سے حضرت کی مجلس میں اور تقریر میں بھی سنا کہ: دیوبند میں ایک بزرگ شاہ جی عبداللہ شاہ صاحب نامی بڑے نیک اور صالح تھے، ان کا ذریعہ معاش گھاس کھود (۱) کر بیچنا تھا، اسی پر ان کی گزر اوقات تھی۔

(۱) ”گھاس کھودنا“ اردو کا ایک محاورہ ہے، یعنی جنگل میں جا کر گھاس کاٹنا۔

روزانہ جنگل جا کر گھاس کا گٹھرا کر بیچتے تھے اور اس کی قیمت بھی چھ پیسے متعین تھی، نہ کم نہ زیادہ۔ اور ان کا طریقہ یہ تھا کہ دو پیسے تو وہیں صدقہ کر دیتے تھے اور دو پیسے اپنے گھر کی ضرورت کے لیے رکھتے تھے، اور دو پیسے جمع کرتے تھے۔ دیوبند کے لوگ بھی اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ اپنے جانوروں کے لیے انہیں سے گھاس خریدیں تاکہ برکت حاصل ہو، اس لیے جب وہ لوگ بازار میں جاتے تھے تو ان کے آنے کا انتظار کرتے تھے۔ چنانچہ جب ان کو آتا ہوا دیکھتے تھے تو دوڑتے تھے، جس نے جا کر ان کے گٹھر کو پہلے ہاتھ لگا دیا وہ اس کا ہو جاتا، اور وہ اس گٹھر کو وہیں ڈال دیتے تھے کہ لاؤ! میرے چھ پیسے دو۔ اور ان کی ایک عادت یہ بھی تھی وہ جو پیسے جمع کرتے تھے اس سے جب ایک معتد بہ رقم ہو جاتی تھی تو اکابر دارالعلوم کی دعوت کیا کرتے تھے، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور دوسرے بزرگ ہوتے تھے اور ہنڈیا میں کھڑی پکیتی تھی۔ اور لکھا ہے کہ یہ سارے اکابر ان کی دعوت کے منتظر رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کی دعوت کھانے کے بعد چالیس روز تک دل کے اندر ایک نور رہتا تھا اور طبیعت میں نیکی کے کاموں کے اچھے اچھے جذبات اُبھرتے تھے کہ یہ نیکی کر لوں، یہ نفسلیں پڑھ لوں، تلاوت بھی کر لوں، اور یہ ذکر کر لوں۔

ظالموں کو اہل اللہ کا مال اس نہیں آتا

ایک مرتبہ وہ جنگل سے گٹھر لے کر آرہے تھے، ایک سپاہی گھوڑے پر جا رہا تھا۔ ان لوگوں کی تو ظلم و زیادتی کی عادت ہی ہوتی ہے، ان کا یہی طریقہ ہوا کرتا ہے کہ اس سے کچھ لیا، اُس کو مارا اور کچھ چھینا۔ اس نے دیکھا کہ گھاس کا گٹھر لے کر ایک آدمی

جا رہا ہے تو اس نے ایک چابک مار کر کہا کہ: گٹھر یہیں ڈال دے۔ خیر! انہوں نے گٹھر وہیں ڈال دیا اور آگے چلتے ہو گئے۔ جیسے ہی اس نے اپنے گھوڑے کو کھلایا تو گھوڑا ترپنے لگا۔ وہ گھبرا گیا کہ یہ کیا ہو گیا؟ کسی نے کہا کہ: ان کی گھاس تیسرے گھوڑے کو ہضم نہیں ہوگی، تُو فوراً جا، اور ان کے پیسے دے۔ وہ دوڑ دوڑ آیا، معافی مانگی اور ایک بڑی رقم پیش کی۔ شاہ جی کہنے لگے: مجھے تو میرے چھ پیسے چاہئیں۔

بہترین مثال

دیکھو! اہل اللہ حضرات ایسی ہی حساس طبیعت والے ہوتے ہیں کہ جیسے ہی ان کے حلق سے ایسا کوئی لقمہ اترتا ہے تو ان کو اس کا بھی احساس ہو جاتا ہے۔ جیسے: ایک آدمی ہمیشہ منزل واٹر پینے کا عادی ہو، اور وہ کسی دوسرے پانی کو ہاتھ ہی نہ لگاتا ہو، پھر اگر اس کو انجانے میں بھی دوسرا پانی دو گے تو ایک گھونٹ حلق سے نیچے اترتے ہی اس کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں کچھ کڑ بڑ ہے۔ اسی طرح جو حضرات گناہوں سے بچنے کا خیال اور اہتمام رکھتے ہیں ان کو فوراً اس بات کا احساس ہو جاتا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ جو آدمی اندھیریوں کا عادی ہو، جیسے جو لوگ دیہات اور جنگل کے رہنے والے ہوتے ہیں، جہاں بجلی نہیں ہوتی اور اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے، ان کو اندھیروں سے وحشت بھی نہیں ہوتی، اب اگر سورت شہر میں یا جہاں کبھی بجلی نہیں جاتی، وہاں اگر پانچ منٹ بھی بجلی چلی جائے گی تو وہاں کے لوگ پریشان ہو جائیں گے، تھوڑا سا اندھیرا بھی ان کو برداشت نہیں ہوگا، چوں کہ ان کو اندھیرے کی عادت نہیں ہے۔

گناہ نہ چھوٹنے کا ایک اہم سبب

روزی کے اپنے اثرات ہوتے ہیں، اسی کو کہا گیا: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنْ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (المؤمنون: ۵۱) حلال کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ گویا حلال کھاؤ گے تو قدرتی طور پر نیک عمل کرو گے۔ اور حرام کھاؤ گے تو قدرتی طور پر برائیاں سرزد ہوں گی۔ آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اندر نیکی آوے اور آپ کی اولاد اور گھر والے نیک و فرماں بردار ہوں تو آپ اس بات کا اہتمام کیجئے۔ بہت سی مرتبہ آدمی اچھے اچھے ارادے کرتا ہے، دینی مجلسوں میں بیٹھتا ہے، اللہ و رسول کی باتیں سنتا ہے تو اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ میں اپنی ان برائیوں کو چھوڑ دوں، لیکن چاہنے کے باوجود نہیں چھوڑتیں، اس کے مختلف اسباب ہیں، جن میں ایک اہم سبب روزی کی خرابی ہے، اس کے نتیجے میں باوجود ارادے کی بھی وہ برائیاں نہیں چھوڑتیں۔ اس لیے اپنے آپ کو اس سے بچانے کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ جب تک یہ نہیں کرے گا وہاں تک احساس و ارادے کے باوجود بھی برائیاں نہیں چھوٹ سکتیں۔ اگر ہزاروں اور لاکھوں حرام کے مل رہے ہوں، ان کی حلال کے ایک کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حلال کا ایک بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا قابلِ قدر و قیمت ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی۔

جو گوشت حرام غذا سے پرورش پائے

حرام کے ایک لقمہ کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ، وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتْ

النَّارُ أُولَىٰ بِهِ. (مشکوٰۃ، بحوالہ رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان) جو گوشت حرام غذا سے پرورش پائے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، اور ہر وہ گوشت جو حرام غذا سے پرورش پایا جہنم اس کی زیادہ حقدار ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے: 'لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالتَّحَرِّمِ' (مشکوٰۃ شریف) جو جسم حرام غذا سے پرورش پائے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اجازت کے بغیر ذبح کی ہوئی بکری

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے حکایا تصحابہ میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ایک صحابی کو دفن کرنے کے بعد واپس لوٹ رہے تھے، ایک عورت نے دیکھا کہ حضور تشریف لے جا رہے ہیں اور اس کی نیت حضور کی دعوت کرنے کی تھی لہذا اس نے آپ کے پاس آدمی بھیجا کہ میں نے آپ کے لیے دعوت کا کھانا تیار کیا ہے، آپ تشریف لائے، حضور اکرم ﷺ صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے، آپ کے سامنے بکری کا گوشت پیش کیا، آپ نے ایک لقمہ دہن مبارک میں رکھا تو محسوس ہوا کہ کچھ کڑ بڑ ہے، لہذا آپ نے منہ سے نکال دیا اور ارشاد فرمایا: یہ گوشت ایسی بکری کا معلوم ہوتا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے۔ اس عورت سے پوچھا گیا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں نے آدمی کو پیسے لے کر بکری خریدنے کے لیے بازار بھیجا تھا، وہاں بکری نہیں ملی، ہمارا پڑوسی ایک بکری خرید کر کے لایا تھا، میں نے وہاں پیسے لے کر آدمی بھیجا تو وہ پڑوسی خود موجود نہیں تھا، اس کی بیوی نے یہ بکری بھیج دی اور میں نے اس کو ذبح کر دی۔ گویا مالک کی اجازت نہیں پائی گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دیا جائے۔

آقا اور غلاموں کے احوال کا فرق

ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ: نبی کریم ﷺ ایک رات بستر پر کروٹیں لے رہے تھے، آپ کو نیند نہیں آرہی تھی، جس ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے یہاں آپ آرام فرما رہے تھے انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے کہ آپ کو نیند نہیں آرہی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: گھر میں ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی تھی، اور وہ ضائع نہ ہو جائے اس خیال سے میں نے اٹھا کر کھالی، اب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔ چوں کہ حضور اکرم ﷺ کے لیے صدقہ کھانا جائز نہیں تھا۔ آپ ﷺ کو صرف یہ تصور آیا اس لیے نیند نہیں آرہی ہے، حالاں کہ اپنے گھر میں سے اٹھایا تھا۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اس واقعہ کو لکھ کر فائدہ کا ”ف“ کر کے اس میں لکھتے ہیں کہ آقا کا تو یہ حال ہے کہ صرف اس احتمال اور خیال سے نیند اُچاٹ ہوگئی، اور غلاموں کا یہ حال ہے کہ رشوت کا، چوری کا، سود کا جو بھی آیا اس کو ہڑپ اور ہضم کر رہے ہیں۔

ایک اہم تعلیم

اس قصہ میں ایک اہم تعلیم یہ بھی ہے کہ کھانے پینے کی کوئی چیز اگر اپنی ملکیت کی ہے، اور وہ کہیں پڑی ہوئی ہو؛ تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالی جائے، اسے ایسے ہی چھوڑ نہ دی جائے، وہ چیز ضائع نہیں ہونی چاہیے۔ یہاں تک کہ کھانے کے دوران اگر ہاتھ سے گر جائے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کو شیطان کے لیے مت چھوڑو، شیطان تو چوٹا ہے، وہ تو منتظر ہی رہتا ہے کہ کسی طرح سے اس کا حصہ لگ جائے۔ جب آپ نے بسم اللہ بول کر کھانا شروع کیا تو اس کا اندر حصہ نہیں رہا، لیکن وہ تاک لگا کر ہی

بیٹھا رہتا ہے کہ کوئی لقمہ آپ کے ہاتھ سے نیچے گر گیا اور آپ نے اٹھا کر کھالیا تب تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ کھالے گا۔ اس کو تو بھوکا ہی مارنا چاہیے، اپنے دشمن کو کون طاقت پہنچائے گا، ہمیں چاہیے کہ ایک دانہ بھی اس کے پیٹ میں نہ جانے دیں۔ تو جو لقمہ گر جائے اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھانے کا جو حکم حدیث پاک میں دیا گیا ہے وہ دراصل اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ضائع نہ جائے۔ ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

ہمارے اکابر اور نعمتوں کی قدر دانی

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے یہاں دیکھا کہ کوئی آدمی پانی گلاس میں لیتا اور پینے کے بعد بچا ہوا اگر دیتا تو حضرت شیخ اس پر تنبیہ فرماتے کہ اس کو ضائع کیوں کیا؟ اور آج کل ہم تو ایسا بہت کچھ کر رہے ہیں جس کا ہمیں احساس تک نہیں ہے۔

حضرت شیخ کے یہاں ہدایا میں کوئی پھل فروٹ آجاتا اور اس کے مزہ میں ذرا سا فرق آجاتا تو اس کے کھانے کو بعض طبائع پسند نہیں کرتی۔ اگر مہمان کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں رہا لیکن ابھی قابل استعمال ہوتا تو حضرت فرماتے: بھائی! اس کو کون کھائے گا؟ حضرت کا مقصد یہ ہوتا کہ یہ ضائع نہ جائے، جب حضرت یہ دریافت فرماتے تو ظاہر ہے کہ سب ہی آگے بڑھتے۔

حضرت شیخ کے یہاں جو خطوط آتے تھے اس میں اگر آدھے کاغذ پر لکھا ہوا ہوتا تھا اور آدھا کاغذ صاف ہوتا تو اس کو کٹوا کر رکھ لیتے تھے، اور کسی موقع پر جب کسی کو دو تین سطر کی چٹھی لکھنی ہوتی تو اسی کو استعمال فرمالیا کرتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر دانی ہے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں پڑھا کہ کھانا کھانے کے بعد پہلی گلی کو نگل لیتے تھے، تاکہ کھانے کے جو ذرات منہ میں ہیں وہ گلی کے ساتھ باہر آ کر ضائع نہ ہوں، بلکہ پیٹ میں چلے جائیں۔ اللہ کے ایسے بندے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ایسی قدر کرتے ہیں۔

ظریفانہ مقولہ

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مشتبہ مال سے بھی احتیاط کیا جائے۔ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی^(۱) کا ایک ظریفانہ مقولہ سناتے تھے کہ بھائی! ہمارا معدہ مشتبہ اور (Doubtful) کو تو قبول نہیں کرتا، لیکن خالص حرام کو قبول کر لیتا ہے۔

میں اپنا تھوکا ہوا چاٹ بھی سکتا ہوں

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آیا تو ان کا ایک لطیفہ سنا دوں۔ ان کی طبیعت میں ظرافت بہت تھی، ان کی ظرافت کا حال یہ تھا کہ وہ پان بہت کھایا کرتے تھے اور کثرت کا حال یہ تھا کہ تھوک کے ذرات اُڑا اُڑ کر ان کا کرتہ آگے سے لال رہتا تھا، سفر میں بھی پان کا سامان ساتھ میں رہتا تھا، ایک مرتبہ ٹرین میں جا رہے تھے، پان کھا کر اس کی پیک کو کھڑکی میں سے تھوکا اور ٹرین چل رہی تھی، اتفاق کی بات کہ وہ پیک برابر والی کھڑکی سے اندر جا کر کسی خاتون کے چہرے پر لگی، وہ بڑی ناراض ہوئی اور بولنے لگی کہ پتہ نہیں کون گستاخ اور بے ادب ہے، اور ادھر سے اُٹھ کر

(۱) لکھنؤ کے رہنے والے تھے، ڈابھیل میں شیخ الحدیث رہے ہیں۔

آئیں تو دیکھا کہ بڑے میاں بیٹھے ہیں۔ اس نے کھڑے کھڑے اُن کو خوب لتاڑا، یہ خاموشی سے نظریں جھکا کر بیٹھے سنتے رہے، کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دیر تک بولتی رہیں اور جو بولنا تھا وہ سب بول دیا، اور جب خاموش ہو گئیں تو یہ کہنے لگے کہ: محترمہ! آپ اتنی ناراض کیوں ہوتی ہیں، آپ اگر اجازت دیں تو میں اپنا تھوکا ہوا چاٹ بھی سکتا ہوں۔ ان کے اور بھی بہت لطیفے ہیں، میں اس وقت بیان نہیں کروں گا۔

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا احتیاط
اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جن کا معدہ مشتبہ چیز کو قبول نہیں کرتا۔ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ جیسے ہی کوئی مشتبہ لقمہ ان کے حلق سے نیچے اترتا تھا کہ ان کو قے ہو جاتی تھی۔ انہی کی صاحبزادی ”اُمی بی“ تھیں جو حضرت مولانا بیگم صاحبہ اور مولانا الیاس صاحبہ کی نانی ہوتی ہیں، بڑی نیک خاتون تھیں، تذکرۃ الخلیل کے شروع میں ان کے حالات مذکور ہیں۔

خیر! یہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں تھے، بڑے متقی اور پرہیزگار تھے، ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کبھی دہلی سے کاندھلہ جاتے تو پہلی والے سے معاملہ کر لیتے تھے اور اس کو اپنا سامان بتلا دیتے تھے، اس کے بعد جب روانہ ہونے کا وقت آتا اور کوئی آدمی لا کر کوئی خط دیتا کہ حضرت! یہ فلاں صاحب کو پہنچا دیجئے گا، تو حضرت اس سے کہتے: دیکھو بھائی! میں اس پہلی والے کو اپنا سامان بتلا چکا ہوں، یہ خط اس میں نہیں تھا، تم اس کو بتا کر اس سے اجازت لے لو، تو میں لے جاؤں گا، ورنہ نہیں۔ ہم اور آپ ہوتے تو یوں سوچتے کہ اس کی وجہ سے کون سا وزن بڑھ جانے والا ہے۔

ان کے حالات میں لکھا ہے کہ دلی میں طالب علمی کے زمانہ میں بھی صرف روٹی کھانے پر اکتفاء کرتے تھے، سالن نہیں کھاتے تھے، اس لیے کہ اس زمانہ میں دلی میں ہر سالن کے اندر کھٹائی کے لیے اچھوڑالی جاتی تھی، اور حضرت فرماتے تھے کہ دلی کے اطراف میں آم کے باغات کی بیج صحیح نہیں ہوتی۔

لوگ بھی ان کی دعوت کرتے ہوئے اسی وجہ سے ڈرتے تھے کہ کہیں ہماری رسوائی نہ ہو جائے۔ ایک مرتبہ کاندھلہ تشریف لے گئے تو خاندان کے کسی بزرگ نے - جو سرکاری ملازم تھے - ان کی دعوت کی، لیکن اس تنخواہ سے نہیں، بلکہ اپنے باغ کی پیداوار سے جو آمدنی ہوئی تھی اس سے ان کی دعوت کا اہتمام کیا اور ملازم کو بھی بہت تاکید کی کہ دیکھو! کوئی گڑ بڑ نہیں ہونی چاہیے، ورنہ رسوائی ہو جائے گی۔ ایک ملازم کو دودھ جلیبی کے واسطے دودھ لینے بازار بھیجا، وہ دودھ لے آیا۔ خیر! سب کچھ تیار کر کے دسترخوان پر لگایا گیا، جیسے ہی دودھ جلیبی کا پہلا قلمہ منہ میں رکھا کہ قے ہو گئی، فوراً شور ہو گیا کہ یہ کیا ہوا؟ انہوں نے اس ملازم کو پکڑا کہ میں نے تجھے اتنی تاکید کی تھی، اب سچ سچ بتا؛ تو نے کیا گڑ بڑ کر دی؟ اس نے کہا: بات دراصل یہ ہوئی کہ میں آپ کی دی ہوئی رقم سے دودھ لے کر آ رہا تھا کہ میرے ہاتھ سے برتن چھوٹ گیا اور سارا دودھ گر گیا، تو میں دوبارہ جا کر اس کے پاس سے مفت میں دودھ لے آیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا احتیاط

حکایات صحابہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہؒ نے حضرت ابو بکرؓ کا واقعہ لکھا ہے: ان کا ایک غلام تھا جس کو انہوں نے خراج پر اٹھایا تھا، ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا اور حضرت ابو بکرؓ کے سامنے رکھا، حضرت ابو بکرؓ کا ایک دو وقت کا فاقہ تھا اس لیے

انہوں نے اس میں سے ایک لقمہ لے کر منہ میں ڈال دیا۔ ابھی حلق سے نیچے اُتر ہی تھا کہ اُس غلام نے کہا: حضرت! روزانہ تو آپ پوچھتے ہیں کہ یہ چیز کہاں سے لایا؟ کس طرح کمایا؟ آج آپ نے نہیں پوچھا؟ حضرت نے فرمایا: آج بھوک بڑی تیزنگی ہوئی تھی اس لیے پوچھنا رہ گیا۔ ٹھیک ہے؛ اب بتادے کہ یہ کہاں سے لایا ہے۔ اس نے کہا: بات دراصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں (اسلام لانے سے پہلے) میں نے کچھ کہانت (۱) کی تھی اور مجھے کہانت آتی بھی نہیں تھی، ویسے ہی میں نے ایک بات کہہ دی تھی اور وہ صحیح نکل آئی تھی۔ ان لوگوں نے وعدہ کیا تھا کہ اس وقت ہمارے پاس تمہیں معاوضہ دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، آئندہ جب ہمارے پاس وسعت ہوگی تو دیدیں گے۔ آج میں وہاں سے گزرا تو اُن کے یہاں کوئی تقریب چل رہی تھی، کھانا پکا ہوا تھا، ان لوگوں نے اُسی کہانت کے معاوضہ میں مجھے یہ کھانا دیا۔ یہ داستان سن کر حضرت ابو بکرؓ فرمانے لگے: تُو تو مجھے مار ہی ڈالتا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حلق کے اندر اُنکی ڈال کر وہ لقمہ نکالنا چاہا، لیکن ایک ہی لقمہ تھا اور وہ بھی دو تین وقت کے فاقہ کے بعد اندر گیا تھا؛ بھلا کیسے نکلتا؟ کسی نے کہا: حضرت! زیادہ مقدار میں پانی پی لیں، پھر نکالنے کی کوشش کریں، شاید پانی کے ساتھ نکل آئے۔ تو بڑے پیالے میں پانی منگوایا اور خوب پیا، اس کے بعد حلق میں اُنکی ڈال کر قے کی تَب بڑی مشکل سے وہ لقمہ باہر نکلا۔ ان کی یہ ساری مشقت دیکھ کر کسی نے کہا: حضرت! ایک ہی تو لقمہ تھا، اس کے لیے آپ نے اتنی زحمت برداشت فرمائی؟ حضرت ابو بکرؓ نے جو جواب دیا وہ ہمارے لیے

کہانت یعنی آگے پیش آنیوالی باتیں بتلانا۔ اور عرب میں اس کا بڑا رواج تھا، ایسے لوگ کاہن (جُوشی) کہلاتے ہیں۔ ان کو ہدیہ اور معاوضہ بھی دیا جاتا ہے، جس کو ”حلوان الکاہن“ کہا جاتا ہے۔

قابلِ غور و عبرت ہے۔ فرمایا: اگر یہ لقمہ میری جان کے ساتھ نکلتا تب بھی میں اس کو نکال کر رہتا، اس لیے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ ہر وہ گوشت جو حرام غذا سے پرورش پائے، جہنم کی آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔ مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ اس مال سے پرورش نہ پا جائے جس کی وجہ سے مجھے جہنم میں جانا پڑے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہم اور آپ بھی سنتے ہیں لیکن ہمارے دلوں پر اس ارشاد کا کتنا اثر ہوتا ہے؟ اور اس پر عمل کا کتنا اہتمام کرتے ہیں؟ اور دوسری طرف حضرت ابو بکر صدیقؓ کا حال دیکھئے کہ کیا ہے؟

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

اسی لیے ہمارے بزرگوں میں حرام سے بچنے کا بڑا اہتمام تھا۔ امام ابو حنیفہؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ: آپ کی کپڑوں کی تجارت تھی، حفص بن عبد الرحمن آپ کے شریک (پارٹنر) تھے، ایک مرتبہ امام صاحب نے ان کے پاس کپڑوں کے کچھ تھان فروخت کرنے کے لیے بھیجے، اور کہا کہ اس میں سے فلاں کپڑے کے تھان میں عیب ہے، جب کسی کو بیچو تو خریدار کو بتا دینا۔ وہ کچھ غفلت میں رہے اور خریدار کو بتانا بھول گئے۔ انہوں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا اور وہ کپڑا بیچ دیا۔ وہ سب مال بیس ہزار درہم کی قیمت کا تھا، جب وہ حساب دینے کے لیے آئے تو پوچھا کہ خریدار کو وہ عیب بتا دیا تھا؟ انہوں نے کہا: بھول گیا۔ پوچھا: کس کو بیچا؟ کہا: یاد نہیں رہا۔ توقف اتنی بات پر امام صاحب نے۔ صرف منافع نہیں۔ بلکہ پوری رقم بیس ہزار درہم (یعنی باسٹھ (۶۲) کلو سونا) صدقہ کر دیئے، اور ان سے شرکت بھی ختم کر دی۔

ایک مرتبہ جنگل میں کوئی قافلہ جا رہا تھا وہ لوٹ لیا گیا اور اس قافلہ کی بکریاں

بھی لوٹی گئیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ لوٹی ہوئی وہ بکریاں کوفہ کے بازار میں کبی ہیں، گویا کوفہ کی بکریوں میں وہ بکریاں بھی رَل مل گئی ہیں۔ امام صاحب نے تحقیق فرمائی کہ بکری کی عمر کتنی ہوتی ہے؟ بتایا گیا: سات سال۔ تو سات سال تک کوفہ میں رہتے ہوئے کبھی بکری کا گوشت نہیں کھایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حرام سے اپنے آپ کو بچنا بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس کی بڑی ضرورت ہے۔

جس کی غذا حرام ہوگی

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث ہیں، ان کی ایک کتاب ”الکباۃ“ ہے، اس میں انہوں نے ایک روایت نقل کی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، جو دن رات یہ اعلان کرتا ہے کہ جس کی غذا حرام ہوگی اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی، نہ فرض نہ نفل۔

تہامہ پہاڑ کے برابر نیکیاں ضائع

ایک اور روایت انہوں نے نقل کی ہے کہ: قیامت کے روز بہت سے ایسے لوگ آئیں گے جن کے پاس تہامہ پہاڑ کے برابر نیکیاں ہوں گی، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی ساری نیکیوں کو بالکل ختم کر دیں گے۔ پوچھیں گے کہ کیوں ایسا ہوا؟ کہا جائے گا کہ یہ لوگ نمازیں بھی خوب پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے، حج و عمرے بھی کرتے تھے، صدقے بھی خوب دیتے تھے، لیکن ان کی کمزوری یہ تھی کہ جب ان کے سامنے مال آتا تھا تو یہ نہیں دیکھتے تھے کہ یہ حلال ہے یا حرام؛ بس! سب لے لیتے تھے۔ اس کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا۔

ایک زمانہ آنے والا ہے

حدیث پاک میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ، أَوْ مِنَ الْخَلَاكِ أَمْ مِنَ الْخَرَامِ“ (صحيح بخاری، باب مَنْ لَمْ يُبَالِ مِنْ حَيْثُ كَسَبَ الْمَالُ) لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس وقت آدمی جب کوئی مال حاصل کرے گا تو اس بات کی پروا نہیں کرے گا کہ یہ حلال سے آ رہا ہے یا حرام سے۔ حالاں کہ یہ بہت اہم چیز ہے اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ بات یہ چل رہی تھی کہ حلال مال کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو نیک کام کی توفیق ہوتی ہے۔

دعا قبول نہیں

”بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟“ اس سے معلوم ہوا کہ حرام غذا کے اثرات یہ ہیں کہ اس کی وجہ سے دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ فضائل رمضان میں حضرت شیخؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے: کوفہ کے اندر مستجاب الدعوات لوگوں کی ایک جماعت تھی، جب بھی کوئی ظالم حاکم آتا وہ اس کے لیے بددعا کرتے تھے اور وہ ہلاک ہو جاتا تھا۔ حجاج بن یوسف جب کوفہ کا گورنار اور حاکم بن کر آیا تو اس کو معلوم تھا کہ یہاں اس قسم کے خطرناک لوگ ہیں تو اس نے پہلا انتظام یہ کیا کہ ایک دعوت کی، اور اس دعوت میں خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو بھی شریک کیا۔ جب دعوت کھائی جا چکی تو وہ کہنے لگا کہ: اب میں ان کی بددعا سے محفوظ ہو گیا، اس لیے کہ ان کے پیٹ میں حرام کی غذا پہنچ گئی۔

نماز قبول نہیں

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مَنِ اشْتَرَى ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ، وَفِيهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ، لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةً مَا دَامَ عَلَيْهِ، قَالَ: ثُمَّ أَدْخَلَ أَصْبُعِيهِ فِي أُذُنِيهِ، ثُمَّ قَالَ: صُمْتَا إِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ سَمِعْتُهُ يَقُولُهُ“ جس آدمی نے کوئی کپڑا دس درہم میں خریدا، اور اس میں (نودرہم حلال کے ہیں) ایک درہم حرام کا ہے (گویا اس کپڑے میں ۹۰ فیصد (90%) حلال ہے، اور ۱۰ فیصد (10%) حرام ہے، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا، اس کی کوئی نماز اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوگی۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر فرماتے ہیں: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے میں نے نہ سنا ہو تو میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ (باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الغالط، رواہ أحمد والبیہقی فی شعب الایمان)

بہر حال! یہ بڑی اہم چیز ہے۔ آج کل اس کی طرف سے بڑی غفلت ہو رہی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی طرف سے کوشش جاری رکھے اور غلط طریقوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرے۔ شریعت نے کاروبار کے، معاملات کی درستگی کے جو طریقے بتلائے ہیں ان مسائل کو معلوم کرے، ان کو اختیار کرے، اور ان پر عمل کا اہتمام کرے۔ آج اگر کوئی بندہ اس طرح کا اہتمام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کے لیے آسانی کر دی جاتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اس باب میں متفرق حادثات اور کچھ دلچسپ چیزیں جو احادیث میں آئی ہیں ان کو پیش کر رہے ہیں۔

ناقابلِ معافی تین گناہ

۱۸۵۲:- وعنه- رضى الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: ((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: شَيْخُ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ)). رواه مسلم.

((العَائِلُ)): الْفَقِيرُ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ (ان پر ناراض ہونے کی وجہ سے) ان کے ساتھ قیامت کے روز بات نہیں کریں گے، اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کریں گے، اور نہ ان کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھیں گے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: (۱) وہ بوڑھا جو زنا کاری میں مبتلا ہو (۲) جو بادشاہ جھوٹ بولنے والا ہو (۳) فقیر جو تکبر کرنے والا ہو۔

افادات:- حضراتِ شراح نے لکھا ہے کہ زنا، جھوٹ اور تکبر؛ تینوں برائیاں کسی کی طرف سے بھی صادر ہوں، وہ ناپسندیدہ اور گناہ ہیں، لیکن بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی کے حالات کے تقاضہ کی وجہ سے اس سے صادر ہو جاتے ہیں، جیسے: نوجوان میں شہوت کا غلبہ ہوتا ہے، وہ نا تجربہ کار ہوتا ہے، اس گناہ کے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں اس سے بھی واقف نہیں ہوتا، اس لیے اگر شہوت کے غلبہ میں، نا تجربہ کاری کی وجہ سے وہ ایسی برائی میں مبتلا ہو جائے تو قرینِ قیاس ہے۔ اگرچہ زنا اپنی جگہ پر

حرام کام ہی ہے، اس سے اس کو بچنا ہی چاہیے تھا، پھر بھی مخصوص حالات کے پیش نظر جب وہ زنا میں مبتلا ہوگا تو کبیرہ گناہ ہونے کے باوجود لوگ یوں سمجھیں گے کہ حالات کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو گیا۔ لیکن بوڑھا آدمی اگر زنا میں مبتلا ہو حبا تا ہے تو بڑی عجیب بات سمجھی جاتی ہے، اس لیے کہ بڑھا پاویسے بھی شہوت کا زمانہ نہیں رہتا، اور نہ شہوت کا غلبہ ہوتا ہے، ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے عمر کے تجربہ کی وجہ سے اس کو اتنی سمجھ بھی دی ہوتی ہے کہ ایسی کوئی حرکت کر لے گا تو اس کے نتیجہ میں کیا کیا نقصانات بھگتنے پڑتے ہیں، اور وہ حرکت اس کے لیے رسوائی کا باعث ہوگی۔ لہذا جو عمر اس بات کی متقاضی نہیں، اور گناہ کے مخالف حالات کے باوجود بھی اگر اس گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غصہ اس پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔

یہی حال جھوٹ بولنے والے بادشاہ کا ہے۔ اس لیے کہ کوئی بھی آدمی جھوٹ اس لیے بولتا ہے کہ اس کو اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر میں سچ بتلا دوں گا تو سامنے والے کی طرف سے مجھے سزا دی جائے گی، یا مجھ پر زیادتی کا معاملہ کیا جائے گا، لیکن بادشاہ تو خود صاحب اختیار ہوتا ہے، اس کو جھوٹ بول کر اپنی بات چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ گویا اس کے حالات اس گناہ کے خلاف ہیں، اس کے باوجود وہ اس میں مبتلا ہوا، تو اس صورت میں اس کی شاعت اور برائی بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

یہی حال متکبر اور گھمنڈی فقیر کا ہے۔ اس لیے کہ گھمنڈ اور کبر مال و منال اور منصب کی وجہ سے ہوتا ہے، یا کوئی ایسی چیز جو اس کو کبر میں ڈال سکتی ہے جس کی وجہ سے وہ گھمنڈ اور تکبر کرتا ہے تو قرین قیاس ہے۔ لیکن جیب بالکل خالی ہو اور دماغ آسمان پر رہے، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

دنیا میں جنت کی چار نہریں!

۱۸۵۳:- وعنه - رضى الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: ((سَيِّحَانُ

وَجَيِّحَانُ، وَالْفُرَاتُ وَالنَّيْلُ كُلُّهُنَّ مِنَ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ)) (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: سَيِّحَانُ، جَيِّحَانُ، فُرَات اور نَیْل؛ یہ چاروں جنت کی نہروں اور دریاؤں میں سے ہیں۔

افادات:- سیحان اور جیحان کہاں ہیں؟ اس سلسلہ میں قاضی عیاضؒ نے

فرمایا ہے کہ: خراسان جو قدیم سوویت یونین میں اسلامی ریاستوں کا علاقہ تھا جس کو ماوراء النہر کہا جاتا ہے، آمودریا والا جو علاقہ ہے وہاں یہ دونوں دریا واقع ہیں۔ لیکن علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں اس قول کی تردید کی ہے کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ دونوں چھوٹے دریا ہیں، جو روم کے ساتھ شام کی جہاں سرحد لگی ہوئی ہے وہاں مقام مِسیبہ (ایک شہر ہے، اس) کے قریب واقع ہے۔

”دریائے فُرَات“ عراق کے اندر ہے۔ دریا یعنی جس کو ہم لوگ گجراتی میں

ندی کہتے ہیں، جیسے ”تاپتی ندی“ بولتے ہیں، اردو میں اس کو ”دریائے تاپتی“ بولیں گے۔ اور ”دریائے نیل“ مصر میں واقع ہے۔ ان چاروں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ چاروں جنت کی نہروں میں سے ہیں۔

جنت کی نہروں کا مطلب

اب سوال یہ ہے کہ جنت کی نہروں کا کیا مطلب ہے؟ تو بعض حضرات نے

کہا کہ: ان کی افادیت کے پیش نظر ان کو جنت کی نہروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ گویا

ان کا پانی اتنا عمدہ ہے کہ اس سے کھیتی باڑی بھی بہت اچھی ہوتی ہے اور انسانوں، جانوروں کی ضروریات کے لیے بھی نہایت کارآمد ہے، اس معنیٰ کر جنت کی نہروں میں سے قرار دیا گیا ہے۔

اور بعضوں نے کہا کہ: جن علاقوں میں یہ دریا واقع ہیں وہاں کے رہنے والے تقریباً سب ہی اہل ایمان ہیں، گویا ان سے فائدہ اٹھانے والے اہل ایمان ہیں جو جنت میں جائیں گے، اس لیے ان کو جنت کی نہروں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بعضوں نے کہا کہ: جنت میں بھی ان ناموں کی نہریں ہیں، گویا یہ بتلایا جا رہا ہے کہ جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی نعمتیں رکھی ہیں وہ دراصل جنت کی نعمتوں کا ایک معمولی سا خاکہ پیش کرتی ہیں، جیسے جنت میں پھل ہوں گے، آم، سیب وغیرہ، لیکن ایسے نہیں جیسے دنیا کے ہیں۔ وہاں کی نعمتیں اور پھل تو ایسے ہیں کہ ”مَلَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبٍ بَشَرٍ“ ایسی نعمتیں ہوں گی کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی، اور نہ کسی کے دل میں خیال آیا۔ آدمی ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بہر حال! ان کے ساتھ نام کی مشابہت ہے۔

بعضوں نے کہا کہ: دیکھنے میں دنیا میں جیسی نہریں ہیں، ویسی ہی جنت کے اندر بھی نہریں ہیں۔

محققین کا رائج قول

لیکن محققین نے اس کا رائج مطلب یہ بتلایا ہے کہ: ان چاروں دریا کے منبع اور سوت یعنی جہاں سے یہ دریا نکلتے ہیں وہ جنت کے اندر ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے وہ اللہ ہی بہتر جانے۔ اس لیے کہ اہل جغرافیہ دوسرے دریاؤں کے متعلق تو بتلاتے

ہیں کہ ان کے سوت کہاں ہیں۔ جیسے ہمارے یہاں کی ”دریائے تاپتی“ کا منبع کیا ہے؟ تو بتاتے ہیں سات پوڑہ میں سے نکل کر آتی ہے۔ اسی طرح سے دریائے گنگا اور دریائے جمنا وغیرہ کا منبع اور سوت جہاں سے وہ نکل کر چلتی ہے وہ سب کو معلوم ہے، لیکن دریائے نیل کے متعلق جغرافیہ دانوں کے اندر آج تک بڑے اختلافات ہیں۔ دنیا اور سائنس اتنی ترقی کر گئی اس کے باوجود اس کا صحیح منبع کیا ہے، وہ آج تک معلوم نہیں کر سکے۔

اور دوسرے دریاؤں کے مقابلہ میں دریائے نیل میں کچھ نمایاں فرق بھی ہے۔ ایک تو یہ جتنے دریا اور ندیاں ہیں وہ عام طور پر شمال سے نکل کر جنوب کی طرف چلتی ہیں، ندی اور دریاؤں کا عام دستور یہی ہے۔ لیکن دریائے نیل جنوب سے چل کر کے شمال کی طرف جاتا ہے، اور دنیا کا سب سے لمبا دریا یہی ہے، اس سے زیادہ طویل اور لمبا دریا دوسرا کوئی نہیں ہے۔

کون سے دن کیا پیدا کیا گیا؟

۱۸۵۴:- وعنه، قال: أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِي فَقَالَ: ((خَلَقَ اللَّهُ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ، وَخَلَقَ فِيهَا الْجِبَالَ يَوْمَ الْأَحَدِ، وَخَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ، وَخَلَقَ الْمَكْرُوهَ يَوْمَ الثَّلَاثَاءِ، وَخَلَقَ النُّورَ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ، وَبَثَّ فِيهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيسِ، وَخَلَقَ آدَمَ ﷺ بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِي آخِرِ الْخَلْقِ فِي آخِرِ سَاعَةٍ مِنَ النَّهَارِ فِيمَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى اللَّيْلِ)). رواه مسلم.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے زمین کو سنپھر کے دن پیدا کیا، اور اس کے اندر پہاڑوں کو اتوار کے

دن پیدا کیا، اور درختوں کو پیر کے دن، اور ناپسندیدہ چیزوں کو منگل کے دن، اور نور (روشنی) کو بدھ کے دن پیدا کیا، اور جمعرات کے دن جانوروں کو پیدا کر کے زمین میں پھیلایا، اور حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد، آخری مخلوق دن کی آخری گھڑی میں عصر سے رات تک کے وقت کے درمیان پیدا کی گئی (اسی لیے جمعہ کے دن کو عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ انسان کو اسی دن میں پیدا کیا گیا ہے۔)

جنگ مؤتہ اور حضرت خالد بن ولیدؓ

۱۸۵۵:- وعن أبي سليمان خالد بن الوليد - رضی اللہ عنہ - قَالَ: لَقَدْ انْقَطَعَتْ فِي يَدِي يَوْمَ مَوْثَةَ تِسْعَةُ أَسْيَافٍ، فَمَا بَقِيَ فِي يَدِي إِلَّا صَفِيحَةٌ يَمَانِيَّةٌ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ مؤتہ والے دن میرے ہاتھ میں نو (۹) تلواریں ٹوٹیں، اخیر میں ایک یمنی تلوار میرے ہاتھ میں بچی۔

انصاف:- جنگ مؤتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمادی الاولیٰ ۸ھ میں ہوئی۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت حارث بن عمیر اَزْدِیٰ کو سفیر بنا کر بُصریٰ کے حاکم کے پاس ایک خط لے کر بھیجا تھا (بُصریٰ شام میں واقع ہے) ابھی وہ راستہ ہی میں تھے کہ شرحبیل بن عمرو غسانی (جو اسی کے ماتحت تھا) نے ان کو گرفتار کر کے حاکم بُصریٰ کے پاس پیش کیا اور اس نے ان کو قتل کر دیا۔ کسی سفیر اور ایلچی کو قتل کرنا اُس زمانہ میں بھی بین الاقوامی قوانین کے اعتبار سے بہت بڑا جرم سمجھا جاتا تھا، بلکہ یہ ایک گھٹیا درجہ کا اعلانِ جنگ ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت حارث بن عمیرؓ کو قتل کر دیا گیا ہے تو اگرچہ اس وقت مسلمانوں کے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ جنگ کے لیے کوئی نیامحاذ کھولا جائے، اس لیے

کہ ابھی مکہ فتح نہیں ہوا تھا، اور قریش کے ساتھ مقابلہ جاری تھا مدینہ منورہ کے اوپر ہر وقت خطرات منڈلاتے رہتے تھے، ایسے حالات میں اگر شام کے علاقہ پر حملہ کریں گے تو چوں کہ وہ روم کے ماتحت تھا جس کا بادشاہ ہرقل تھا اس کو اپنا دشمن بنانا تھا جو اس زمانہ کی بڑی طاقت تھی، لیکن نبی کریم ﷺ نے اس بات کو گوارہ نہیں سمجھا کہ اس پر خاموشی اختیار کی جائے، آپ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو ترغیب دے کر تین ہزار کا لشکر تیار فرمایا اور اس لشکر کا امیر حضرت زید بن حارثہؓ کو مقرر فرمایا جو نبی کریم ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے، اور اس وقت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں گے، اور وہ شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ امیر ہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان مشورہ کر کے جس کو مقرر کریں وہ امیر ہوگا۔ جس وقت نبی کریم ﷺ یہ ارشاد فرما رہے تھے اس وقت ایک یہودی عالم یہ سن رہا تھا تو اس نے حضرت زید بن حارثہؓ سے کہا کہ: اے زید! بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی نبی کسی لشکر کو مقابلہ کے لیے روانہ کرتا تھا اور اس موقع پر اگر اس طرح کی بات کرتا کہ فلاں امیر رہے گا اور اگر وہ شہید ہو جائے تو فلاں امیر ہوگا، تو یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ جس کے متعلق یہ بات ارشاد فرمائی ہے وہ یقیناً شہید ہوگا، لہذا اگر یہ (محمد ﷺ) سچے نبی ہیں تو تمہاری شہادت یقینی ہے۔ وہ یہ سمجھا کہ اگر میں ان کو یہ کہوں گا تو ڈر جائیں گے، حضرت زید بن حارثہؓ نے کہا: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ سچے نبی ہیں۔

خیر! آپ ﷺ نے اس لشکر کو دشمن کی اُس بری حرکت کی سزا دینے کے لیے شام میں بلقاء کے علاقہ کی طرف روانہ فرمایا۔ نبی کریم ﷺ اور اہل مدینہ ان لوگوں

کو رخصت کرنے کے لیے ثنیۃ الوداع تک گئے، اور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید کو یہ تاکید فرمائی تھی کہ جس جگہ پر حضرت حارث بن عمیرؓ شہید کئے گئے ہیں وہاں سب سے پہلے جانا اور ان کو اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو فہما، اور اگر اسلام قبول نہ کریں تو پھر ان کا مقابلہ کرنا۔ جب لشکرِ مقامِ معان۔ ایک جگہ تھی جو بلقاء والے علاقہ کا ایک شہر تھا، وہاں۔ پہنچا تو ان کو معلوم ہوا کہ خود قیصرِ روم ہر قسمل بھی ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ کے لیے آچکا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ تم، جُذام، قُنین، حِمْیَر وغیرہ عربی قبائل جو نصرانی مذہب اختیار کئے ہوئے تھے اور اس علاقے میں آباد تھے، ان سب کو بھی حاکمِ بصری نے جمع کر رکھا ہے جن کی تعداد بھی ایک لاکھ تھی، گویا ایک لاکھ کا مقامی لشکر اور ایک لاکھ کارومی تربیت یافتہ لشکر، کل دو لاکھ کا لشکر مقابلہ پر جمع تھا، اس کے مقابلہ میں یہاں حضراتِ اصحابہ تو کل تین ہزار تھے۔ جب ان حضرات کو صورتِ حال کا اندازہ ہوا تو مشورہ کے لیے بیٹھے کہ کیا کریں؟ اور ان حالات میں ایسا مشورہ کرنا قرینِ قیاس بھی تھا۔ بعضوں نے یہ تجویز رکھی کہ نبی کریم ﷺ کو حالات سے آگاہ کیا جائے، اس کے بعد آپ جو ہدایت دیں اس کے مطابق عمل کریں گے، اگر آپ مناسب سمجھیں گے تو مدد کے واسطے مکہ بھیجیں گے، یا پھر جوارِ شاد فرماویں۔ جب سب لوگ اپنی بات کہہ چکے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اُٹھے اور بڑی زوردار تقریر فرمائی، جس میں انہوں نے یوں کہا: اے قوم! کیا تم لوگ اسی چیز (یعنی شہادت) کو ناپسند کر رہے ہو جس کی تمنا میں اپنے گھر سے نکلے ہو، اور آج تک ہمارا دشمنوں کے ساتھ جو بھی مقابلہ ہوا وہ ہتھیاروں اور تعداد کی بنیاد پر نہیں ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے دین کی جو عزت ہمیں عطا فرما رکھی ہے اسی بنیاد پر ہوا ہے، اس لیے آگے بڑھو، دو میں سے ایک سعادت ضرور

حاصل ہوگی، یا تو دشمن پر غلبہ ہوگا یا پھر شہادت نصیب ہوگی۔ ان کی یہ بات سن کر سب نے کہا کہ: ٹھیک ہے، چلو؛ آگے بڑھو۔ سبھی آگے بڑھے، مقام موتہ میں پہنچے جو قریب ہی تھا، اور دشمن کے دولاکھ کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ دورانِ جنگ حضرت زید بن حارثہ لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔

ان کے شہید ہونے کے بعد جھنڈا حضرت جعفرؓ نے اٹھایا، وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ کر رہے تھے کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے تلواروں، نیزوں اور تیروں سے ان پر ایسا حملہ کیا کہ گھوڑے کا آگے بڑھنا مشکل ہو گیا تو وہ اپنے گھوڑے سے اتر گئے اور پیدل آگے بڑھنا شروع کیا، ان کے دائیں ہاتھ میں جھنڈا تھا، کسی نے ان کا وہ ہاتھ کاٹ دیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، جب وہ بھی کٹ گیا تو دونوں بازوؤں کو جوڑ کر جھنڈے کو تھامنے کی کوشش کی اور اسی حال میں شہید ہو گئے۔ ان کے متعلق بخاری شریف میں موجود ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ شہادت کے بعد ان کے جسم پر شمار کیا گیا تو تلوار، نیزے اور تیر وغیرہ کے نوے (۹۰) زخم کے نشان تھے جن میں سے ایک بھی پیٹھ پر نہیں تھا، سب آگے ہی تھے۔

ان کے شہید ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے جھنڈا اٹھایا اور آگے بڑھے، بہت وقت سے انہوں نے کچھ کھا یا نہیں تھا، ان کے کسی عزیز نے ان کو گوشت کی ایک بوٹی دی کہ آپ یہ کھا لو تا کہ کچھ طاقت آجائے، وہ کھا ہی رہے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر پر دشمن کے ہلے کی زوردار آواز آئی تو اپنے نفس کو ملامت کرنے لگے کہ لوگ تو جہاد میں مشغول ہیں اور تو یہ کھانے میں لگا ہوا ہے؟ وہ بوٹی پھینک دی اور آگے بڑھے اور مقابلہ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔

ان کے شہید ہونے کے بعد ایک انصاری صحابی حضرت ثابت بن اُخرمؓ آگے بڑھے اور انہوں نے جھنڈا گرنے نہیں دیا، بلکہ فوراً اٹھایا اور کہا کسی کو امیر مقرر کرو تا کہ میں اس کو یہ دیدوں۔ لوگوں نے کہا: آپ ہی ہمارے امیر ہیں، انہوں نے کہا: نہیں! میں امیر بننے کے لائق نہیں ہوں، اور انہوں نے ہی وہ جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں میں دیا، تو لوگوں نے انہیں کو امیر مقرر کیا۔

یہ سب معاملہ یہاں میدانِ موتہ میں ہو رہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ کا پورا نقشہ نبی کریم ﷺ کی نگاہوں کے سامنے کھول دیا، چنانچہ اس وقت آپؐ نے ”الصلوٰۃ جامعۃ“ کا اعلان کروا کر صحابہ کو مسجد میں جمع فرمایا، منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بیان فرما رہے تھے کہ: زید آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اور جنت میں داخل ہوئے۔ پھر جھنڈا جعفرؓ نے اٹھایا، ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں لیا، وہ بھی کٹ گیا تو دونوں ہاتھوں سے تھامنا، پھر وہ بھی شہید ہو گئے اور جنت میں داخل ہوئے، اور ان کے دونوں بازوؤں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں دو بازو عطا فرمائے جس سے وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ پھر عبداللہ بن رواحہؓ نے جھنڈا اٹھایا، وہ بھی آگے بڑھے اور دشمن کا مقابلہ کیا، یہ فرما کر حضور ﷺ کچھ دیر ٹھہر گئے، پھر فرمایا: وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ: اب جھنڈا اللہ کی تلواروں میں ایک تلوار کے ہاتھ میں پہنچا ہے، اللہ ان کے ہاتھوں پر مسلمانوں کو فتح دیں گے۔

چوں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ میدانِ جنگ کے بڑے ماہر تھے، انہوں ایسی تدبیر اختیار کی کہ دشمن بھاگنے پر مجبور ہوا۔ انہوں نے شکل یہ اختیار کی کہ دوسرے روز

مسلمانوں کے لشکر کی ترتیب ہی بدل دی، جو آگے تھے ان کو پیچھے کر دیا، پیچھے والوں کو آگے کر دیا، دائیں والوں کو بائیں اور بائیں والوں دائیں کر دیا۔ اور لشکر کا تھوڑا سا حصہ الگ کر کے رات کو ایک جگہ چھپا دیا کہ جب ہماری لڑائی چل رہی ہو، عین اس وقت تم لوگ ظاہر ہو کر آنا تاکہ ان کو یہ معلوم ہو کہ باہر سے مدد آگئی ہے، اس تدبیر کارومیوں پر بڑا اثر ہوا اور میدان چھوڑ کر کے بھاگ گئے۔

اب اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دو لاکھ کے مقابلہ میں تین ہزار تھے اور اس میں صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے تھے۔ اور حضرت خالد بن ولیدؓ فرماتے ہیں کہ اس روز میرے ہاتھ میں نو (۹) تلواریں ٹوٹیں۔ اور یہ بات یاد رکھنا کہ یہ تلواریں کوئی پتھر پر مار کر نہیں توڑی تھیں، بلکہ دشمنوں کی گردنیں کاٹتے کاٹتے ٹوٹی تھیں۔ اس سے ان حضرات کی بہادری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے! ہم لوگ تو ایک تلوار لے کر پتھر پر توڑنے جائیں تو دن بھر تو کیا؛ مہینہ بھر ہمارا ہاتھ درد کرتا رہے گا۔ فرماتے ہیں کہ اخیر میں میرے ہاتھ میں ایک یمنی تلوار بچی۔

دو ہزار اجر؛ ورنہ ایک ثواب

۱۸۵۶:- وعن عمرو بن العاص - رضی اللہ عنہ - : أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ :
(إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَنَبْهُ، ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ وَاجْتَنَبَهُ، فَأَخْطَأَ، فَلَهُ أَجْرٌ) (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب کسی حاکم نے فیصلہ کیا، اور اس کے لیے اپنی پوری صلاحیت اور غور فکر کو استعمال کیا جس کے نتیجے میں اس نے صحیح فیصلہ کیا؛ تو اس کو دو ہزار (دبل) ثواب

ملے گا، اور اگر فیصلہ کیا اور اپنی پوری صلاحیت کو استعمال کیا لیکن اس میں وہ خطا کھا گیا تو اس کو ایک ثواب ملے گا۔

انفادات:- یہاں علماء نے لکھا ہے کہ فیصلہ کرنے والے کے لیے جو شرائط رکھے گئے ہیں ان ساری چیزوں سے وہ واقف ہو، یعنی اس کو قرآن و احادیث کا علم ہو، اور نبی کریم ﷺ و حضراتِ خلفاء راشدین اور دیگر حضراتِ صحابہ نے جو فیصلے کئے اور ان فیصلوں کے جو طریقے اسلام نے بتلائے ہیں ان کا اس کو علم ہو۔ یعنی فیصلہ کرنے کے لیے جن شرعی کمالات و صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ سارے اس کے اندر موجود ہیں، اور انہیں کو استعمال کرتے ہوئے پوری سمجھ اور پورے غور فکر کے بعد اس نے کوئی فیصلہ کیا اور صحیح فیصلہ کیا تو دہر ا ثواب (یعنی ایک تو اس محنت کا، اور دوسرا اس صحیح فیصلہ کرنے کا) ملے گا۔ اور خدا نہ کرے اس میں اگر کوئی غلطی ہو گئی تب بھی ایک ثواب (یعنی جو محنت کی ہے اس کا) تو ملے گا۔

اور اگر وہ شرائط اس میں موجود نہیں ہیں یعنی وہ صلاحیتیں اور کمالات اس میں نہیں پائے جاتے تو اس کے لیے فیصلہ کرنا ہی جائز نہیں۔ اگر اس صورت میں وہ فیصلہ کرے گا تو گنہگار ہوگا، بلکہ اگر صحیح فیصلہ کرے گا تب بھی گنہگار ہوگا۔ اس لیے کہ اس کو شریعت کی طرف سے فیصلہ کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا گیا ہے۔

بخار اور اس کا علاج

۱۸۵۷:- وعن عائشة رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((الْحُمَّى مِنْ

فَيْحٍ جَهَنَّمَ فَأَبْرِ دُوهَا بِالْمَاءِ)) (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بخار جہنم کی لپٹ میں سے ہے، اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

انفادات:- آپ ﷺ نے بخار کے علاج کے طور پر پانی کو استعمال کرنے کا فرمایا ہے، لیکن بعض لوگوں نے اس موقع پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ بخار کی حالت میں ٹھنڈے پانی کا استعمال بجائے مفید ہونے کے مضر ہے۔

تو اس کی مختلف تاویلات کی گئی ہیں۔ بعض حضرات نے تو یوں کہہا کہ: یہاں پانی استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی کا صدقہ کرو۔ کہیں کنواں کھدو ادو، کہیں بورنگ کرو ادیا، کہیں پانی کا کسی طریقہ سے بھی انتظام کرو ادیا۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ کے نتیجے میں بلا دور ہوتی ہے اور آدمی بیماری سے شفا پاتا ہے، تو گویا پانی والا صدقہ اس کے لیے شفا کا ذریعہ بنے گا۔ بعضوں نے کہا: بخاری شریف ہی میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیمار عورت کو لایا گیا تو حضرت اسماعیلؑ نے پانی پر دم کر کے اس عورت کے گریبان میں چھڑکا۔ گویا کچھ پڑھ کر پانی پر دم کر کے اس کو چھڑکنا مراد ہے۔ بعضوں نے کہا: اس بیمار کو خوب لحاف اور چادر اوڑھادی جائے، جب وہ اس میں رہے گا تو اس کی وجہ سے پسینہ چھوٹے گا اور بخار اتر جائے گا۔ تو پانی سے پسینے کا پانی مراد ہے۔

لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس سے پانی ہی مراد ہے، اور بخار مختلف قسم کے ہوتے ہیں، عرب کے علاقہ میں گرمی کی شدت کی وجہ سے لو لگنے سے بخار ہوتا ہے، اور اس بخار کے متعلق اطباء بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر ٹھنڈا پانی استعمال کیا جائے تو بیمار صحتیاب ہو جاتا ہے۔ گویا اس علاقہ میں جو مخصوص بخار ہوا کرتا تھا اس کے لیے ٹھنڈا پانی ہی مفید ہے۔

میت کے ذمہ فرائض باقی ہوں تو؟

۱۸۵۸:- وَعَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ، صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ)) (متفق علیہ)

وَالْمُخْتَارُ جَوَّازُ الصَّوْمِ عَمَّنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ لِهَذَا الْحَدِيثِ. وَالْمُرَادُ بِالْوَلِيِّ: الْقَرِيبُ وَارِثًا كَانَ أَوْ غَيْرَ وَارِثٍ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمہ روزہ باقی ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی (رشتہ دار) وہ روزہ رکھے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مرنے والے کے ذمہ اگر روزے باقی ہوں اور اس کا رشتہ دار روزہ رکھ لے، تو درست ہو جائے گا۔ اسی قول کو مختار قرار دیا گیا ہے۔

افادات:- دراصل یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ ظاہریہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ولی کا روزہ رکھ لینا درست ہے۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید، امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر حضرات کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح کسی کی نمازیں باقی ہوں تو اس کے انتقال کے بعد اس کے ولی یا رشتہ دار کا اس کی طرف سے نمازیں پڑھنا کافی نہیں ہے، اسی طرح روزہ میں بھی ہے۔

تو پھر اشکال ہوتا ہے کہ اس روایت کا مطلب کیا ہے؟ تو اس روایت کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کا ولی اس کی طرف سے اس روزے کا فدیہ ادا کرے تو وہ فدیہ اس روزہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا، اسی کو ”صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ“ سے تعبیر کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ چوں کہ شافعی المسلک ہیں اس لیے ان کا اور شوافع میں سے امام بیہقی رحمہ اللہ کا نظریہ اس سلسلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے قولِ قدیم کے مطابق ہے، لیکن خود مشائخ شافعیہ کا یہ مسلک نہیں ہے جیسا کہ اوپر بتایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قولِ جدید یہی ہے کہ روزہ رکھنا کافی نہیں ہے، بلکہ فدیہ ادا کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے حضرت عائشہؓ کی ناراضگی کا قصہ

۱۸۵۹:- وعن عوف بن مالک بن الطفیل: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حَدَّثَتْ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَ فِي بَيْعٍ أَوْ عَطَاءٍ أُعْطِيَتْهُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا: وَاللَّهِ لَتَنْتَهِيَنَّ عَائِشَةُ أَوْ لَأُجْرَنَ عَلَيْهَا، قَالَتْ: أَهْوَ قَالَ هَذَا! قَالُوا: نَعَمْ. قَالَتْ: هُوَ اللَّهُ عَلَى نَذْرٍ أَنْ لَا أُكَلِّمَ ابْنَ الزُّبَيْرِ أَبَدًا، فَاسْتَشْفَعَ ابْنُ الزُّبَيْرِ إِلَيْهَا حِينَ طَالَتِ الْهَجْرَةُ. فَقَالَتْ: لَا، وَاللَّهِ لَا أَشْفَعُ فِيهِ أَبَدًا، وَلَا أَتَخَذُّثُ إِلَى نَذْرِي. فَلَمَّا طَالَ ذَلِكَ عَلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ كَلَّمَهُ الْمِسُورُ بْنُ مَخْرَمَةَ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ ابْنُ الْأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَعُوثَ وَقَالَ لَهُمَا: أُنْشِدُ كُما اللَّهُ لَمَّا أَدْخَلْتُمَانِي عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَأَيُّهُمَا لَا يَخْلُلُ لَهَا أَنْ تَنْذِرَ قَطِيعَتِي، فَأَقْبَلَ بِهِ الْمِسُورُ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ حَتَّى اسْتَأْذَنَّا عَلَى عَائِشَةَ فَقَالَا: السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، أَدْخُلْ، قَالَتْ عَائِشَةُ: ادْخُلُوا. قَالُوا: كُلُّنَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ ادْخُلُوا كُلُّكُمْ، وَلَا تَعْلَمُ أَنَّ مَعَهُمَا ابْنَ الزُّبَيْرِ، فَلَمَّا ادْخُلُوا دَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ الْحِجَابَ فَاعْتَنَقَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، وَطَفِقَ يُنَاشِدُهَا وَيَنْبِكِي، وَطَفِقَ الْمِسُورُ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ يُنَاشِدَانِهَا إِلَّا كَلَّمَتْهُ وَقَبِلَتْ مِنْهُ، وَيَقُولَانِ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَمَّا قَدْ عَلِمْتَ مِنَ الْهَجْرَةِ، وَلَا يَخْلُلُ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ

فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ. فَلَمَّا أَكْثَرُوا عَلَى عَائِشَةَ مِنَ التَّمْدِ كِرَةً وَالتَّحْرِيجِ، طَفِقَتْ تُذَكِّرُهُمَا وَتَبْكِي، وَتَقُولُ: إِنِّي نَذَرْتُ وَالتَّنْدُ شَدِيدٌ، فَلَمَّا يَرَا بِهَا حَتَّى كَلَّمَتْ ابْنَ الزُّبَيْرِ، وَأَعْتَقَتْ فِي نَذْرِهَا ذَلِكَ أَرْبَعِينَ رَقَبَةً. وَكَانَتْ تُذَكِّرُ نَذْرَهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَتَبْكِي حَتَّى تَبْلُ دُمُوعُهَا خِمَارَهَا. (رواه البخاری)

اس روایت میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عوف بن مالک بن طفیل (جو حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کے بھتیجے کے لڑکے تھے) فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا گیا کہ عبد اللہ بن زبیرؓ نے ان عطیات کے سلسلہ میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیئے تھے۔ یہ کہا ہے: حضرت عائشہؓ اپنے اس طرز عمل سے باز آجائیں، ورنہ میں بطور حاکم ان پر پابندی لگا دوں گا کہ ان کا کوئی تصرف اور معاملہ درست نہ ہو۔ (جب حضرت عائشہؓ کے کان میں یہ بات پڑی تو ان کو یقین نہیں آیا کہ میرے متعلق وہ ایسا کہہ سکتے ہیں) اس لیے انہوں نے کہا: کیا انہوں نے میرے متعلق ایسا کہا ہے؟ لوگوں نے بتایا: جی ہاں! کہا ہے (حضرت عائشہؓ کو ان کی اس بات پر بڑی ناگواری ہوئی) کہنے لگیں: اگر ایسا ہے تو میرے اوپر اللہ کے واسطے نذر ہے (یعنی پھر تو میں بھی قسم کھاتی ہوں) کہ میں ابن زبیرؓ سے کبھی بات نہیں کروں گی (اب وہ حضرت عائشہؓ پر کیا پابندی لگاتے، اُلٹی ان پر ہی پابندی لگ گئی۔ اب جب بھی وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اندر آنے کی اجازت چاہتے تو اجازت نہ ملتی) جب حضرت عائشہؓ کی طرف سے ان کے ساتھ یہ معاملہ طول پکڑ گیا، اور ان سے یہ جدائی اور قطع تعلق برداشت نہیں ہوا تو انہوں نے لوگوں سے سفارشیں کروائیں (کہ جاؤ! میری طرف سے عرض کرو کہ میں معافی مانگتا ہوں) حضرت عائشہؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں کسی کی سفارش قبول نہیں کروں گی،

اور نہ میں اپنی نذر توڑوں گی۔ جب زمانہ اور طویل ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مسور بن مخرمہؓ اور عبدالرحمن بن اسود بن عبدغوثؓ سے اس سلسلہ میں بات چیت کی (یہ دونوں اس زمانہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے اور احوال الرسول کہے جاتے تھے، نبی کریم ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔ قبیلہ بنی زہرہ سے ان کا تعلق تھا، نبی کریم ﷺ کی والدہ حضرت آمنہؓ بھی اسی قبیلہ بنوزہرہ سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے قبیلہ بنوزہرہ کا جو بھی آدمی ہوتا تھا وہ خال الرسول سے یاد کیا جاتا تھا۔ جیسے: ہمارے یہاں بھی بولتے ہیں کہ یہ ہمارے رشتہ کے ماموں ہیں۔ حضرت عائشہؓ بھی ان لوگوں کا بڑا خیال رکھتی تھیں) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم کی دے کر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے کسی بھی طرح حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچا دو (کسی طرح کی بھی تدبیر کرو اور مجھے لے جاؤ۔ اور ہو سکتا تھا کہ ان کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا کہ انہوں نے تو قسم کھالی ہے، اب ہم تمہیں کیسے ان کے پاس لے جائیں، اس لیے) انہوں نے کہا: حضرت عائشہؓ کا میرے ساتھ اس طرح قطع تعلق کرنا کسی حال میں بھی درست نہیں (اس لیے کہ میں تو ان کا بھانجہ ہوں۔ اور اُدھر حضرت عائشہؓ نے ان کے ساتھ جو قطع تعلق کیا تھا وہ اللہ واسطے تھا، اس لیے کہ حضرت عائشہؓ جو کثرت سے مال خرچ کرتی تھیں وہ اپنی نفسانیت اور اغراض کے لیے نہیں ہوتا تھا، بلکہ اللہ کے راستہ میں ہوتا تھا، اور اس پر حضرت زبیرؓ نے یہ جملہ کہا تھا کہ میں پابندی لگا دوں گا۔ تو ان کا یہ جملہ حضرت عائشہؓ کو ناگوار گزرا تھا کہ میں نے کونسا گناہ کا کام کیا تھا جو انہوں نے یہ بات کہی، اور وہ بھی میرا بھانجہ ہو کر، جبکہ میں بھی ان کے ساتھ محبت و شفقت کا سلوک کرتی ہوں، اس لیے ناراض ہوئیں) چنانچہ انہوں نے ایک تدبیر کی، یہ دونوں حضرات مسور بن مخرمہؓ اور عبدالرحمن بن اسودؓ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ان کے مکان پر حاضر ہوئے اور حضرت عائشہؓ سے اجازت چاہی (اس لیے کہ جو بھی آتا تھا وہ باہر ہی سے اجازت چاہتا تھا کہ ہم اندر آ سکتے ہیں) ان دونوں نے سلام کیا اور کہا: کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟ (ان لوگوں نے یہ کیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنے بیچ میں رکھا تھا اور اپنی چادر میں اس طرح لپیٹ لیا تھا کہ وہ نظر نہ آئیں اور حضرت عائشہؓ سے اجازت مانگی کہ ہم آ سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا: آ سکتے ہو۔) پوچھا: ہم سب آجائیں؟ کہا: ہاں! سب آ جاؤ (حضرت عائشہؓ کو تو معلوم نہیں تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بیچ میں لپٹے ہوئے ہیں۔ جب حضرت عائشہؓ نے کہا کہ سب آ جاؤ، تو عبداللہ بن زبیرؓ کے لیے بھی گنجائش نکل آئی) چنانچہ وہ اندر داخل ہو گئے (اب گھر میں طریقہ یہ تھا کہ آنے والوں کے لیے کھلی جگہ تھی، وہاں آ کر لوگ بیٹھتے تھے اور حضرت عائشہؓ پردہ کے پیچھے ہوتی تھیں، کسی کو پوچھنا ہوتا، کچھ بات چیت کرنی ہوتی تو وہیں سے پردہ میں رہ کر بات چیت کر لیتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تو بھانجے تھے اس لیے پردہ کا سوال نہیں تھا) جب یہ لوگ گھر میں داخل ہو گئے تو عبداللہ بن زبیرؓ پردہ کے اندر گھس گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لپٹ گئے، اور قسمیں دینے لگے اور رونے لگے (کہ میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، معاف کر دو) اور یہ دونوں حضرات بھی پردہ کے پیچھے سے حضرت عائشہؓ کو اللہ کا واسطہ دیتے رہے کہ آپ ان کو معاف کر دیں، ان کا عذر قبول کر لیں (یہ دونوں سفارش کر رہے تھے اور وہ اندر معافی مانگ رہے تھے) یہ دونوں حضرات کہتے تھے کہ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے ساتھ قطع تعلق کرنے سے منع کیا ہے، اور (یہ بھی معلوم ہے کہ) کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔ یہ دونوں حضرات دیر تک حضرت عائشہؓ کو ایسی ترغیبی اور ترہیبی باتیں سناتے رہے اور ان

کو یہ سب یاد دلایا اور حضرت عائشہؓ بھی ان کو نصیحت کرتی رہیں اور روتی رہیں، اور جواب میں یوں کہتی رہیں کہ (تمہیں معلوم ہی ہے کہ) میں نے تو نذرمان لی ہے، اس لیے میرے لیے ضروری ہے کہ میں ان سے بات نہ کروں، اور نذر کا معاملہ بڑا سخت ہوتا ہے (ان حضرات کا حال یہی تھا کہ اللہ کا نام لے کر جو بات کہی جاتی تھی اس کے معاملہ میں بہت ڈرتے رہتے تھے) لیکن یہ دونوں حضرات بھی برابر سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ نے ابن زبیرؓ سے بات کر لی اور ان کو معاف کر دیا۔ جب عبد اللہ بن زبیرؓ سے بات کر لی تو ان کی قسم ٹوٹ گئی جس کی تلافی میں حضرت عائشہؓ نے چالیس غلام آزاد کئے (حالاں کہ قسم توڑنے پر کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا پڑتا ہے، یا کھانا کھلانا پڑتا ہے) اور اس کے بعد جب بھی حضرت عائشہؓ اپنی نذر والی بات یاد کرتی تھیں تو بہت روتی تھیں (کہ میں نے ایک نذر توڑ دی، اور اتنا روتیں کہ) آنسوؤں سے ان کی اوڑھنی تر ہو جاتی تھی (گویا اللہ کا نام لے کر میں نے جو بات کہی تھی، اس کی پابندی نہیں کر سکی)۔

افادات:- عبد اللہ بن زبیرؓ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہوتے ہیں، ان کی والدہ حضرت اسماءؓ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ ویسے تو دونوں کی والدہ الگ الگ ہیں، گویا حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ دونوں باپ شریک بہنیں تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی والدہ کا نام اُم رومان ہے، اور حضرت اسماءؓ کی والدہ کا نام قتیلہ بنت عبد العزیٰ عامر یہ ہے۔ انہی حضرات اسماءؓ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ ہیں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کے بڑے لاڈ لے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عائشہؓ ان سے بہت زیادہ محبت کا معاملہ کرتی

تھیں، اور یہ بھی اپنی سعادت مندی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کے ساتھ بڑے احسان کا سلوک کرتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بطور ہدیہ کثرت سے مال بھیجتے رہتے تھے۔ لیکن حضرت عائشہؓ کی عادت شریفہ یہ تھی کوئی مال اپنے پاس جمع نہیں رکھتی تھیں، جو بھی آتا فوراً ضرورت مندوں پر خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فضائل صدقات میں واقعہ لکھا ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس بہت بڑی رقم آئی اور حضرت عائشہؓ نے سب تقسیم کر ڈالی، حالاں کہ اس دن وہ روزہ سے تھیں، افطار کے لیے گھر میں کچھ نہیں تھا، باندی نے کہا: ایک آدھ درہم رکھ لیتیں تو افطار کے لیے کچھ سامان آجاتا۔ کہنے لگیں کہ: اللہ کی بندی! پہلے سے بولا ہوتا تو رکھ لیتی، مجھے کیا معلوم کہ گھر کے اندر کچھ بھی نہیں۔ یہ ان کا حال تھا۔ اور چوں کہ ان کا بہت بڑا وظیفہ بیت المال میں سے مقرر تھا، اور ہرزمانہ میں خلفاء اور دیگر لوگ ان کی خدمت میں ہدایا بھیجتے رہتے تھے۔ لیکن یہ کثرت سے خرچ کرنے والی تھیں، ایک پائی بھی اپنے لیے نہیں رکھتی تھیں۔

یہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ امیر المؤمنین تھے، وہ ان کے پاس کثرت سے مال بھیجا کرتے تھے اور ان کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ حضرت عائشہؓ اس کو اپنی ضرورتوں میں استعمال کریں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کو پتہ چلا کہ حضرت عائشہؓ کو ضرورت ہے اس لیے انہوں نے ایک بڑی رقم ان کے پاس ہدیہ میں بھیجی، لیکن حضرت عائشہؓ نے وہ پوری رقم ہدیہ اور صدقہ کے اندر خرچ کر دی، حالاں کہ وہ اس نیت سے بھیجتے تھے کہ حضرت عائشہؓ اس کو اپنی ضرورت میں خرچ کریں۔ جب کسی نے ان کو بتایا کہ آپ کی دی ہوئی رقم تو دوسروں پر خرچ کر دی اور اب خود تنگی اٹھا رہی ہیں، تو حضرت عبداللہ بن

زبیرؓ کو نہایت گراں گزرا اور ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ: حضرت عائشہؓ اپنے اس طرزِ عمل سے باز آجائیں، ورنہ میں بطورِ حاکم ان پر پابندی لگا دوں گا کہ ان کا کوئی تصرف اور کوئی معاملہ درست نہ ہو۔

حاکم کی طرف سے بعض مواقع ایسے آتے ہیں کہ کسی آدمی پر اس طرح کی پابندی لگادی جاتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی مقروض ہے، لوگوں کے حقوق اس پر ہیں وہ ادا نہیں کرتا، تو حاکم اس طرح کی پابندی لگا دیتا ہے۔ اور حاکم کی طرف سے کسی آدمی کے معاملات میں اور کسی چیز کے خرید و فروخت میں اور اس کے دینے لینے پر پابندی عائد کی جاتی ہے اس کو شریعت کی اصطلاح ”حجر“ کہتے ہیں۔ کتب فقہ میں مستقل ایک عنوان ”کتاب الحجر“ قائم کیا جاتا ہے جہاں اس کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تمنا

بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ: کاش! میں نے یہ کہنے کے بجائے یوں کہا ہوتا کہ اگر بات کروں تو میرے اوپر اتنا لازم ہوگا۔ مطلب یہ کہ میں اس سے بات کروں تو میرے لیے ضروری ہے ایک لاکھ کا صدقہ کروں، یا میں اس سے بات کروں تو میرے لیے ضروری ہے کہ دس روزے رکھوں۔ حضرت عائشہؓ یہ تمنا کرتی تھی کہ: کاش! اس کے بجائے یوں کہا ہوتا۔ تو کم سے کم دل کو تو اطمینان ہوتا میں نے جو کہا اس کے مطابق نذر توڑنے کی صورت میں دس روزے رکھے۔ حالاں کہ انہوں نے مطلق نذر مانی تھی، اور جیسا کہ میں نے بتلایا وہ قسم کے حکم میں ہے، اور اس کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا کافی ہے، لیکن پھر بھی وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نام پر کبھی ہوئی بات کے معاملہ میں بہت محتاط تھے۔

حضور اکرم ﷺ کا اپنی امت کے بارے میں خدشہ

۱۸۶۰:- وعن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ إِلَى قَتْلَى أَحَدٍ، فَصَلَّى عَلَيْهِمْ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِينَ كَالْمَوَدِّعِ لِلْأَحْيَاءِ وَالْأَمْوَاتِ، ثُمَّ طَلَعَ إِلَى الْمَنْبَرِ فَقَالَ: ((إِنِّي بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فَرَطٌ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنَّ مَوْعِدَكُمْ الْحَوْضُ، وَإِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ مِنْ مَقَامِي هَذَا، أَلَا وَإِنِّي لَسْتُ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا، وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا أَنْ تَتَنَافَسُوهَا)) قَالَ: فَكَانَتْ آخِرَ نَظَرَةٍ نَظَرْتُهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. (متفق عليه)

وفی روایۃ: ((وَلَكِنِّي أَخْشَى عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا أَنْ تَتَنَافَسُوا فِيهَا، وَتَقْتَتِلُوا فَتَهْلِكُوا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ)). قَالَ عُقْبَةُ: فَكَانَ آخِرَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْمَنْبَرِ.

وفی روایۃ قَالَ: ((إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللَّهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ، وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ، أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ، وَإِنِّي وَاللَّهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي، وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَتَنَافَسُوا فِيهَا)).

وَالْبَرَادُ بِالصَّلَاةِ عَلَى قَتْلَى أَحَدٍ: الدُّعَاءُ لَهُمْ، لَا الصَّلَاةَ الْبَعْرُوفَةَ.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عقبہ عامرؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ

شہدائے اُحد کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور ان پر آٹھ سال کے بعد نمازِ جنازہ پڑھی، گویا کہ آپ زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے تھے (شہدائے اُحد کی زیارت کر کے واپس آنے کے بعد) آپ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: میں تم سے پہلے تمہارے لیے

تیاری کرنے جا رہا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوؤں گا (یعنی تمہارے نیک اعمال کے متعلق اور تم لوگوں نے اللہ کے راستہ میں جو مالی و جانی قربانیاں دی ہیں اور دین کے لیے جو مشقتیں اٹھائی ہیں، ان سب باتوں پر قیامت کے روز میں گواہی دوں گا) اور تم سے حوضِ کوثر پر ملاقات کا وعدہ ہے، میں اس وقت اپنی اس جگہ سے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں (گویا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر اس وقت حوضِ کوثر منکشف کر دیا تھا) اور سنو! مجھے تمہارے متعلق یہ اندیشہ نہیں ہے کہ تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، لیکن تمہارے متعلق یہ ڈر ہے کہ تم دنیا حاصل کرنے میں مشغول ہو جاؤ گے اور اس میں ایک دوسرے سے مقابلہ اور ریس کرو گے (حضرت عقبہ بن عامرؓ جب یہ واقعہ بیان کر رہے تھے اس وقت کہتے ہیں کہ) یہی آپ ﷺ کی میں نے آخری زیارت کی (اس کے بعد آپ کے دیدار اور زیارت کی نوبت نہیں آئی، یعنی حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا)۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ: لیکن مجھے تم لوگوں کے متعلق دنیا کا یہ ڈر ہے کہ دنیا کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ اور ریس کرو گے، اور آپس میں ایک دوسرے سے لڑو گے اور اسی طرح ہلاکت میں پڑو گے جیسے تم سے پہلے لوگ ہلاکت میں پڑے۔

ایک روایت میں ہے کہ: میں تم سے پہلے تیاری کے لیے جا رہا ہوں، میں تمہارے اوپر گواہ ہوں۔ میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں (دوسری روایت میں ہے: تم خزانوں کو حاصل کرو گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ: آپ کی امت کو خزانے دیئے جائیں گے اور فتوحات ہوں گی) اور اللہ کی قسم! میں تم لوگوں پر اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تم لوگ شرک میں مبتلا ہو گے (یعنی امت اجتماعی طور پر شرک میں مبتلا نہیں ہوگی، ہاں! کچھ لوگ اس میں پھنس گئے تو الگ بات ہے)

لیکن مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا کی خاطر ایک دوسرے سے آپس میں مقابلہ کرو گے اور اسی میں ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں جو ”صلوٰۃ“ کا لفظ آیا ہے، اس سے معروف نماز جنازہ مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد شہداء کے لیے دعا ہے۔

افادات:- امام نووی رحمۃ اللہ علیہ یہ اس لیے فرما رہے ہیں کہ چوں کہ ایک مسئلہ ہے کہ شہید کے اوپر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ کیوں کہ عرفی شہید کو غسل تو نہیں دیا جاتا، لیکن اس پر نماز جنازہ کے سلسلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، احناف کے یہاں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، اور شوافع کے یہاں نہ غسل دیا جاتا ہے اور نہ نماز جنازہ کی ضرورت ہے، اس کو یوں ہی دفن کر دیں گے۔ چوں کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شافعی المسلک ہیں اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ”صَلَّی“ کا مطلب نماز جنازہ نہیں ہے، بلکہ دعا ہے۔ لیکن تمام شراح یہی فرماتے ہیں کہ یہاں تاویل اس لیے نہیں چل سکتی کہ دوسری روایتوں میں ”صَلَّی عَلَیْہِمْ صَلَوٰتِہٖ عَلَی الْمَیِّتِ“ کی صراحت موجود ہے، یعنی جس طرح مرنے والوں پر نماز پڑھی جاتی ہے، اسی طرح آپ نے نماز پڑھی۔ اگر ”صَلَّی“ کا معنی دعا ہوتا تو لفظ ”صَلَوٰتِہٖ عَلَی الْمَیِّتِ“ نہ آتا، کیوں کہ ”صلوٰۃ“ کے معنی دعا کے نہیں آتے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ ”بَعْدَ ثَمَّانِ سِنَیْنِ“ کا لفظ بھی بتاتا ہے کہ زیارت اور دعا کے لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار تشریف لے جاتے تھے لیکن یہاں تو کہا ہے کہ آٹھ سال کے بعد۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں مراد معروف نماز ہے جو جنازہ کی ہوا کرتی ہے۔

یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے مرض الوفات کے شروع کا ہے، اس وقت آپ چل پھر رہے تھے، اسی زمانہ میں آپ ایک مرتبہ صبح کے وقت بقیع میں اور شہدائے احد کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے، اور وہاں آپ نے نماز پڑھی۔

پوری امت کے لیے بڑی تسلی کی بات

”فَرَطُ“ عربی زبان میں ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ جب کوئی قافلہ یا لشکر روانہ ہوتا تو کچھ لوگ آگے جا کر جہاں پڑاؤ ڈالنا ہوتا تھا وہاں قافلہ والوں کے لیے پانی قیام وغیرہ کے انتظامات کرتے تھے، تاکہ جب لشکر وہاں پہنچے تو اس کو سہولت رہے۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں ہمارے زمانہ جیسی سہولیات نہیں ہوتی تھی۔ گویا حضور ﷺ صحابہؓ سے فرماتے ہیں کہ میں تم لوگوں کے لیے فرط (یعنی پہلے جا رہا) ہوں اور تم بعد میں آنے والے ہو، میں وہاں جا کر تمہارے لیے انتظام کرتا ہوں۔ اس لفظِ فرط میں صحابہ کے لیے اور پوری امت کے لیے بڑی تسلی کی بات ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے پورے دن وعظ فرمایا

۱۸۶۱:- وعن أبي زيد عمرو بن أخطب الأنصاري - رضي الله عنه - قال: صلى بنا رسول الله ﷺ الفَجْرَ، وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَأَنزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ، فَأَعْلَبَنَا أَحْفَظُنَا. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو زید عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ (قبیلہ خزرج سے تعلق

رکھتے ہیں) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور آپ منبر پر تشریف لے گئے اور ایک خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا تو آپ منبر سے نیچے تشریف لائے، ظہر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف لے گئے، پھر خطبہ دینا شروع کیا یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا، پھر اترے، عصر کی نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف لے گئے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور (اس لمبے وعظ و خطبہ میں) حضور اکرم ﷺ نے وہ تمام اہم اہم واقعات جواب تک دنیا میں پیش آئے اور جو آئندہ قیامت تک پیش آنے والے ہیں وہ سب بتلائے۔ ہم میں جو زیادہ یاد رکھنے والا تھا (اس نے وہ سب یاد رکھ لیے اور) وہ ہم میں زیادہ عالم بن گیا۔

افادات:- حضرت حذیفہؓ کی بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ دنیا میں جو اہم اہم واقعات پہلے ہوئے، اور جو آئندہ ہونے والے ہیں وہ سب اپنے بیان میں لوگوں کو بتلائے، لیکن لوگ بھول گئے۔ جب ان میں کوئی معاملہ اور واقعہ پیش آتا ہے تو یاد آتا ہے کہ یہ تو حضور ﷺ نے بتلایا تھا۔ جیسے: کسی آدمی کو دیکھ کر پھر اس کو آدمی بھول جاتا ہے لیکن جب وہ سامنے آتا ہے اور اس کا چہرہ دیکھتا ہے تو یاد آتا ہے کہ ہاں اس کو تو پہلے دیکھا ہے۔

نیکی کی نذر درست ہے، گناہ کی نہیں

۱۸۶۲:- وعن عائشة رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَنْ نَذَرَ

أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ فَلَا يَعْصِهْ)). (رواہ البغاری)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو

آدمی اس بات کی نذر مانے کہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اس کو چاہیے کہ اس کو پوری کرے (یعنی اطاعت بجالائے) اور جو آدمی اس بات کی نذر مانے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کرے گا تو

وہ اس کو پورا نہ کرے (یعنی معصیت نہ کرے)۔

افادات:- نذر کے صحیح ہونے کے لیے فقہاء نے جو شرطیں لکھی ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ جس چیز کی نذر مانی جا رہی ہے وہ عبادتِ مقصودہ کے قبیل سے ہو، تب ہی نذر درست ہوگی۔ اور اگر وہ عبادت کے قبیل سے نہیں ہے، تو اس صورت میں اس کی نذر درست ہی نہیں ہوگی۔ اور اگر کسی نے کسی گناہ کے کام کی نذر مانی، تو وہ نذر درست ہی نہیں ہے۔

گرگٹ، چھپکلی کو مارنے میں نیکیاں ملیں گی

۱۸۶۳:- وعن أمّ شريكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَهَا بِقَتْلِ الْأَوْزَاعِ وَقَالَ: ((كَانَ يَنْفُخُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ)) (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے نمرود کی طرف سے آگ جلائی گئی تھی تو یہ اس کو بھڑکانے کے لیے پھونک مار رہا تھا۔

۱۸۶۴:- وعن أبي هريرة - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ قَتَلَ وَزَغَةً فِي أَوَّلِ ضَرْبَةٍ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً، وَمَنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبِ الثَّانِيَةِ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً دُونَ الْأُولَى، وَإِنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبِ الثَّالِثَةِ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً)).

وفی روایة: ((مَنْ قَتَلَ وَزَغًا فِي أَوَّلِ ضَرْبَةٍ كُتِبَ لَهُ مِئَةُ حَسَنَةٍ، وَفِي الثَّانِيَةِ دُونَ ذَلِكَ، وَفِي الثَّالِثَةِ دُونَ ذَلِكَ)). رواه مسلم.

قَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ: ((الْوَزَغُ)) الْعِظَامُ مِنْ سَامٍ أَبْرَصَ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی چھپکلی یا گرگٹ کو پہلے وار میں مار دے گا اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی، اور جو دوسرے وار میں مارے گا اس کو اس سے کم نیکیاں ملے گی، اور جو تیسرے وار میں مارے گا اس کو اس سے بھی کم نیکیاں ملیں گی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: جو آدمی چھپکلی یا گرگٹ کو پہلے وار میں مار دے گا اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی، اور جو دوسرے وار میں مارے گا اس کو اس سے کم، اور جو تیسرے وار میں مارے گا اس کو اس سے بھی کم نیکیاں ملیں گی۔

انفادات:- ”أَوْزَاغ“ وَزَغ کی جمع ہے، وَزَغ کے معنی گرگٹ اور چھپکلی ہے۔ عربی میں دونوں کے لیے یہی لفظ بولا جاتا ہے۔ گویا چھپکلی اور گرگٹ دونوں کو مارنے کا یہی حکم ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پھونک تو اُس زمانہ کے گرگٹ نے ماری تھی، پھر اس کی سزا قیامت تک آنے والے گرگٹوں کو کیوں دی جا رہی ہے؟ تو اس کا یہ جواب دیا ہے کہ دراصل اس کا مقصد اس کی خباثتِ طبع کو بتلانا ہے۔

روایتوں میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے جب آگ بھڑکائی جا رہی تھی تو دنیا کے جتنے بھی جانور تھے سب اس کو بجھانے کے لیے آ رہے تھے، سوائے گرگٹ اور چھپکلی کے؛ کہ وہ دونوں اس کو بھڑکانے میں لگے تھے۔ گویا اس حکم سے ان کی طبیعت کے مکینہ پن کو بتلایا جا رہا ہے کہ اس جنس کے اندر ہی خباثت موجود ہے، گویا پوری جنس ہی بگڑی ہوئی ہے، اس لیے حضور اکرم ﷺ نے اس کو مارنے کا حکم فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چھپکلی مارنے کے لیے بھالا رکھا

ایک تابعیہ کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک بھالا تھا، میں نے پوچھا: یہ کیوں رکھا ہے؟ تو کہا کہ: چھپکلی مارنے کے لیے رکھا ہے۔ اس لیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اس کے علاوہ تمام جانور اس کو بجھانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، یہ اس کو بھڑکانے کے لیے پھونک مار رہا تھا۔ (سنن الکبریٰ للنسائی، باب قَتْلُ الْوَرَعِ)

گویا ایسے انداز سے مارو کہ پہلے ہی وار میں کام نہٹ جائے اور جان بچا کر بھاگنے کی نوبت نہ آئے۔

اخلاص سے دیا ہوا صدقہ فائدہ سے خالی نہیں ایک قصہ

۱۸۶۵: - وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله ﷺ قال: ((قَالَ رَجُلٌ لَّا تُصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ سَارِقٍ، فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصَدِّقُ عَلَى سَارِقٍ! فَقَالَ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ لَّا تُصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ زَانِيَةٍ، فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصَدِّقُ اللَّيْلَةَ عَلَى زَانِيَةٍ! فَقَالَ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى زَانِيَةٍ! لَّا تُصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ غَنِيِّ، فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصَدِّقُ عَلَى غَنِيٍّ؟ فَقَالَ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى سَارِقٍ وَعَلَى زَانِيَةٍ وَعَلَى غَنِيٍّ! فَأُتِيَ فَقِيلَ لَهُ: أَمَّا صَدَقَتُكَ عَلَى سَارِقٍ فَلَعَلَّاهُ أَنْ يَسْتَعِفَّ عَنْ سِرِّقَتِهِ، وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّاهَا

تَسْتَعِثُّ عَنْ زَنَاہَا، وَأَمَّا الْعَبْدُ فَلَعَلَّہُ أَنْ یُعْتَبَرَ فِیْ عَفْوَ مَا أُعْطَاہُ اللہُ۔))

(رواہ البخاری بلفظہ ومسلم بمعناہ)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی نے نذر کے طور پر کہا کہ: میں صدقہ کروں گا (یہ اہم سابقہ میں سے کسی کا قصہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جس پر صدقہ کیا جاتا تھا اس کا محتاج اور صالح ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا) چنانچہ وہ اپنی اس نذر اور منت کے مطابق اپنے صدقہ کا مال لے کر نکلا (اب اس نے تو اپنے طور پر اس بات کی کوشش کی کہ جو محتاج اور صالح ہو اسی کو دوں، پھر اپنے طور پر پوری جستجو اور اطمینان کر لینے کے بعد) اس نے وہ صدقہ ایک آدمی کے ہاتھ میں رکھ دیا اور وہ چور تھا (اس کو معلوم نہیں تھا کہ جس کو دے رہا ہوں وہ چور ہے، بلکہ بے خبری میں دیا) جب صبح ہوئی تو لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج تو کوئی آدمی کسی چور کو اپنے صدقہ کا مال دے گیا (لوگوں میں بات چلی تو اس کے کان میں بھی پڑی، وہ سوچنے لگا کہ میں نے بڑی محنت اور سوچ سمجھ کر ایک آدمی کو حقدار اور نیک سمجھ کر صدقہ دیا تھا لیکن وہ تو چور نکلا۔ خیر! جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ یہاں تسلیم و رضا کی کیفیت بھی بتلانی ہے) کہنے لگا: اے اللہ! تیرے ہی لیے ساری تعریف ہے۔ اس نے پھر طے کیا کہ آج میں پھر صدقہ کروں گا، چنانچہ دوسری رات صدقہ کا مال لے کر نکلا، اور ایک عورت کو حقدار سمجھ کر دیا لیکن وہ زانیہ اور بدکار عورت تھی اس کے ہاتھ میں رکھ دیا (یہاں پر اس نے اپنے طور پر اس بات کی کوشش کی تھی کہ صحیح جگہ پر مال پہنچے لیکن پھر اس میں کامیاب نہیں ہوا) جب صبح ہوئی تو لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج رات کوئی آدمی اپنا مال بطور صدقہ ایک بدکار عورت کو دے گیا (اس کے کان میں بھی پڑی کہ آج رات میں نے جو صدقہ کیا وہ ایک بدکار عورت کو پہنچ گیا) کہنے لگا: اے اللہ!

تیرا احسان و شکر اور تیری تعریف ہے اس بات پر کہ میرا صدقہ زانیہ کے ہاتھ میں چلا گیا (یعنی میں اپنا ارادہ پورا نہ کر سکا، تیری جو مرضی تھی وہی ہوا) اس نے پھر طے کیا کہ میں صدقہ کروں گا (در اصل وہ یہ چاہتا تھا کہ اپنا صدقہ صحیح جگہ پر خرچ ہو جائے) چنانچہ وہ اپنا صدقہ لے کر رات کو نکلا اور ایک مالدار آدمی کے ہاتھ میں دے آیا۔ صبح کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج تو کسی نے لکھ پتی کے ہاتھ میں صدقہ کا مال دیدیا (پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آیا اس پر تسلیم و رضا کا اظہار کرتے ہوئے) کہنے لگا: اے اللہ! تیری تعریف ہے اس بات پر کہ میرا صدقہ پہلے چور کے ہاتھ میں گیا، دوسرے دن زانیہ کے ہاتھ میں گیا اور تیسرے دن مالدار کے پاس گیا (اب وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ میرا سارا صدقہ ضائع گیا، اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا) چنانچہ اس کو خواب میں دکھلایا گیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے نے بتایا (کہ تو نے اخلاص کے ساتھ عمل کیا اور اس عمل کو صحیح کرنے کے لیے اپنے طور پر جتنی کوشش ہو سکتی تھی اس میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی، اب چاہے وہ ناحق جگہ پر پہنچ گیا پھر بھی فائدہ سے خالی نہیں) تیرا پہلے دن کا صدقہ جو چور کے ہاتھ میں پہنچا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی چوری سے باز آجائے (یعنی تو اس بات پر کیوں بے چین اور پریشان ہوتا ہے کہ میرا صدقہ صحیح جگہ پر نہیں پہنچا، دراصل وہ بیچارہ چوری اس لیے کرتا تھا کہ محتاج تھا اور مجبوری میں یہ کام کرتا تھا۔ حضراتِ شراح نے لکھا ہے کہ اس جملہ ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس چور کی چوری کی عادت اپنے احتیاج کی وجہ سے تھی۔ گویا اس کو خواب میں بتایا گیا اس کے ہاتھ میں تیرا صدقہ پہنچا اور اس کی حاجت پوری ہو گئی تو بھلا وہ کیوں چوری کرے گا؟ گویا تیرا یہ صدقہ چور کے لیے چوری سے بچاؤ کا سبب ہوا۔) اسی طرح بدکار عورت جو بدکاری کرتی تھی، اب امید ہے کہ وہ اپنی بدکاری سے باز آجائے گی (یعنی وہ اپنی احتیاج، اور

فقر و فاقہ کی وجہ سے زنا کرتی تھی، اس کے پاس مال نہیں تھا اور کوئی ذریعہ معاش بھی نہیں تھا، اس لیے بدرجہ مجبوری اس سے یہ حرکت صادر ہوتی تھی، جب تیرے صدقہ کا مال اس کے ہاتھ میں پہنچ گیا تو وہ یہ کام نہیں کرائے گی (رہا وہ مالدار؛ تو امید ہے کہ وہ عبرت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ نے جو مال اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے) (وہ مالدار ہونے کے باوجود اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا تھا، آج تیرا صدقہ جب غیر اختیاری طور پر اس کے ہاتھ میں پہنچا، تو اس کو بھی سبق ملے گا اور عبرت ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیں گے۔ اس کے دل پر چوٹ لگے گی کہ ایک آدمی تو اپنا صدقہ چھپا کر میرے جیسے مالدار کے ہاتھ میں دے گیا اور میں مالدار ہونے کے باوجود ان چیزوں کا اہتمام نہیں کرتا)۔

افادات:- اس روایت کو حضرات محدثین امام بخاری، امام مسلم وغیرہ کتاب الزکوٰۃ میں اس جگہ لاتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنا زکوٰۃ کا مال کسی ایسے آدمی کو حقدار سمجھ کر دیدے جو حقیقت میں زکوٰۃ کا حقدار نہ ہو، جیسے: کسی کو غریب سمجھ کر زکوٰۃ کا مال دیا، اور اپنے طور پر اطمینان حاصل کر لیا تھا کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے، بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو مالدار تھا؛ تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ عام طور پر حضرات محدثین اس روایت کو اسی بیان میں لاتے ہیں۔

اور حضرات محدثین نے اس روایت سے جو نتائج نکالے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ اس آدمی کی اس صفت تسلیم و رضا کو بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ معاملہ اس کے ساتھ پیش آیا، اس میں اس نے بے قراری، بے چینی اور ناراضگی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ کہا کہ میں نے تو اپنے طور پر کوشش کر ڈالی تھی کہ جو اس کا صحیح حقدار ہے اس کے ہاتھ میں جائے، لیکن میں اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہو پایا، تو یہی

قدرت والا ہے، تو نے جو چاہا وہ ہو گیا۔ مومن کی شان یہی ہونی چاہیے کہ ایک آدمی اپنے طور پر ایک کام کرنے کے لیے چلا اور اپنے طور پر اس نے پوری کوشش کر ڈالی، جو اسباب و وسائل ہو سکتے تھے اس نے اختیار کر لیے، پھر بھی وہ کام نہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہے۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی کو صدقہ چھپ کر اور اخلاص کے ساتھ کرنا چاہیے، اس کے ثمرات و فوائد ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تیرے اس عمل میں تو نے اگرچہ اپنے طور پر پوری کوشش کی پھر بھی صدقہ صحیح جگہ پر نہیں پہنچا سکا، لیکن جہاں پہنچا ہے وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں۔

قصہ شفاعت درمیدان قیامت

۱۸۶۶: - وعنه قال: كَتَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي دَعْوَةٍ فَرَفَعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ، وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ، فَتَهَسَّ مِنْهَا تَهَسَّةً وَقَالَ: أُنَاسِيْدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، هَلْ تَدْرُونَ مِمَّ ذَاكَ؟ يَجْمَعُ اللَّهُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ، فَيُبْصِرُ، هُمُ الذَّاظِرُ، وَيُسَبِّعُهُمُ الدَّاعِي، وَتَدْنُو مِنْهُمْ الشَّمْسُ، فَيَبْلُغُ الدَّاسِ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا يَحْتَمِلُونَ، فَيَقُولُ الدَّاسُ: أَلَا تَرَوْنَ مَا أَنْتُمْ فِيهِ إِلَى مَا بَلَّغَكُمْ، أَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ؟ فَيَقُولُ بَعْضُ الدَّاسِ لِبَعْضٍ: أَبُوكُمْ أَدَمُ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُونَ: يَا أَدَمُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، وَأَسْكَنْكَ الْجَنَّةَ، أَلَا تَشْفَعُ لَنَا إِلَى رَبِّكَ؟ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ وَمَا بَلَّغْنَا؟ فَقَالَ: إِنَّ رَبِّي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا

لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُ،
نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ، فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ:
يَا نُوحُ، أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ، وَقَدْ سَمِعْنَاكَ اللَّهُ عَبْدًا شَكُورًا، أَلَا تَرَى
إِلَى مَا مَآخِضُ فِيهِ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا بَلَّغْنَا، أَلَا تَشْفَعُ لَنَا إِلَى رَبِّكَ؟ فَيَقُولُ: إِنَّ رَبِّي غَضِبَ
الْيَوْمَ غَضِبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي
دَعْوَةٌ دَعَوْتُ بِهَا عَلَى قَوْمِي، نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى
إِبْرَاهِيمَ، فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ: يَا إِبْرَاهِيمُ، أَنْتَ نَبِيُّ اللَّهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ
أَهْلِ الْأَرْضِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا مَآخِضُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ لَهُمْ: إِنَّ رَبِّي
قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضِبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنِّي
كُنْتُ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ، نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا
إِلَى مُوسَى، فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُونَ: يَا مُوسَى، أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ، فَضَّلَكَ اللَّهُ بِرِسَالَتِهِ
وَبِكَلَامِهِ عَلَى النَّاسِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا مَآخِضُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ: إِنَّ
رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضِبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ،
وَإِنِّي قَدْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أَوْمَرْ بِقَتْلِهَا، نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي،
اذْهَبُوا إِلَى عِيسَى، فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُونَ: يَا عِيسَى، أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ
الْقَاهَا إِلَى مَرِيَمَ وَرُوحٍ مِنْهُ، وَكَلِمَتُ النَّاسِ فِي الْمَهْدِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى
إِلَى مَا مَآخِضُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ عِيسَى: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضِبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ
مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ ذَنْبًا، نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اذْهَبُوا إِلَى
غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ ﷺ.

وفی رواية: فَيَأْتُونِي فَيَقُولُونَ: يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَأَنْطَلِقُ فَأَتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقْعُ سَاجِدًا لِرَبِّي، ثُمَّ يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهِ، وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَى أَحَدٍ قَبْلِي، ثُمَّ يُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهُ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي، فَأَقُولُ: أُمِّتِي يَا رَبِّ، أُمِّتِي يَا رَبِّ، أُمِّتِي يَا رَبِّ، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ ادْخُلْ مِنْ أُمِّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ مِنْ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، وَهُمْ سُوءُ كَأْءِ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ. ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ مَا بَيْنَ الْبَصَرِ أَعْيُنٍ مِنْ مَصَارِيحِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرَ، أَوْ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرَى. (متفق عليه)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک دعوت میں شریک ہوئے، آپ ﷺ کی خدمت میں دست کا گوشت پیش کیا گیا، اور حضور اکرم ﷺ کو دست کا گوشت بہت مرغوب اور پسند تھا، نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنے دانتوں سے توڑا (یعنی گوشت نوش فرما رہے تھے) اسی دوران ارشاد فرمایا: میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوؤں گا۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ میری سرداری اور سیادت کا ظہور کیسے ہوگا؟ (یعنی میری سرداری کا لوگوں کو پتہ کیسے چلے گا؟ وہ اس طرح سے کہ) قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اگلے اور پچھلے (یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے) تمام انسانوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا (وہ سب ایسے میدان میں ہوں گے کہ) دیکھنے والا سب کو ایک نظر میں دیکھ سکے گا، اور پکارنے والا اپنی آواز سب کو سنا سکے گا، اور سورج بالکل قریب ہوگا جس کی وجہ سے لوگ تکلیف اور پریشانی میں اس انتہا کو پہنچ جائیں گے کہ لوگوں میں

اس کی نہ طاقت ہوگی اور نہ برداشت کر سکیں گے (لوگ اسی طرح کھڑے ہوں گے اور کچھ کارروائی نہیں ہو رہی ہوگی۔ جب اسی پریشانی، کلفت و مشقت اور تکلیف کے عالم میں ایک لمبا وقت گزر جائے گا تو لوگ آپس میں کہیں گے) کیا دیکھتے نہیں ہو کہ تم سب کس تکلیف کے عالم میں مبتلا ہو؛ چلو! کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے سفارش کرے (بعض روایتوں میں آتا ہے کہ لوگ کہیں گے: یہ انتظار کب تک رہے گا، حساب کا سلسلہ شروع ہونا چاہیے؛ چاہے کچھ بھی فیصلہ ہو۔ پھر چرچا کریں گے کہ ایسا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں درخواست کرے کہ حساب و کتاب کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے: ہمارے جد امجد اور ابا حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، ان کے پاس جا کر درخواست کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ ہمارے حساب و کتاب کا سلسلہ شروع کیا جائے) چنانچہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے آدم! آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو براہ راست اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ کے اندر روح ڈالی، پھر فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت کے اندر ٹھہرایا (جب کسی آدمی سے اپنی کوئی درخواست کی جاتی ہے اور اپنا کام نکالنا ہوتا ہے تو اس کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں کہ آپ تو ایسے ایسے ہیں، ذرا ہمارا کام کر دیجئے۔ اسی طرح یہاں بھی لوگ وہی کریں گے کہ آپ کی یہ ساری خوبیاں و کمالات اور خصوصیتیں ہیں) کیا آپ پروردگار کے حضور ہمارے لیے سفارش نہیں کریں گے؟ (کہ ہمارے حساب و کتاب کا سلسلہ شروع کیا جائے) آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس قدر تکلیف اور مشقت میں پہنچ چکے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام جواب میں فرمائیں گے: میرا رب آج ایسا غضبناک ہوا ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غضبناک ہوا تھا، اور نہ آئندہ ایسا

غضبناک ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں ایک درخت کے قریب جانے سے منع کیا تھا لیکن میں نے اس حکم پر عمل نہیں کیا، آج تو مجھے اپنی فکر ہے، مجھے اپنی فکر ہے، مجھے اپنی فکر ہے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ (یعنی میں اگر یہ بات لے کر گیا اور مجھ ہی سے سوال ہو گیا کہ تم کو ایک بات کہی گئی تھی، تم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ جب کہیں سفارش کا معاملہ آتا ہے تو آدمی ایسا سب سوچتا ہے۔ اور حضراتِ انبیاء اللہ تعالیٰ کے شمنوں سے جتنا واقف ہوتے ہیں، دوسرا کون ہو سکتا ہے؟ اور جو آدمی کسی کا جتنا زیادہ مقرب ہوتا ہے، وہ اس سے اتنا ہی زیادہ ڈرتا ہے) تم لوگ حضرت نوح کے پاس جاؤ، چناں چہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: اے نوح! آپ زمین والوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے رسول ہیں، اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے شکر گزار بندہ کے لقب سے نوازا ہے۔ آپ دیکھتے نہیں ہے کہ ہم کس تکلیف میں ہیں، ہماری مشقت کس انتہا کو پہنچ چکی ہے؟ کیا آپ اپنے پروردگار کے حضور ہمارے لیے سفارش نہیں کریں گے؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے: میرا پروردگار آج ایسا غضبناک ہوا ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غضبناک ہوا، اور نہ آئندہ کبھی ایسا غضبناک ہوگا، مجھ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری ایک دعا قبول ہوگی، میں نے اس دعا کو اپنی قوم کی ہلاکت میں استعمال کر لیا (گویا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس سلسلہ میں مجھ سے پوچھ نہ ہو جائے) آج تو مجھے اپنی جان کی فکر ہے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے، کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ (ایسا کرو) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ چناں چہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی ہیں اور زمین والوں میں سے اس کے خلیل و دوست ہیں، آپ اپنے پروردگار سے ہمارے لیے سفارش کیجئے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کیسی تکلیف میں ہیں؟ حضرت

ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: آج میرا رب ایسا غضبناک ہوا ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غضبناک ہوا تھا، اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غضبناک ہوگا۔ اور میں نے تین جھوٹ بولے تھے، آج تو مجھے اپنی جان کی فکر ہے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ (ایک کام کرو) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ اب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے آپ کے ساتھ کلام فرما کر دوسروں کے مقابلہ میں آپ کو فضیلت دی، آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کیجئے ہم کس تکلیف میں ہیں وہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی وہی جواب دیں گے کہ: آج میرا پروردگار ایسا غضبناک ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غضبناک ہوا، اور نہ آج کے بعد ایسا غضبناک ہوگا، اور میں نے ایک جان کو مار دیا تھا جس کی مجھے اجازت نہیں تھی (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبیلے کو گھونسا مارا تھا، اگرچہ اس کو مار ڈالنے کا ارادہ نہیں تھا، لیکن اس کے نتیجہ میں اس کی موت واقع ہو گئی تھی) مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے، مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے، مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ (ایک کام کرو) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ کے کلمہ کن ہیں جو اللہ نے حضرت جبرئیل کے ذریعہ حضرت مریم کے اندر ڈالا تھا، اور اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی مخصوص روح ہیں، آپ نے گوارہ میں لوگوں سے بات کی (یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے) آپ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس تکلیف میں ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب میں فرمائیں گے: میرا رب آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غضبناک ہوا، اور نہ اس کے بعد کبھی ایسا غضبناک ہوگا۔ راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی کسی کوتاہی کا تذکرہ نہیں کیا (لیکن بعض روایتوں میں اس کا تذکرہ آتا ہے کہ وہ کہیں گے: لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری اور ماں کی عبادت کرنی شروع کر دی تھی) آج تو مجھے میری جان کی فکر ہے، میری جان کی فکر ہے، میری جان کی فکر ہے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، (ایک کام کرو) حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ (حضور ﷺ فرماتے ہیں) اس کے بعد لوگ میرے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ: آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف کر دی ہیں، آپ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس تکلیف میں ہیں۔ لوگوں کی یہ بات سن کر میں چلوں گا، اور عرش کے نیچے آؤں گا اور اپنے رب کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا اور اس وقت اللہ تعالیٰ مجھ پر حمد و ثنا کے ایسے ایسے کلمات کھولیں گے جو مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کھولے گئے اور اللہ تعالیٰ کی خوبیاں اور کمالات اور اس کی حمد و ثناء ایسے ایسے الفاظ میں بیان کروں گا کہ آج تک ان الفاظ میں کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان نہیں کی (جب دیر تک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتا رہوں گا) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سراٹھائیے، آپ سوال کیجئے؛ آپ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ آپ سفارش کیجئے؛ آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ چنانچہ میں اپنا سراٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت۔ اے رب! میری امت۔ میری اس عرض پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنی امت میں سے جن پر حساب نہیں، ان کو جنت کی داہنی طرف کے دروازہ سے داخل کیجئے (امت کے ایسے افراد ستر ہزار ہوں گے جن کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل کیا جائے گا) اور آپ کی امت کے لوگ اور لوگوں کے ساتھ دوسرے دروازوں سے داخل ہونے میں شریک ہوں گے (یعنی جنت کے دوسرے دروازوں سے جہاں اور امتیں داخل ہوں گی وہاں آپ کی امت کے لوگ بھی داخل

ہوں گے، لیکن دائیں طرف کا دروازہ تو آپ کی امت کے لیے ہی مخصوص ہے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، جنت کے دو کواڑوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا مکہ مکرمہ اور ہجر کے درمیان میں ہے، یا جتنا فاصلہ مکہ مکرمہ اور بُصریٰ کے درمیان ہے (ہجر؛ یمن کا شہر تھا، جہاں کے منگے مشہور تھے۔ اور بُصریٰ؛ شام کا ایک شہر ہے۔)

انفادات:- اس روایت سے مندرجہ ذیل مضامین مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ اگر چاہتے تو لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی جاسکتی تھی کہ اول وہلہ ہی میں حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچ جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوگا، وہ دراصل اس لیے کہ میری سیادت اور سرداری کا ظہور ہو کہ جو کام کوئی نہ کر سکا وہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے کروائیں گے۔

(۲) بکرے کے اگلے جو دو پیر ہوتے ہیں، جیسے آدمی کے آگے کے دو ہاتھ ہوتے ہیں، اس کو اردو میں دست، اور عربی ”ذراع“ کہتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کو دست کا گوشت بڑا مرغوب تھا۔ اور اس کے مرغوب ہونے کی ایک وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ جلدی سے گل جاتا ہے، ویسے نبی کریم ﷺ کو ہمیشہ گوشت میسر نہیں آتا تھا جب میسر آ جاتا تو تقاضہ ہوتا تھا کہ جلدی سے تیار ہو جائے۔

اور دوسری وجہ یہ بھی بتلائی جاتی ہے کہ یہ حصہ غلاظت کی جگہ سے دور ہوتا ہے، اس معنیٰ کہ اس کی لذت بھی دوسرے حصوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے، اس لیے حضور ﷺ کو زیادہ مرغوب تھا۔ غزوہ خیبر کے موقع پر ایک یہودیہ نے ایک بکری بھون کر اس میں زہر ملا کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھی، تو اس نے دست والے حصہ ہی میں زیادہ زہر یہی سوچ کر ملا یا تھا کہ آپ کو یہ گوشت زیادہ مرغوب ہے،

اس لیے آپ پہلے اسی کو نوش فرمائیں گے۔

(۳) ”سورج بالکل قریب ہوگا“ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک میل قریب ہوگا۔ اب ”میل“ سے کیا مراد ہے؟ اس لیے کہ عربی زبان میں سرمہ دانی کے سلائی کو بھی ”میل“ کہتے ہیں، اور مخصوص فاصلہ کے لیے بھی لفظِ میل بولا جاتا ہے۔ اور راوی بھی کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کون سا میل مراد ہے۔ اس لیے اگر فاصلہ ہی مراد ہو تب بھی اس کی پیش بہت تیز ہوگی، اس لیے کہ دنیا میں سورج زمیں سے ۹ کروڑ ۳۳ لاکھ میل دور ہے، اس کے باوجود اس کی تیزی کا حال یہ ہے کہ گرمی کے دنوں میں اس کی پیش کی وجہ سے لوگ بدحواس ہو جاتے ہیں؛ تو جب وہ صرف ایک میل دور ہوگا تو اس وقت لوگوں کی کلفت اور مشقت کا کیا عالم ہوگا!

(۴) ”شکر گزار بندہ“ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ السلام کے متعلق قرآن پاک میں ہے: ”إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا“ وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ جب بھی وہ کوئی نعمت استعمال کرتے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے، جیسے: کھانا کھاتے تو کہتے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي، وَلَوْ شَاءَ أَجَاعَنِي“ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے کھلایا، اگر وہ چاہتا تو بھوکا رکھتا۔ جب پانی پیتے تو کہتے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي سَقَانِي، وَلَوْ شَاءَ أَطْمَأَنَّنِي“ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے پانی پلایا، اگر وہ چاہتا تو پیاسا رکھتا۔ جب لباس پہنتے تو کہتے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي، وَلَوْ شَاءَ أَعْرَانِي“ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے لباس پہنایا، اگر وہ چاہتا تو ننگا رکھتا۔ جوتا پہنتے تو کہتے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي حَذَّانِي، وَلَوْ شَاءَ أَحْفَانِي“ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے جوتا پہنایا، اگر وہ چاہتا تو ننگے پیر رکھتا۔ اور قضائے حاجت کے بعد کہتے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَخْرَجَ

عَبَّيْ أَدَاكَ، وَلَوْ شَاءَ حَبَسَهُ، اللہ کا شکر ہے جس نے تکلیف دہ چیز کو مجھ سے نکال دیا، اگر وہ چاہتا تو اس کو اندر ہی روک دیتا۔ (جامع البیان فی تفسیر القرآن للطبری: سورۃ بنی اسرائیل) گویا وہ ہر کام پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتے تھے اس لیے ان کو ”عَبْدًا شَكُورًا“ شکر گزار بندہ کہا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توریہ کے تین واقعات

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے متعلق جو فرمایا کہ میں نے تین باتیں کذب کے قبیل سے کہی تھیں۔ اس کے متعلق حضرت اشترؑ ارح نے لکھا ہے کہ حقیقت میں وہ باتیں جھوٹ نہیں تھیں، بلکہ تعریض و توریہ کے قبیل سے تھیں۔ ان میں سے دو کا تذکرہ تو قرآن پاک میں ہے:

(الف) پہلی یہ کہ ان کی قوم تہوار منانے کے لیے آبادی سے باہر جا رہی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو، اور چوں کہ ان کی قوم نجوم کو مانتی تھی ”فَنَظَرْنَا نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ“ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا: میں بیمار ہوں۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عذر کر دیا، وہ لوگ یوں سمجھے کہ ستارے دیکھ کر ان کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وہ بیمار ہونے والے ہیں، اس لیے معذرت کر رہے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے پر مجبور نہیں کیا اور معذور سمجھ کر چھوڑ دیا۔ تو یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ”إِنِّي سَقِيمٌ“ کہنا بطور توریہ تھا۔

توریہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ایک بات کہہ کر اس کا ایسا مطلب مراد لے جو اس کے نزدیک درست ہو، لیکن سننے والے کے ذہن میں اس جملے کا کوئی قریبی مطلب آئے، حالاں کہ بولنے والے کی مراد وہ نہ ہو؛ اس کو توریہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ: یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو ”سَقِیْمُ الْحَجَّةِ“ کہا تھا کہ میں تمہیں اپنی بات سمجھانے سے قاصر ہوں۔ اگر میں تم لوگوں سے یوں کہوں کہ تم لوگ جو تہوار منانے کے لیے حبار ہے ہو، وہاں بتوں کی پرستش کرو گے، اور غیر اللہ کی عبادت کرو گے، اور یہ حرام کام ہے اس لیے وہاں مت جاؤ، تو تم لوگ میری بات نہیں مانو گے۔ گویا اپنی بات کو پوری طرح سمجھانے سے میں قاصر ہوں۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ: ”سَقِیْمُ“ سے مراد یہ نہیں ہے کہ ”ابھی بیمار ہوں“ بلکہ بیمار ہونے والا ہوں۔ اس لیے کہ عربی زبان میں اسم فاعل کا صیغہ جیسے حال کی خبر دینے کے لیے آتا ہے، وہیں مستقبل کی خبر دینے کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے: کوئی یوں کہے: ”إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى كَذَا“ میں فلاں جگہ جانے والا ہوں، یعنی ابھی نہیں، بلکہ آئندہ کبھی جاؤں گا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ”إِنِّي سَقِیْمٌ“ میں بیمار ہونے والا ہوں، اور ظاہر ہے کہ آدمی کو موت تک کوئی نہ کوئی بیماری پیش آتی ہی ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس وقت واقعاً حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار تھے، ان کو بخار تھا۔ اور حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوئی آدمی مکمل طور پر صحت مند ہوتا ہی نہیں ہے، اس کو کوئی نہ کوئی معمولی ساعارضہ ہوتا ہی ہے، جس کی بنیاد پر وہ اپنے آپ کو بیمار کہہ سکتا ہے۔

در اصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جو معرفت و قرب تھی اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کا جو قرب حاصل تھا اس کی وجہ سے ان کی طبیعت پر گویا ایک قسم کا خوف طاری تھا اس

لیے وہ اس تور یہ و تعریض کو بھی جھوٹ سے تعبیر فرما رہے ہیں، حالاں کہ حقیقت میں وہ جھوٹ نہیں تھا۔

(ب) دوسرا موقعہ جس کو انہوں نے جھوٹ سے تعبیر کیا، وہ یہ ہے کہ: جب وہ لوگ تہوار میں چلے گئے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام رک گئے، اب ان کو تو ایک کام انجام دینا تھا کہ وہ بت خانوں کے بتوں کو توڑنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ ان کے بت خانہ میں گئے، وہاں کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: کیوں کھاتے پیتے نہیں ہو؟ ظاہر ہے کہ کوئی جواب نہیں مل سکتا تھا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ دیا اور جو سب سے بڑا بت تھا اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھ دیا۔ جب لوگ تہوار منا کر واپس لوٹے اور یہ منظر دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ کام ابراہیم ہی کا ہے، اس لیے انہی سے پوچھا: یہ سب کس نے کیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: بَلْ فَعَلَهُ كَبِئُؤُهُمْ هَذَا، بلکہ ان کے اس بڑے بت نے کیا۔ حالاں کہ کرنے والے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی تھے، پھر بھی اس بڑے بت کی طرف نسبت کی۔

اس کی وجہ علامہ زنجبیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جملہ بطور تمسخر اور مذاق اڑانے کے تھا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیے: آپ بہت عمدہ خطاط (کاتب) اور بہترین رائٹر ہیں، آپ نے کوئی تحریر تیار کی، آپ کا کوئی ایسا دوست جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا وہ آپ سے پوچھے کہ: یہ آپ نے لکھا ہے؟ اور آپ اس کے جواب میں کہیں: جی نہیں! بلکہ آپ نے لکھا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کو ایسا کہہ کر اپنی طرف سے نفی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ ایک طرح کا تمسخر اور اس کی مذاق مقصود ہوا کرتی

ہے کہ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے ہی لکھا ہے۔ اسی طریقہ سے یہاں بھی ہے کہ جب لوگوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا معاملہ تو نے کیا؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جواب میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ: اس میں پوچھتے کیا ہو؟ یہ میرا ہی کیا ہوا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام بطریقہ الزام کہہ رہے ہیں کہ: اگر آپ لوگ تحقیق کرنا چاہتے ہو کہ یہ کس نے کیا؟ تو میں الزام کے طور پر یوں کہوں گا کہ اس بڑے نے ہی یہ سب کیا ہے۔ اس لیے کہ دنیا کا دستور ہے کہ بڑا سانپ چھوٹے سانپ کو اور بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جایا کرتی ہے۔ بڑا بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو ہڑپ کیا کرتا ہے؛ اسی طرح اس بڑے نے دوسرے چھوٹے بتوں کو توڑ دیا ہے۔ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ یہ کام میں نے کیا؟ گویا بطور خبر نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ بطور الزام کہہ رہے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اسی سے پوچھ لو، اگر وہ بولتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں بول سکتے۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو خاموش کر دیا۔

(ج) تیسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ کو لے کر ایک ملک سے گزر رہے تھے تو وہاں کا بادشاہ بڑا ظالم تھا، اس کو جب معلوم ہوتا کہ کسی کی بیوی حسین و جمیل ہے، تو اس کو چھین لیا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب وہاں سے گزر رہے تھے اور حضرت سارہ بڑی حسین و جمیل تھیں، اس بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ وہ جب تمہارے متعلق پوچھے گا تو میں بتاؤں گا کہ یہ میری بہن ہے، تم میری اس بات کی تردید مت کرنا۔ چوں کہ اس وقت روئے زمین پر

اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا میرے اور تمہارے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے، اس اعتبار سے گویا تم میری دینی اور ایمانی بہن بھی ہو۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو ”هَذِهِ أُخْتِي“ کہا تھا، یہ تو یہ تھا کہ یہ میری دینی و ایمانی بہن ہے۔

(۶) ”يَا زَبَّ أُمَّتِي“ بعض حضرات نے ایک اشکال پیدا کیا ہے کہ: جب سبھی لوگ اپنی پریشانی رفع کرنے کی سفارش کرنے کی درخواست لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی امت ہی کو کیوں یاد فرمایا؟ تو اس کا جواب بعض لوگوں نے یہ دیا کہ: دیگر حضرات انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو نبوت ملی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہی سے ملی، گویا ان کی امتیں بھی بالواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امت ہیں، اس معنی کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف امت محمدیہ مراد نہیں لی، بلکہ تمام انسانیت کو مراد لیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دوسری روایتوں میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باری تعالیٰ سے پہلے تو مطلقاً حساب و کتاب شروع کرنے کے سلسلہ میں عرض کریں گے، اور اللہ تعالیٰ آپ کی وہ عرض قبول فرمائیں گے، اس کے بعد آپ دوبارہ سجدہ میں جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کریں گے اور اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے سفارش فرمائیں گے۔ گویا راوی نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے کہ آپ کی امت کی سفارش کرنے والے الفاظ تو بیان کئے ہیں، اور پوری انسانیت کے لیے آپ نے جو سفارش فرمائی تھی۔ کہ ان کے حساب و کتاب کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس کو حذف کر دیا ہے۔

(۷) جنت کے دو کواڑوں کے درمیان کے فاصلے روایتوں میں مختلف بیان

کئے گئے ہیں، اس کی توضیح یہ کی گئی ہے کہ مجلس میں کئی قسم کے لوگ ہوتے تھے، کبھی یمن کی طرف کے رہنے والے لوگ موجود تھے تو ان کو سمجھانے کے لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جتنا فاصلہ مکہ مکرمہ اور ہجر کے درمیان ہے۔ اور کبھی شام کے علاقہ کے لوگ تھے تو ان کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ جتنا فاصلہ مکہ مکرمہ اور بصری کے درمیان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھرانے کی قربانیوں کی تاریخ

۱۸۶۷:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما، قَالَ: جَاءَ إِبْرَاهِيمَ ۑ

بِأُمِّ إِسْمَاعِيلَ وَبِابْنَيْهَا إِسْمَاعِيلَ وَهِيَ تُرْضِعُهُ حَتَّى وَضَعَهَا عِنْدَ الْبَيْتِ، عِنْدَ دَوْحَةٍ فَوْقَ زَمْرَمَ فِي أَعْلَى الْمَسْجِدِ، وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ، وَلَيْسَ بِهَامَاءَ، فَوَضَعَهَا هُنَاكَ، وَوَضَعَ عِنْدَهُمَا جِرَابًا فِيهِ تَمْرٌ، وَسِقَاءٌ فِيهِ مَاءٌ، ثُمَّ قَفَى إِبْرَاهِيمُ مُنْطَلِقًا، فَتَبِعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ فَقَالَتْ: يَا إِبْرَاهِيمُ، أَيْنَ تَذْهَبُ وَتَتْرُكُنَا فِي هَذَا الْوَادِي الَّذِي لَيْسَ فِيهِ أُنْيَسٌ وَلَا شَيْءٌ؟ فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ مِرَارًا، وَجَعَلَ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا، قَالَتْ لَهُ: اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَتْ: إِذَا لَا يُضِيعُنَا؛ ثُمَّ رَجَعَتْ، فَانْطَلَقَ إِبْرَاهِيمُ ۑ، حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ الثَّنِيَّةِ حَيْثُ لَا يَرَوْنَهُ، اسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الْبَيْتَ، ثُمَّ دَعَا بِهَوْلَاءِ الدَّعَوَاتِ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: {رَبِّ إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ حَتَّى بَلَغَ {يَشْكُرُونَ} وَجَعَلْتَ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تُرْضِعُ إِسْمَاعِيلَ وَتَشْرَبُ مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ، حَتَّى إِذَا نَفِدَ مَا فِي السِّقَاءِ عَطِشْتُ، وَعَطِشَ ابْنُهَا، وَجَعَلْتُ تَنْظُرُ إِلَيْهِ يَتَلَوَّى- أَوْ قَالَ يَتَلَبَّطُ- فَانْطَلَقْتُ كَرَاهِيَةً أَنْ تَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَوَجَدْتُ الصَّفَا أَقْرَبَ جَبَلٍ فِي الْأَرْضِ يَلِيهَا، فَقَامْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ اسْتَقْبَلْتُ الْوَادِي تَنْظُرُ هَلْ تَرَى أَحَدًا؟

عِنْدَاكِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، وَلَكِنْ لَأَحَقُّ لَكُمْ فِي الْمَاءِ، قَالُوا: نَعَمْ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((فَأَلْفَى ذَلِكَ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، وَهِيَ مُحِبُّ الْأَنْسِ)) فَزَلُّوا، فَأَرْسَلُوا إِلَى أَهْلِهِمْ فَزَلُّوا مَعَهُمْ، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِهَا أَهْلَ أَبْيَاتٍ وَشَبَّ الْغُلَامُ وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ، وَأَنْفَسَهُمْ وَأَعْجَبَهُمْ حِينَ شَبَّ، فَلَمَّا أَدْرَكَ زَوْجُهُ أَمْرًا مِنْهُمْ: وَمَاتَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، فَجَاءَ إِبْرَاهِيمُ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ إِسْمَاعِيلُ يُطَالِعُ تَرَكْتُهُ، فَلَمْ يَجِدْ إِسْمَاعِيلَ، فَسَأَلَ امْرَأَتَهُ عَنْهُ فَقَالَتْ: خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا - وَفِي رِوَايَةٍ: يَصِيدُ لَنَا - ثُمَّ سَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ، فَقَالَتْ: نَحْنُ بِشَرٍّ، نَحْنُ فِي ضَيْقٍ وَشِدَّةٍ، وَشَكْتُ إِلَيْهِ، قَالَ: فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكَ اقْرَأْ عَلَيَّ السَّلَامَ، وَقُولِي لَهُ يُغَيِّرُ عَتَبَةَ بَابِهِ. فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ كَأَنَّهُ أَنْسٌ شَيْئًا، فَقَالَ: هَلْ جَاءَ كُمْ مِنْ أَحَدٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، جَاءَ نَاشِئٌ كَذَا وَكَذَا، فَسَأَلْنَا عَنْكَ فَأُخْبِرْتُهُ، فَسَأَلَنِي: كَيْفَ عَيْشُنَا فَأُخْبِرْتُهُ أَتَأْتِي جَهْدًا وَشِدَّةً. قَالَ: فَهَلْ أَوْصَاكِ بِشَيْءٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ السَّلَامَ، وَيَقُولُ: غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ، قَالَ: ذَاكَ أَبِي وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أَفَارِقَكَ! الْحَقُّ بِأَهْلِكَ. فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرَى، فَلَبِثَ عَنْهُمْ إِبْرَاهِيمُ مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ أَتَاهُمْ بَعْدَ فَلَمْ يَجِدْهُ، فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَتِهِ فَسَأَلَ عَنْهُ، قَالَتْ: خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا قَالَ: كَيْفَ أَنْتُمْ؟ وَسَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ، فَقَالَتْ: نَحْنُ بِجِدٍّ وَسَعَةٍ، وَأَثْنْتُ عَلَى اللَّهِ. فَقَالَ: مَا طَعَامُكُمْ؟ قَالَتْ: اللَّحْمُ، قَالَ: فَمَا شَرُّ ابْنِكُمْ؟ قَالَتْ: الْمَاءُ، قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي اللَّحْمِ وَالْمَاءِ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ حَبٌّ وَلَوْ كَانَ لَهُمْ دَعَا لَهُمْ فِيهِ. قَالَ: فَهَمَّا لَا يَجْلُو عَلَيْهِمَا أَحَدٌ بِغَيْرِ مَكَّةَ إِلَّا لَمْ يَوْافِقَاهُ.

وَفِي رِوَايَةٍ: فَجَاءَ فَقَالَ: أَيُّنَ إِسْمَاعِيلُ؟ فَقَالَتْ امْرَأَتُهُ: ذَهَبَ يَصِيدُ؛ فَقَالَتْ امْرَأَتُهُ: أَلَا تَنْزِلُ، فَتَطْعَمَ وَتَشْرَبَ؟ قَالَ: وَمَا طَعَامُكُمْ وَمَا شَرَابُكُمْ؟ قَالَتْ: طَعَامُنَا اللَّحْمُ وَشَرَابُنَا الْمَاءُ، قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي طَعَامِهِمْ وَشَرَابِهِمْ. قَالَ: فَقَالَ أَبُو الْقَاسِمِ عليه السلام: بَرَكَتُهُ دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ. قَالَ: فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكَ فَأَقْرِئْ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَمُرِّ بِهِ يُعَذِّبُ عَتَبَةَ بَابِهِ. فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ قَالَ: هَلْ أَتَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَتَانَا شَيْخٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ، وَأَثْنْتُ عَلَيْهِ، فَسَأَلَنِي عَنْكَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَسَأَلَنِي كَيْفَ عَيْشُنَا فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّا بِخَيْرٍ. قَالَ: فَأَوْصَاكِ بِشَيْءٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَأْمُرُكَ أَنْ تُثَبِّتَ عَتَبَةَ بَابِكَ. قَالَ: ذَاكَ أَبِي، وَأَنْتِ الْعَتَبَةُ، أَمَرَنِي أَنْ أُمْسِكَ. ثُمَّ لَبِثَ عَنْهُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذَلِكَ وَإِسْمَاعِيلُ يَبْرِي نَبْلًا لَهُ تَحْتَ دُوْحَةٍ قَرِيبًا مِنْ زَمْزَمَ. فَلَمَّا رَأَى الْقَامَ إِلَيْهِ، فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ وَالْوَلَدُ بِالْوَالِدِ. قَالَ: يَا إِسْمَاعِيلُ، إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِأَمْرٍ، قَالَ: فَاصْنَعْ مَا أَمَرَكَ رَبُّكَ؟ قَالَ: وَتُعِينَنِي، قَالَ: وَأُعِينُكَ، قَالَ: فَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ بَيْتًا هَاهُنَا، وَأَشَارَ إِلَى أَكْبَةِ مُزْتَفَعَةٍ عَلَى مَا حَوْلَهَا، فَعِنْدَ ذَلِكَ رَفَعَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ. فَجَعَلَ إِسْمَاعِيلُ يَأْتِي بِالْحِجَارَةِ وَإِبْرَاهِيمُ يَبْنِي حَتَّى إِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ، جَاءَ بِهَذَا الْحَجَرِ فَوَضَعَهُ لَهُ فَقَامَ عَلَيْهِ، وَهُوَ يَبْنِي وَإِسْمَاعِيلُ يَنَاولُهُ الْحِجَارَةَ وَهُمَا يَقُولَانِ: {رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ} (البقرة: ۱۲۴).

وَفِي رِوَايَةٍ: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَرَجَ بِإِسْمَاعِيلَ وَأُمِّ إِسْمَاعِيلَ، مَعَهُمْ شَنَّةٌ فِيهَا مَاءٌ، فَجَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تَشْرَبُ مِنَ الشَّنَّةِ فَيَدْرُ لَبَنُهَا عَلَى صَبِيحِهَا، حَتَّى

قَدِمَ مَكَّةَ، فَوَضَعَهَا تَحْتَ دَوْحَةٍ، ثُمَّ رَجَعَ إِبْرَاهِيمُ إِلَى أَهْلِهِ، فَاتَّبَعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ حَتَّى لَمَّا بَلَغُوا كَدَاءَ، نَادَتْهُ مِنْ وَرَائِهِ: يَا إِبْرَاهِيمُ! إِلَى مَنْ تَتْرُكُنَا؟ قَالَ: إِلَى اللَّهِ. قَالَتْ: رَضِيتُ بِاللَّهِ. فَرَجَعَتْ وَجَعَلَتْ تَشْرَبُ مِنَ الشِّدَّةِ وَيَدُرُّ لَبَنُهَا عَلَى صَبِيَّهَا، حَتَّى لَمَّا فَبَى الْمَاءُ، قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَتَنَظَرْتُ لَعَلِّي أُحِسُّ أَحَدًا. قَالَ: فَذَهَبَتْ فَصَعِدَتِ الصَّفَا، فَتَنَظَرَتْ وَنَظَرَتْ هَلْ تُحِسُّ أَحَدًا، فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، فَلَمَّا بَلَغَتِ الْوَادِيَ سَعَتْ، وَأَتَتِ الْبُرُوقَ، وَفَعَلَتْ ذَلِكَ أَشْوَاطًا، ثُمَّ قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَتَنَظَرْتُ مَا فَعَلَ الصَّبِيُّ، فَذَهَبَتْ فَتَنَظَرَتْ فَإِذَا هُوَ عَلَى حَالِهِ، كَأَنَّهُ يَنْشَغُرُ لِلْمَوْتِ، فَلَمْ تُقَرِّهَا نَفْسُهَا فَقَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَتَنَظَرْتُ لَعَلِّي أُحِسُّ أَحَدًا. فَذَهَبَتْ فَصَعِدَتِ الصَّفَا، فَتَنَظَرَتْ وَنَظَرَتْ فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، حَتَّى أَمَمَتْ سَبْعًا، ثُمَّ قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَتَنَظَرْتُ مَا فَعَلَ، فَإِذَا هِيَ بِصَوْتٍ، فَقَالَتْ: أَغِثْ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ خَيْرٌ، فَإِذَا جَبْرِيلُ فَقَالَ بِعَقِبِهِ هَكَذَا، وَغَمَزَ بِعَقِبِهِ عَلَى الْأَرْضِ، فَانْبَثَقَ الْمَاءُ فَذَهَشَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، فَجَعَلَتْ تَحْفَسُ... وَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوِيلِهِ، رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي هَذِهِ الرِّوَايَاتِ كُلِّهَا.

((الدَّوْحَةُ)) الشَّجَرَةُ الْكَبِيرَةُ. قَوْلُهُ: ((فَقَفَى)): أُنْجِي. وَنَلَى. ((وَالْجِرِّي)): الرَّسُولُ. ((وَأَلْفَى)):

معنا وہ وجد. قَوْلُهُ: ((يَنْشَغُرُ)): أُنْجِي. يَشْهَقُ.

یہ ایک لمبی روایت ہے جس میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور ان کے صاحبزادہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کی سرزمین پر چھوڑ گئے تھے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو لے کر آئے، یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت اسماعیل دودھ پی رہے تھے (ان کی عمر دو سال کے قریب تھی) اور حضرت ہاجرہ کو کعبۃ اللہ کے پاس بڑے درخت کے نزدیک زمزم کے کنویں والی جگہ پر مسجد کے اوپر والے حصہ میں چھوڑا (اس وقت کعبۃ اللہ اور زمزم کا کنواں نہیں تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت جہاں کعبۃ اللہ اور زمزم کا کنواں واقع ہے وہاں لا کر بٹھایا، اور بعد میں جب مسجد بنی تو وہی اوپر والا حصہ کہلایا) اس وقت مکہ میں کوئی بھی آبا نہیں تھا (وہ جگہ بالکل غیر آباد اور ایک دم بخر تھی) اور نہ وہاں پانی تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو لا کر وہاں چھوڑ دیا، اور ایک چمڑے کی تھیلی جس میں کھجوریں تھیں اور ایک مشکیزہ پانی ان کے حوالہ کیا، اور ان کو چھوڑ کر (بغیر کچھ کہے) حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے پیٹھ پھیر کر لوٹے۔ حضرت اسماعیل کی والدہ (حضرت ہاجرہ) ان کے پیچھے پیچھے ہو گئیں اور کہہ رہی تھیں: اے ابراہیم! آپ ہمیں اس میدان میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں اُنس حاصل کرنے کے لیے کوئی آدمی موجود نہیں، اور کوئی چیز بھی نہیں۔ حضرت ہاجرہ نے یہ بات بار بار کہی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام مڑ کر ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔ حضرت ہاجرہ کے دل میں ایک بات آئی اور انہوں نے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے؟ (تو ان کی طرف رخ کئے بغیر صرف اتنا) جواب دیا: جی ہاں۔ یہ جواب سن کر حضرت ہاجرہ کہنے لگیں: تب تو وہ (اللہ تعالیٰ) ہمیں ضائع نہیں کرے گا، اور کہہ کر لوٹ گئیں (اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کیسا تھا!) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے ایک درّے (یعنی پہاڑی کی گھاٹی) کے پاس ایسی جگہ پہنچے جہاں سے ماں بیٹے ان کو نہیں دیکھ سکتے تھے تو اپنا چہرہ بیت اللہ کی طرف کیا (اُس وقت وہاں بیت اللہ نہیں تھا، خالی جگہ تھی) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے میرے

پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو ایک ایسے میدان میں جو کھیتی کے لائق نہیں ہے، تیرے حرمت اور عزت والے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے، اے میرے پروردگار! یہ اس لیے کیا تاکہ وہ نماز قائم کریں، لہذا (اے اللہ) تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے (اور یہاں کھیتی باڑی تو ہے نہیں کہ دانہ بو کر کچھ کھانے کا انتظام کر سکیں) تو ان کو پھلوں کے ذریعہ سے روزی دینا، تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جہاں کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی تھی وہ مروہ والی پہاڑی کا وہ حصہ ہے جہاں دروازہ پر ”باب المَدْعٰی“ (یعنی دعا والا دروازہ) لکھا ہوا ہے۔ وہیں سے باہر نکلتے ہیں تو چھپرا بازار آتا ہے (۱) ترکوں کے زمانہ میں تو وہاں ایک مسجد بنی ہوئی تھی جس کا نام بھی ”الْمَسْجِدُ الْمَدْعٰی“ تھا)۔

(آس پاس کوئی انسانی آبادی نہیں، صرف حضرت ہاجرہ ہیں اور ان کے دودھ پیتے بیٹے حضرت اسماعیل ہیں جن کی عمر دو سال بھی نہیں) اب حضرت اسماعیل کی والدہ حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے کو دودھ پلاتی رہیں، اور پانی پیتی رہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام مشکیزہ کے اندر ان کو دے گئے تھے۔ جب وہ پانی ختم ہو گیا تو یہ بھی پیاسی ہوئیں اور بچہ بھی پیاسا ہوا۔ حضرت ہاجرہ اس بچہ کو دیکھ رہی ہیں کہ وہ پیاس کی بے چینی کی وجہ سے زمین پر ٹپ رہا ہے، ان سے یہ منظر دیکھا نہیں گیا تو وہاں سے دور چلی گئیں، اور سب سے قریب صفا پہاڑی تھی اسی پر چڑھ گئیں، اور سامنے جو کھلا میدان تھا اس میں نظر دوڑانے لگیں کہ شاید کوئی آدمی نظر آئے، لیکن کوئی نظر نہیں آیا تو صفا سے نیچے اتریں یہاں تک کہ وادی (نیچی جگہ) میں پہنچیں (اب تک تو صفا پہاڑی پر تھیں جہاں سے حضرت اسماعیل کو بھی دیکھ سکتی تھیں، لیکن جب وہاں سے اتر کر مروہ پہاڑی پر جا رہی تھیں، اور اترتے اترتے زیادہ نیچائی پر پہنچیں جہاں سے حضرت اسماعیل نظر

(۱) اب تو یہ چھپرا بازار بھی نہیں رہا۔

نہیں آرہے تھے، تو اس نچلے حصہ کو دوڑ کر پار کیا، یہی وہ جگہ ہے جس کو ”میلین انخضرین“ کہا جاتا ہے، جہاں سعی میں دوڑتے ہیں اور وہاں بطور نشانی سبز نشان بنے ہوئے ہیں) تو اپنے کرتے کا ایک کونہ جو (نیچے تک لٹکے ہوئے ہونے کی وجہ سے) دوڑنے میں رُکاوٹ بن سکتا تھا اس کو پکڑ کر اٹھایا اور ایک تھکے ہوئے آدمی کی طرح دوڑنے لگیں، یہاں تک کہ اس نیچائی والے حصہ کو پار کیا، اور مروہ پر پہنچیں تو وہاں سے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ کوئی نظر آئے (تاکہ کھانے پینے کی کچھ مدد ہو) لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ اس طرح سات مرتبہ کیا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہی وہ سعی ہے جو صفا و مروہ کے درمیان کی جاتی ہے (گویا اس عمل کو حج و عمرہ کے رکن میں اللہ تعالیٰ نے جاری کر دیا۔ یہ عمل ایسے ہی تھوڑا جاری ہوا، بلکہ اس کے پیچھے ایسی عظیم قربانی دی گئی ہے جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسی قبول ہو گئی کہ قیامت تک حج کے لیے آنے والوں کے لیے اس عمل کو ضروری قرار دیا۔ آج جہاں مکہ مکرمہ واقع ہے اس پورے علاقہ کا تصور کیجئے کہ کوئی فرد بشر نہ ہو اور اسی جگہ تنہا عورت اپنے چھوٹے دودھ پیتے بچہ کو لے کر رہ رہی ہو؛ تو کیا حال ہو؟) اخیر میں جب وہ ساتواں چکر پورا کر کے مروہ پر پہنچیں تو ایک آواز کان میں پڑی، تو اپنے آپ سے کہنے لگیں: چپ رہ۔ پھر دوسری مرتبہ کان لگائے کہ آواز کہاں سے آرہی ہے، تو پھر آواز سنائی دی، تو وہ بولیں: بولنے والا کون ہے، تمہاری آواز تو میں نے سن لی، کیا تمہارے پاس ہماری مدد کے لیے کچھ ہے؟ تو دیکھا کہ جہاں زمزم کا کنواں ہے وہاں ایک فرشتہ تھا (یہ حضرت جبریلؑ تھے) اس نے اپنی ایڑی یا اپنے پروں سے زمین کو کریدا، یہاں تک کہ پانی نکلا، تو وہ اپنے ہاتھ سے حوض (منڈیر) بنانے لگیں (تاکہ دوسری طرف چلا نہ جائے) اور اپنے ہاتھ میں پانی لے کر مشکینہ میں ڈالنے لگیں۔ ایک روایت

میں ہے کہ جتنا پانی ابلتا تھا وہ مشکیزہ میں ڈال دیتیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہ پر رحمت بھیجے، اگر وہ زمزم کو اسی حالت میں چھوڑ دیتیں، اور حوض (منڈیر) نہ بناتیں تو یہ ایسا چشمہ ہوتا جو ہمیشہ کے لیے بہتا ہی رہتا۔

حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: حضرت ہاجرہ نے وہ پانی خود بھی پیا جس کے نتیجے میں ان کی پیاس دور ہوئی اور دودھ بھی اترنے لگا تو بچہ کو دودھ پلایا۔ (اللہ تعالیٰ نے اس پانی میں یہ تاثیر رکھی ہے کہ وہ پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ غذا کا کام بھی دیتا ہے۔ چنانچہ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو اس کو پی کر اپنی غذا اور پانی دونوں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں) پھر اس فرشتہ (یعنی حضرت جبریل) نے حضرت ہاجرہ سے کہا: تم ضائع ہونے کا اندیشہ اور ڈر مت رکھنا، یہاں اللہ تعالیٰ کا ایک گھر بننے والا ہے جس کو یہ لڑکا اور اس کے والد مل کر بنائیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے گھر والوں کو ضائع نہیں کرے گا (سب سے پہلے بیت اللہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنایا تھا، پھر طوفانِ نوح کے وقت وہ گھر اٹھالیا گیا لیکن) بیت اللہ والی جگہ زمین سے اٹھی ہوئی ٹیلہ کی طرح سے موجود تھی، سیلاب کا پانی آتا رہتا تھا اور اس کے دائیں بائیں سے گزر جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت ہاجرہ وہاں قیام پذیر رہیں (وہ خود بھی پانی پیتی تھیں جس سے ان کی غذا نبیت کی ضرورت پوری ہوتی تھی، اور بچے کو دودھ پلاتی تھیں) یہاں تک کہ ان کے پاس سے قبیلہ جزم کا ایک قافلہ، یا قبیلہ جزم کا ایک خاندان اور گھرانہ گزرا، وہ لوگ اوپر کی طرف سے ”کَدَاء“ والے راستہ سے آئے (حُجُون والا علاقہ جہاں مکہ مکرمہ کا قبرستان ہے، وہ مکہ کا بالائی والا حصہ کہلاتا ہے، اس کو ”کَدَاء“ کہتے ہیں۔ اور اس کے سامنے مُسْفَلہ والا جو حصہ پڑتا ہے،

اس کو ”کُندی“ کہتے ہیں) اور نیچائی والی جگہ پر ٹھہرے (جہاں حضرت ہاجرہ تھیں وہاں نہیں پہنچے تھے، چوں کہ چاروں طرف پہاڑیاں بھی تھیں) انہوں نے وہاں ایک پرندہ دیکھا (اور وہ پرندہ عام طور پر پانی کے آس پاس ہی ہوا کرتا ہے) تو وہ کہنے لگے کہ: یہ پرندہ تو پانی پر گھوم رہا ہے۔ اور اس علاقے کے متعلق ہماری معلومات (اور آج تک کا ہمارا تجربہ) یہ ہے کہ یہاں پانی نہیں (پھر یہ پرندہ یہاں کہاں؟) چناں چہ ایک دو آدمیوں کو بھیجا (کہ جہاں وہ پرندہ اڑ رہا ہے وہاں جا کر دیکھو کہ کیا وہاں پانی ہے؟) ان دو آدمیوں نے آکر دیکھا کہ (وہاں حضرت ہاجرہ تھیں، اور) پانی تھا، انہوں نے واپس جا کر قافلہ، یا خاندان کو اطلاع دی۔ چناں چہ وہ سارے لوگ وہاں آئے، حضرت اسماعیل کی والدہ پانی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، ان قافلہ والوں نے کہا: کیا آپ ہمیں اس بات کی اجازت دیں گی کہ ہم یہاں ٹھہریں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! ٹھہریے، لیکن اس پانی پر تمہیں اختیار نہیں ہوگا (پانی کی مالک میں ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں پینے کو ملے گا، لیکن اس پر اختیارات میرے ہیں اور رہیں گے) انہوں نے کہا: جی! ٹھیک ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت اسماعیل کی والدہ نے وہ چیز پالی جو وہ پسند کرتی تھیں کہ کچھ لوگ یہاں ہوں، تاکہ رہنے میں انسیت ہو۔ چناں چہ وہ قافلہ والے وہاں ٹھہر گئے۔ پھر انہوں نے اپنے خاندان والوں کو بھی کہلوایا کہ (یہاں پانی کا انتظام ہے) وہ بھی آئے اور یہاں ٹھہر گئے (گویا ایک آبادی سی ہوگئی) یہاں تک کہ کئی گھرانے یہاں آکر آباد ہو گئے، اور حضرت اسماعیل نو جوان ہوئے، اور (قبیلہ جہم کی زبان عربی تھی) ان سے عربی زبان سیکھی (ان سے سب سے پہلے عربی سیکھنے والے حضرت اسماعیل ہیں) حضرت اسماعیل جب جوان ہوئے تو اس قبیلہ والوں کو بڑے اچھے لگے (تمام خوبیوں میں سب سے فائق تھے) جب بالغ ہوئے اور شادی کی عمر کو پہنچے تو قبیلہ جہم والوں نے اپنی ایک لڑکی

سے ان کا نکاح کر دیا۔ پھر حضرت ہاجرہ کا انتقال ہو گیا اور حضرت اسماعیل کی شادی ہو گئی، اس کے بعد ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے چھوڑے ہوئے (بال بچوں) کی خبر لینے کے لیے آئے تو حضرت اسماعیل نہیں تھے، ان کی بیوی سے پوچھا: کہاں گئے ہیں؟ اس نے کہا: ہمارے لیے روزی تلاش کرنے کے لیے گئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ: شکار کرنے کے لیے گئے ہیں (ان کا ذریعہ معاش حلال پرندوں اور جانوروں کا شکار تھا جن کا گوشت کھاتے تھے) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بیوی (اپنی بہو) سے پوچھا کہ: تمہارا گزران کیسا چل رہا ہے؟ حالات کیا ہیں؟ اس نے جواب میں کہا کہ: ہم تو بہت تکلیف، تنگی و پریشانی میں ہیں، بہت شکوے شکایتیں کیں (دیکھو! اتنی دور سے خیر خبر لینے کے لیے آئے تھے، اور مقصد حالات معلوم کرنا تھا وہ پورا ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کے آنے کا انتظار بھی نہیں کیا) حضرت اسماعیل کی بیوی سے کہا: جب تمہارا شوہر آجائے تو اسے میرا سلام کہنا، اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دو۔ جب حضرت اسماعیل آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی آکر گیا ہے (بعض روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے انوارات محسوس کئے تو احساس ہوا کہ ابا آکر گئے ہیں) انہوں نے آتے ہی اپنی بیوی سے پوچھا: کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا: جی ہاں! (اور اچھا نام لے کر نہیں بتایا، بلکہ بطور استہزاء کہا کہ) ایسا ایسا بوڑھا آدمی آیا تھا، آپ کے متعلق پوچھا، میں نے بتلایا، اس نے یہ بھی پوچھا کہ: تمہارا گزر بسر کیسے ہے؟ میں نے بتایا: ہم بڑی تکلیف، پریشانی اور تنگی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل نے پوچھا: کچھ کہہ کر گئے ہیں؟ (کچھ وصیت، کوئی پیغام دے کر گئے ہیں؟) کہا: جی ہاں! مجھے کہا کہ تمہارے شوہر کو سلام کہنا، اور یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دو۔ حضرت اسماعیل نے کہا: وہ میرے ابا تھے، اور مجھے کہہ کر گئے ہیں کہ میں تجھے الگ کر دوں۔ جا! تو اپنے گھر والوں کے یہاں چلی جا۔

یہ کہہ کر حضرت اسماعیل نے اس کو طلاق دیدی۔ اس کے بعد انہی میں سے ایک دوسری لڑکی سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وہاں ایک زمانہ تک ٹھہرے، پھر دوبارہ آئے، اب کی مرتبہ بھی حضرت اسماعیل کو گھر پر نہیں پایا (کہیں باہر گئے ہوئے تھے) ان کی بیوی (اپنی بہو) کے پاس پہنچے، اس سے ان کے متعلق پوچھا، اس نے کہا: ہمارے لیے روزی تلاش کرنے کے لیے گئے ہیں۔ پوچھا: تم لوگ کیسے ہو؟ کس طرح گزارا ہوتا ہے؟ گزرا ان زندگی کے متعلق حالات معلوم کئے۔ اس نے کہا: الحمد للہ! بہت آرام اور کشادگی سے ہیں (اس نے اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا) اور اللہ کی حمد و ثنایاں کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: کیا کھاتے ہو؟ اس نے بتایا: گوشت کھاتے ہیں۔ پوچھا: کیا پیتے ہو؟ بتایا: پانی پیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا دی: اے اللہ! ان کو پانی اور گوشت میں خوب برکت دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کے وہاں غلہ اور اناج تو ہوتا ہی نہیں تھا، اگر ہوتا تو اس کی برکت کی دعا کر دیتے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت ہے کہ وہاں کوئی آدمی گوشت اور پانی پر گزارا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، جبکہ مکہ مکرمہ کے علاوہ (کسی اور جگہ) کوئی آدمی گوشت اور پانی پر گزارا نہیں کر سکتا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو ان کے گھر والوں سے پوچھا کہ حضرت اسماعیل کہاں گئے؟ ان کی بیوی نے کہا: وہ شکار کے لیے گئے ہیں۔ حضرت اسماعیل کی بیوی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: آپ اترتے نہیں، کچھ کھاپی لیجئے۔ تو پوچھا: تم لوگ کیا کھاتے پیتے ہو؟ کہا: ہمارا کھانا گوشت ہے، اور پینا پانی ہے، تو انہوں نے دعا دی کہ: اے اللہ! ان کے کھانے میں اور پینے میں برکت دے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت ہے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو آپ کے بال بکھرے

ہوئے تھے۔ حضرت اسماعیل کی اہلیہ (ان کی بہو) نے کہا: آپ اترتے نہیں کہ میں دھودیتی ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی سواری پر رہے، اس نے پتھر لا کر رکھا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پتھر پر پاؤں رکھا اور سر جھکایا، تو اس نے ایک طرف کے بال دھودئیے، پھر وہ پتھر دوسری طرف رکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری طرف پیر رکھا، اور دوسری طرف سر جھکایا تو اس نے اس طرف کے بال دھودئیے۔ جب جانے لگے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جب تمہارا شوہر آئے تو میرا سلام کہنا، اور یہ پیغام پہنچا دینا کہ اپنی چوکھٹ کو سنبھال لے رکھنا۔ جب حضرت اسماعیل آئے (تو محسوس کیا کہ کوئی آ کر گیا ہے) گھر والوں سے پوچھا: کوئی آیا تھا؟ کہا: جی ہاں! ایک بڑی عمر کے بزرگ آئے تھے جو بہت حسین و جمیل تھے اور ان کی بڑی تعریف اور خوبیاں بیان کیں اور انہوں نے آپ کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں نے انہیں بتایا کہ شکار کرنے گئے ہیں، اور یہ بھی پوچھا کہ: تمہاری گزر بسر کیسے ہو رہی ہے؟ میں نے بتایا کہ بہت اچھی طرح گزر رہی ہے، اور ہم بہت اچھی طرح رہ رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل نے پوچھا: کیا کچھ کہہ کر گئے ہیں؟ کہا: جی ہاں! آپ کو سلام کہا ہے، اور یہ کہہ کر گئے ہیں کہ اپنے گھر کی چوکھٹ کو سنبھال لے رکھنا۔ حضرت اسماعیل نے کہا: وہ میرے ابا تھے، تو ہی میرے گھر کی چوکھٹ ہے، اور مجھے تاکید کر گئے ہیں کہ تجھے سنبھال لے رکھوں۔ پھر حضرت اسماعیل ایک زمانہ تک اپنے یہاں رہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر خیر خبر لینے آئے تو اس بار حضرت اسماعیل موجود تھے جو زمزم کے پاس ایک بڑے درخت کے نیچے لکڑی چھیل رہے تھے۔ جب حضرت اسماعیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور دونوں نے وہی کیا جو باپ بیٹے کے ساتھ اور بیٹا باپ کے ساتھ کرتا ہے (یعنی آپس میں ملے، معانقہ کیا، انہوں نے ہاتھ کو بوسہ دیا، انہوں نے پیشانی چومی) اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حکم دیا ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: ابا جان! اللہ تعالیٰ

نے جو حکم دیا ہے اس کو آپ ضرور انجام دیجئے۔ پوچھا: تم میری مدد کرو گے؟ کہا: سر آنکھوں پر، ضرور مدد کروں گا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں (اللہ کا) ایک گھر بناؤں، اور وہاں مٹی کا ایک ٹیلہ سا بنا ہوا تھا اس کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ انہیں بنیادوں کو ان دونوں نے اٹھایا (روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر بتایا کہ یہاں اس کی دیواریں ہیں، جب کھودا گیا تو وہاں بیت اللہ کی بنیادیں نکلیں) چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دیوار بناتے تھے یہاں تک کہ جب وہ عمارت اونچی ہو گئی (اور ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کوئی پتھر لاؤ تاکہ میں اس پر کھڑے رہ کر دیوار اونچی کروں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر تلاش کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ایک پتھر وہاں رکھوا دیا، کسی نے بتایا کہ یہ پتھر تمہارے کام کا ہے) تو انہوں نے اسی پتھر کو لا کر رکھ دیا، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہو کر آگے کا کام پورا کیا (اس پتھر کی خاصیت یہ تھی کہ جوں جوں دیوار اونچی ہوتی گئی وہ پتھر بھی آٹومٹک اونچا ہوتا گیا، جب نیچے ضرورت ہوتی تو وہ بھی نیچا ہوتا، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات بھی ہو گئے؛ یہی مقام ابراہیم ہے) حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے، اور حضرت اسماعیل پتھر لا کر دے رہے تھے اور دونوں باپ بیٹے دعا کرتے جا رہے تھے:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (البقرة: ۱۲۷) اے ہمارے پروردگار!

ہمارے اس عمل کو قبول کر لیجئے، تو دعاؤں کو سننے والا اور دلوں کے حال سے واقف ہے۔

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کو لے کر نکلے (شام میں رہتے تھے وہاں سے مکہ مکرمہ آئے) ان کے ساتھ پرانا مشکیزہ تھا جس میں پانی تھا، حضرت اسماعیل کی والدہ مشکیزہ میں سے پانی پیتی رہیں اور ان کا دودھ اترتا رہا

(جو بچے کو پلاتی رہیں) یہاں تک کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کی والدہ کو ایک بڑے درخت کے نیچے ٹھہرا دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر واپس جانے لگے، حضرت اسماعیل کی والدہ ان کے پیچھے پیچھے چلیں، یہاں تک کہ جب ”کدّاء“ (یعنی اوپر والے حصہ) تک پہنچے تو حضرت اسماعیل کی والدہ پکار کر کہنے لگیں: اے ابراہیم! آپ ہمیں کہاں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں صرف اتنا کہا: اللہ کے حوالے۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ نے کہا: میں اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں، چنانچہ وہ واپس لوٹ گئیں، اور مشکیزے میں سے پانی پیتی رہیں، ان کا دودھ بھی اترتا تھا جو بچہ کو پلاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب پانی ختم ہو گیا، تو اپنے جی میں سوچا کہ میں ذرا ادھر ادھر جا کر دیکھوں، شاید کوئی آدمی مل جائے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ گئیں اور صفا پرچڑھیں اور ادھر ادھر بار بار دیکھتی رہیں کہ کوئی آدمی نظر آئے، لیکن کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ تو وہاں سے اتریں (اب تک تو آہستہ آہستہ چلتی تھیں اس لیے کہ حضرت اسماعیل نظر آتے تھے) جب نشیبی حصہ میں پہنچیں تو بچہ نظر نہیں آیا تو ایک دوڑ لگائی اور مروہ پر پہنچیں اسی طرح کئی جگہ لگائے، پھر وہ اپنے جی میں کہنے لگیں کہ جا کر اپنے بچے کو تو دیکھوں کہ اس کا کیا حال ہے۔ بچے کے قریب جا کر دیکھا تو ایسا معلوم ہوا تھا کہ مرنے کے بالکل قریب ہے، ان کو چین نہیں پڑا تو سوچا کہ جا کر دیکھوں، شاید کوئی نظر آجائے، پھر صفا پرچڑھیں، اور ادھر ادھر نظر دوڑائی، لیکن کوئی نظر نہیں آیا، یہاں تک کہ سات چکر پورے کئے، پھر جی میں کہنے لگیں: ذرا بچے کو دیکھوں کہ اس کا کیا حال ہے؟ کہ اچانک کوئی آواز کان میں پڑی (کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا) انہوں نے کہا: اگر تمہارے پاس کوئی بھلائی ہو، یا کچھ مدد ہو سکتی ہو، تو کرو۔ وہ حضرت جبریلؑ تھے، چنانچہ انہوں نے زمین پر اپنی ایڑی ماری، وہاں سے پانی پھوٹ پڑا، حضرت اسماعیل کی والدہ یہ دیکھ کر ایک دم گھبرا گئیں اور وہ اپنے چلو میں پانی بھرنے لگیں.....

(پھر آگے پوری روایت بیان فرمائی)۔

کھمبی من کی قسم ہے

۱۸۶۸: - وعن سعید بن زید رضی اللہ عنہ قال: سمعتُ رسولَ اللہ

ﷺ یقول: ((الْكُمَاةُ مِنَ الْمَنِّ، وَمَا وَهَّاءُ شِفَاءٍ لِلْعَيْنِ)) (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت سعید بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کھمبی من کی قسم میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے۔

افادات:- اللہ تعالیٰ نے جس زمانہ میں بنی اسرائیل کو وادی تہ میں روک دیا تھا اور وہاں کھانے پینے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے من و سلویٰ اتارا تھا۔

”من“ گوند کے مشابہ ایک چیز تھی جو منجانب اللہ درختوں کی شاخوں پر گرتی تھی، اور گوند کی طرح درختوں پر جم جایا کرتی تھی، اردو میں اس کا ترجمہ ترنجبین سے کرتے ہیں۔

”سلویٰ“ ایک پرندہ کا نام ہے جس کو اردو میں بٹیر کہتے ہیں۔

عربی زبان میں ”مَنَّ يَمْنُنُ“ کا معنی احسان کرنا ہوتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے بطور احسان بغیر محنت کے یہ چیز ان کو عطا فرمائی تھی۔

مذکور حدیث میں ”الْكُمَاةُ“ جو ایک پودا ہے جس کو اردو میں کھمبی اور سانپ کی چھتری کہتے ہیں جو برسات کے موسم میں اُگتی ہے، اور انڈے کی طرح سفید ہوتی ہے، اس کو ”من“ کی قسم سے قرار دیا گیا، کیوں کہ یہ پودا بغیر بیج ڈالے نکل آتا ہے، اس کے لیے کوئی محنت و مشقت نہیں کرنی پڑتی، بالکل مفت میں یہ سبزی مل جاتی ہے

اس لیے حضور ﷺ نے اس کو ”من“ سے تعبیر فرمایا۔

گھمبی کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے

”اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے“ یعنی اس کے پانی میں یہ خاصیت ہے

کہ وہ آنکھ کی بیماریوں کو ختم کرتی ہے، اور آنکھ کو فائدہ ہوتا ہے۔

حضراتِ شرح نے لکھا ہے کہ گھمبی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک زہریلی بھی

ہوتی ہے۔ اسی لیے علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آدمی حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد

پر پورے اعتماد کے ساتھ عمل کرے گا اس کو تو ان شاء اللہ اس سے کوئی نقصان ہونے

والا نہیں ہے، اور جو آدمی ایسا ہو کہ تذبذب کرے کہ استعمال کروں یا نہ کروں؛ تو اس کو

چاہئے کہ کسی طبیب سے مشورہ کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔

بعضوں نے یہ بھی کہا کہ: سرمہ کے پتھر کو اس کے پانی میں ایک مدت تک

رہنے دیا جائے یہاں تک کہ اس کا پانی اس کے اندر جذب ہو جائے، پھر اس پتھر کو

پیس لیا جائے اور اس کے سرمہ کو استعمال کیا جائے تو اس سے آنکھ کو فائدہ ہوگا۔

کتابُ الاستغفارِ

بَابُ الْأَمْرِ بِالِاسْتِغْفَارِ وَفَضْلِهِ

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نیا عنوان ”کتاب الاستغفار“ قائم کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی طلب کرنا۔ اس سلسلہ میں شروع میں چند آیتیں پیش کی ہیں:

استغفار کے متعلق آیات قرآنیہ

﴿وَأَسْتَغْفِرُ لَذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ (حمد: ۱۹)

ترجمہ:- آپ اپنے قصور اور کوتاہی کے لیے، اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔

﴿وَأَسْتَغْفِرِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (النساء: ۱۰۶)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَأَسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ (النصر: ۲)

ترجمہ:- اپنے رب کی حمد و ثنا کے ذریعہ اس کی پاکی بیان کیجئے اور اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے، بیشک وہ توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔

﴿لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ إِلَى قَوْلِهِ - عز وجل - : ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ﴾

﴿بِالْأَشْحَارِ﴾ (آل عمران: ۱۵، ۱۶، ۱۷)

ترجمہ:- جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں (اور گناہوں سے بچتے ہیں) ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں باغات ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ آگے ان کے اور بھی

اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اور وہ رات کے آخری حصہ میں (صبح کے وقت) اپنے گناہوں سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَعْتَلِ سُوْءًا أَوْ يَظْلِمُ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (النساء: ۱۱)

ترجمہ:- جو آدمی کوئی برا کام کرے، یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی چاہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا اور مہربان پائے گا۔

عذاب الہی سے بچانے والی دو چیزیں

وقال تعالى: { وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ } (الأنفال: ۳۳)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ آپ کے ان کے درمیان موجود ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دیں گے ایسی حالت میں کہ وہ لوگ گناہوں سے مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

افادات:- یعنی کسی بھی نبی کے قوم کے درمیان موجود ہوتے ہوئے اللہ کا عمومی عذاب نہیں آ سکتا۔ چنانچہ مکہ والوں کی طرف سے بہت زیادہ مخالفت ہوئی اور ایمان کے انکار کے باوجود جب تک کہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے، اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہیں گئے وہاں تک ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب نہیں آیا۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے تشریف لے گئے اس کے بعد بدر اور احد وغیرہ پیش آئے، اور مکہ والوں کو سزا دی گئی۔

اور جب تک کوئی قوم اپنے گناہوں سے معافی چاہتی رہے گی اور مغفرت طلب کرتی رہے گی، ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ گویا دو چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے امان میں سے ہیں، ایک تو نبی کا وجود، اور دوسرا لوگوں کا مغفرت طلب کرنا؛ یہ دونوں اللہ کے عذاب سے امان ہیں۔

اللہ کے علاوہ کون معاف کرنے والا ہے

وقال تعالى: {وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ} (آل عمران: ۱۳۵)

ترجمہ:- اور جو کسی بدکاری کا ارتکاب کرتے ہیں، یا کوئی معصیت و نامرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیتے ہیں، پھر (اپنی گرفت کو محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے یہاں جواب دینا پڑے گا) تو فوراً اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لیتے ہیں، اور اپنے گناہوں سے مغفرت چاہتے ہیں۔ اور کون ہے جو اللہ کے علاوہ گناہوں کو معاف کرے۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی گناہوں کو معاف کر سکتے ہیں اپنے ان کرتوتوں پر اڑنے نہیں رہتے۔

”وَالْآيَاتُ فِي الْبَابِ كَثِيرَةٌ مَعْلُومَةٌ“ اور اس سلسلہ میں بہت ساری آیتیں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کا اہتمام

۱۸۶۹:- وعن الأغر المزني- رضي الله عنه:- أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ:

((لَا تُبْغِ غَاثَ عَلَى قَلْبِي، وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي الْيَوْمِ مِئَةَ مَرَّةٍ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت اغر مزی بنی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے دل پر بھی بادل سے چھا جاتے ہیں۔ اور میں دن بھر میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ مغفرت طلب کرتا ہوں۔

افادات:- نبی کریم ﷺ تو معصوم تھے، آپ کے لیے گناہوں کا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا، اس کے باوجود آپ ﷺ استغفار کا کتنا زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ یہ دراصل امت کو تعلیم دینے کے لیے ہوتا تھا۔

”لَيْغَا عَلَى قَلْبِي“ کا مطلب بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ: نبی کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر آن مراتب قرب خداوندی میں ترقی کرتے رہتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ سے ان کا قرب بڑھتا ہی رہتا ہے، جب وہ اوپر والے درجہ پر پہنچتے ہیں تو نیچے والے درجہ کی کمی کا احساس پیدا ہوتا ہے، اس پر وہ استغفار کرتے ہیں۔ جیسے: جب کوئی آدمی کسی اونچے مقام پر پہنچتا ہے اور اس کو اب تک کی کمی کا اندازہ ہوتا ہے اور اب تک کی حالت پر افسوس ہوتا ہے کہ اتنا زمانہ یونہی گزر گیا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ کا قلب مبارک ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اور اس کی یاد میں مشغول رہتا تھا، لیکن اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لیے تعلیم و تبلیغ میں مشغول ہونا پڑتا تھا، اس مشغولی کی وجہ سے آپ کا قلب مبارک اُدھر سے ہٹ کر اُدھر متوجہ ہوتا تھا، تو گویا اتنا زمانہ اور وقت جو دوسری مشغولی میں گزرا، اس پر آپ ﷺ استغفار فرماتے تھے۔

روزانہ ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار

۱۸۷۰:- وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقول:

((وَاللّٰهُ اِنِّیْ لَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً)) (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ کی قسم! میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے ستر سے زیادہ مرتبہ مغفرت طلب کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ اور رجوع کرتا ہوں۔

افادات:- روایت میں فوق کا تذکرہ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کثرت سے استغفار کرتا ہوں۔

انسانوں کی پیدائش کا ایک خاص مقصد

۱۸۷۱:- وعنہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بَیْدهِ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا، لَذَهَبَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِکُمْ، وَتَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ، فِیَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی، فِیَغْفِرُ لَهُمْ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو، تو اللہ تعالیٰ تم کو ختم کر کے ایسی قوم پیدا کرے گا جو گناہ کرے گی، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے گی، اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔

افادات:- اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو جو پیدا فرمایا ہے اس میں دراصل انسان سے ایک مخصوص قسم کی عبادت مطلوب ہے۔ اس لیے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے سے فرشتے موجود تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی خلقت اور ان کا مزاج اور طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ان کے اندر نافرمانی اور گناہ کا مادہ ہے ہی نہیں۔ وہ تقاضہ جس کی بنا پر انسان اللہ تعالیٰ کی

نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے وہ تقاضہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اندر رکھا ہی نہیں ہے۔ ان کو تو اللہ تعالیٰ جو حکم دیتے ہیں، وہی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سر مو تجاوز نہیں کرتے۔ اگر فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا بھی چاہیں، تو نہیں کر سکتے۔ جیسے ایک نابینا یوں کہے کہ میں کبھی کسی نامحرم عورت کو نہیں دیکھتا، سینما اور ٹی وی نہیں دیکھتا؛ تو آپ کیا کہیں گے؟ بھائی! تجھ میں دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، تو چاہے تب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں! ایک آدمی بینا ہے، جس میں دیکھنے کی طاقت ہونے کے باوجود اور دل میں تقاضہ ہونے کے باوجود ان تقاضوں پر قابو پا کر اپنے آپ کو بد نظری سے بچاتا ہے؛ تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب اور اجر کا حقدار ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے مزاج میں نافرمانی کا مادہ ہی نہیں رکھا ہے اور وہ صرف وہی کرتے ہیں جس کا ان کو باری تعالیٰ حکم دیتے ہیں، تو گویا ان کا مزاج اور طبیعت ہی عبادت و اطاعت ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی عبادت فرشتوں کے ذریعہ سے ہو ہی رہی تھی، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کے لیے انسان کو پیدا فرمایا۔ گویا انسان سے ایک خاص قسم کی عبادت چاہی گئی ہے جو عند اللہ مطلوب تھی، اور وہ انسان ہی کر سکتا تھا، فرشتے نہیں کر سکتے تھے۔

اسی لیے جب انسان کی پیدائش کے ارادہ کا فرشتوں کے سامنے اظہار کیا کہ میں اپنا ایک خلیفہ اور نائب بنانے والا ہوں، تو فرشتوں نے کہا: باری تعالیٰ! آپ ایسی مخلوق پیدا فرمائیں گے جو زمین میں فساد مچائے گی اور خون بہائے گی، حالاں کہ ہم آپ کی حمد و ثنا کے ذریعہ پاکی اور آپ کی تقدیس بیان کرتے ہیں، یہ کام تو ہم کر ہی رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں ان کو خاموش کرتے ہوئے فرمایا: میں جو

جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مخصوص چیزوں کا علم عطا فرما کر فرشتوں کے سامنے پیش کیا، اور فرشتوں سے کچھ سوالات کئے کہ بتاؤ، تو وہ نہیں بتا سکے اور حضرت آدم علیہ السلام نے بتا دیئے۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے مقابلہ میں ان کی فوقیت ظاہر فرمائی۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بنایا تو اس کے مزاج کے اندر فرمانبرداری اور نافرمانی، گناہ اور نیکی، اطاعت اور معصیت دونوں مادے رکھے: ﴿فَالْتَهُمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر اس کے مزاج میں گناہوں کے تقاضے بھی رکھے اور تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنے والا مزاج بھی بنایا، گویا دونوں صفتیں رکھیں۔ جب گناہوں کے تقاضوں کے باوجود اپنے آپ کو گناہوں سے بچا کر اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بہت زیادہ قدر و قیمت ہوگی۔ اس لیے کہ کسی کام کو انجام دینے کے لیے، اور کسی ذمہ داری کو بجالانے کے لیے حالات کا سازگار اور موافق ہونا ضروری ہوتا ہے، لیکن ایک آدمی کے حالات سازگار نہیں ہیں، مخالف حالات کے باوجود وہ اس حکم کو پورا کرتا ہے اور اپنے فریضہ منصبی کو ادا کرتا ہے؛ تو اس کی اللہ تعالیٰ یہاں بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے۔

گناہ کا مادہ رکھنے کی پہلی وجہ

اب یہاں ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ نہیں چاہتے ہیں کہ اس کی نافرمانی کی جائے؛ پھر گناہ کا مادہ کیوں پیدا کیا؟

جواب یہ ہے کہ اصل میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سے حکم تو یہی ہے کہ اس کی معصیت اور نافرمانی نہ کی جائے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک شان بندوں کے

گناہوں کو معاف کرنے کی بھی ہے، اب اگر کوئی مخلوق ایسی نہ ہو جو گناہوں کا ارتکاب کرے؛ تو پھر اللہ تعالیٰ کی اس صفت اور شان کا ظہور کیسے ہوگا؟ گویا اللہ تعالیٰ کی صفیغفاریت اور صفیرحمت کا ظہور ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کا مزاج ایسا بنایا۔

دوسری وجہ

دوسری بات یہ بھی ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی سے جب گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کی طبیعت اور مزاج پر اس گناہ کا احساس ایسی شدت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو بالکل ہیچ قرار دیتا ہے۔ پھر روتا اور گڑ گڑاتا ہے، اور اپنی کوتاہی و گناہ پر اللہ تعالیٰ کے سامنے خوب گریہ وزاری کرتا ہے، اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے مراتب اتنے زیادہ بلند ہوتے ہیں جتنے مراتب عبادت کے نتیجے میں بلند نہ ہوتے:

زاهد غرور داشت سلامت نبرد راه ❁ رند آزارہ نیاز بہ دار السلام رفت

اللہ کی عبادت کرنے والا اپنی عبادت پر غرور اور فخر رکھتا تھا، اس لیے اپنا راستہ سلامت نہیں رکھ سکا اور ہلاک ہو گیا۔ اور ایک گنہگار آدمی اللہ تعالیٰ کی نیاز مندی اور گریہ وزاری کے راستہ سے جنت تک پہنچ گیا۔ تو دراصل اللہ تعالیٰ کے یہاں عبدیت مطلوب ہے، یعنی آدمی اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سپر ڈال دے، اور اپنے آپ کو مٹا دے؛ یہی صفت عبدیت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی صفت عبدیت

حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت آدم علیہ السلام کی صفت عبدیت

ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خلافت کے لیے منتخب فرمایا، اور علم تو صرف فوقیت ظاہر کرنے کے لیے دیا گیا تھا، ورنہ اصل صفت جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے وہ عبدیت ہی ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس وقت روئے زمین پر دو مخلوق موجود تھی، ایک جنات و شیاطین تھے اور دوسرے فرشتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے اظہار ارادہ اور علم کے سامنے کچھ بھی عرض کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اس کے باوجود فرشتے عرض کرنے لگے کہ: باری تعالیٰ! کیا آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرمائیں گے جو خون بہائے گی؟ بھائی! جب آپ کو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور منشاء معلوم ہو گیا تو اب آگے کچھ لب کشائی کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن پھر بھی ان کی طرف سے یہ بات پیش کی گئی، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا کہ میں جو جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ تو اس پر فرشتوں نے فوراً کہا: ﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۗ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۱﴾ گویا انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا منشاء کے ظاہر ہونے کے بعد ایک بات تو عرض کر دی۔ اور شیطان کا معاملہ تو بہت ہی آگے نکل گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد ان کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے کہا گیا، تو اس نے یہی کہہ دیا کہ میں ان کو کیسے سجدہ کروں؟ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور ان کو مٹی سے پیدا کیا؛ بھلا میں بہتر ہونے کے باوجود ان کو کیسے سجدہ کر سکتا ہوں؟

ایک حضرت آدم علیہ السلام تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے کوئی چون و چرا نہیں کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کرنے کے بعد جنت میں آباد کیا، اور ان سے یہ کہا گیا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا۔ پھر ان سے قصور ہوا، اور اس کے قریب

پہنچ گئے، اور اس کو استعمال کر لیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی باز پرس ہوئی۔ تو روایتوں میں آتا ہے کہ وہ خاموش رہے اور صرف روتے ہی رہے، کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ توبہ کے کلمات بھی زبان سے نکالنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

وہ کلمات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل پر القاء کئے گئے، جیسا کہ قرآن کریم میں موجود ہے: ﴿فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ﴾ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی طرف سے کچھ کلمات کو حاصل کیا، اور وہ یہی تھے: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ اے ہمارے رب! ہم نے تیرے حکم کو توڑ کر اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر تو نے ہمیں معاف نہیں کیا تو ہم بڑے گھائے اور خسارہ میں رہیں گے۔ گویا توبہ کے کلمات بھی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائے گئے تب اپنی زبان سے ادا کئے، ورنہ ان کلمات کو بھی ادا کرنے کی جرأت نہیں تھی۔ یہ ان کی طرف سے عبدیت کا پورا پورا اظہار ہوا۔

صفتِ غفاریت کا ظہور اس طرح ہوگا

اسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ختم کر کے دوسری مخلوق کو پیدا کریں گے جو گناہ کرے گی پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گی اور اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں گے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی یوں کہنے لگے کہ ہم کو گناہ کرنے کی چھوٹ دیدی گئی ہے۔ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ ہمیں تو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری کریں، لیکن ہماری کوشش اور چاہت کے باوجود ہم سے کچھ نہ کچھ کوتاہیاں ہو ہی جائیں گی؛ تو اس وقت پھر ہم اپنے گناہوں سے معافی

طلب کریں گے۔

ایک مجلس میں سو مرتبہ استغفار

۱۸۷۲:- وعن ابن عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ مِئَةَ مَرَّةٍ: ((رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ)). (رواه أبو داود والترمذی، وقال: ((حدیث حسن صحیح غریب)).

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ کا یہ جملہ سو سو مرتبہ شمار کرتے تھے: ”رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ“ اے اللہ! تو مجھے معاف کر دے اور میری توبہ قبول فرما، بیشک تو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

افادات:- یعنی آپ ﷺ استغفار کا اتنا زیادہ اہتمام فرماتے تھے کہ ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ اور وہ بھی زور سے یہ دعا پڑھتے رہتے تھے۔ اور جیسا کہ اوپر بھی آیا، آپ ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں ہر دن میں سو مرتبہ اپنے گناہوں سے معافی چاہتا ہوں۔

استغفار پر تین بڑے بڑے وعدے

۱۸۷۳:- وعن ابن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ)). (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے

ارشاد فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنے کو لازم کر لے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تہی سے راستہ نکالیں گے، اور ہر غم سے کشادگی عطا فرمائیں گے، اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دیں گے جہاں اس کو گمان بھی نہیں ہوگا۔

جو وعدے تقویٰ پر وہی استغفار پر

افادات:- اب دیکھئے! قرآن کریم میں ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ﴾ جو آدمی گناہوں سے بچے گا (تقویٰ اختیار کرے گا) اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستہ نکالے گا، اور ایسی جگہ سے روزی دیں گے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا۔ تو قرآن کریم میں جو وعدے تقویٰ (یعنی گناہوں سے بچنے) پر کئے گئے ہیں؛ اگر کسی آدمی سے نادانستہ طور پر گناہوں کا صدور ہو جائے، یا غفلت کی وجہ سے اس سے گناہ سرزد ہو جائیں، تو اس کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اگر وہ آدمی توبہ و استغفار کا اہتمام کرے گا، تو یہ حدیث پاک ہمیں بتاتی ہے کہ استغفار کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو وہی نعمتیں ملیں گی جو گناہ سے بچنے پر ملا کرتی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگی میں راستہ پیدا فرمائیں گے، اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیں گے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا۔

استغفار کے ایک جملہ پر عجیب نتیجہ

۱۸۷۴:- وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((مَنْ قَالَ: أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ، غُفِرَتْ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الرَّحْفِ.)) (رواه أبو داود والترمذی والحاکم. وقال: حدیث صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی یہ کلمات کہے (جن کا ترجمہ یہ ہے): میں اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی طلب کرتا ہوں اس اللہ سے جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور باقی رہنے والا ہے، اور میں اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں؛ تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، چاہے وہ میدانِ جنگ سے بھاگا ہو۔

افادات:- میدانِ جنگ سے بھاگنا کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ اس استغفار کی برکت سے معاف کر دیتے ہیں۔

سید الاستغفار

۱۸۷۵:- وعن شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((سَيِّدُ الْإِسْتِغْفَارِ أَنْ يَقُولَ الْعَبْدُ: اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوْءُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ. مَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا، فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ أَنْ يُمْسِيَ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ، وَهُوَ مُوقِنٌ بِهَا، فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ)). (رواه البخاری)

((أَبُوْءُ)) بباءٍ مضمومةٍ ثم واوٍ وهزّةٌ ممدودةٌ ومعناه: أَقِرُّ وَأَعْتَرِفُ.

ترجمہ:- حضرت شداد بن اوسؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ یوں کہے: اے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے علاوہ اور کوئی

عبادت کے لائق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا، میں تیرا بندہ ہوں (اور ایک بندہ جب کلمہ پڑھ کر ایمان لاتا ہے، تو اس کے ذریعہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و اطاعت کا عہد و پیمان کرتا ہے) تجھ سے کئے گئے عہد و پیمان اور وعدہ پر جتنی مجھ میں سکت و طاقت ہے اس کے بقدر میں قائم ہوں۔ میں نے جتنے بھی گناہ کئے ہیں، میں ان سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تو نے جو نعمتیں اور انعامات مجھ پر کئے ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں۔ اور میں اپنے گناہ کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ پس اے اللہ! تو میرے گناہ کو معاف کر دے، تیرے علاوہ گناہوں کو اور کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ (حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں) جو آدمی یہ کلمات صبح کے وقت اس کے مضامین پر دل سے یقین رکھتے ہوئے کہے، اور پھر اسی دن شام سے پہلے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو وہ جنتی ہے۔ اور جو آدمی رات میں یہ کلمات کہے اور صبح سے پہلے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو وہ جنتی ہے۔

افادات:- یہ کلمات سید الاستغفار کہلاتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی طلب کرنے کے لیے جتنے بھی کلمات کہے جاتے ہیں ان تمام کلمات کے اندر ان کو سرداری کی حیثیت حاصل ہے، گویا استغفار کا یہ صیغہ تمام صیغوں میں سردار اور بادشاہ ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اور مغفرت طلب کرنے کا بیان چل رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ بھی اس کا کتنا زیادہ اہتمام فرماتے تھے، جس سے آپ ﷺ اپنی امت کو اس کی تعلیم دینا چاہتے تھے کہ استغفار کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں پچھلی مجلس میں تفصیل آگئی تھی۔ آج مزید روایات پیش کرتے ہیں۔

عبادات کے اختتام پر استغفار

۱۸۷۶:- وعن ثوبان - رضى الله عنه - قال: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ، اسْتَغْفَرَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَقَالَ: ((اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ، وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ)) قِيلَ لِأَوْزَاعِي - وَهُوَ أَحَدُ رَوَاتِهِ -: كَيْفَ الاسْتِغْفَارُ؟ قَالَ: يَقُولُ: اسْتَغْفِرُ اللَّهَ، اسْتَغْفِرُ اللَّهَ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تھے، تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی تین مرتبہ مغفرت طلب کرتے تھے، اور ساتھ ہی یہ دعا بھی پڑھتے تھے: اے اللہ! تو ہی سلام ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ملتی ہے، تو بڑا بابرکت ہے اے جلالت و عزت والے۔ اس روایت کے راویوں میں امام اوزاعی بھی ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ (روایت میں جو فرمایا گیا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور ﷺ تین مرتبہ مغفرت طلب فرماتے تھے) تو اس کی کیفیت اور طریقہ کیا ہوا کرتا تھا؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ: حضور اکرم ﷺ نماز کا سلام پھیر کر تین مرتبہ ”استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ“ کہا کرتے تھے۔

انفادات:- ویسے بھی عام طور پر تمام عبادات کے اختتام پر جو دعائیں

آئی ہیں ان میں استغفار کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ جیسے: آدمی رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اس کے بعد اس کے پسندیدہ عمل کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے: ﴿وَبِالْآسْتِحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ ۱۵ وہ لوگ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ سے طلبِ مغفرت کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی طرح نماز کے اخیر میں بھی جو دعائیں ماثور ہے اس میں استغفار ہی کا اہتمام کرایا گیا ہے: ”اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا لَّخ“ اسی طرح روزہ کھولتے وقت یہ دعا سکھائی گئی: ”يَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اغْفِرْ لِي“ تقریباً تمام عبادات کے ختم پر استغفار کا اہتمام کرایا گیا ہے۔

زندگی کے آخری ایام میں استغفار کی کثرت

۱۸۷۷:- وعن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله - ﷺ - يكثر أن

يَقُولُ قَبْلَ مَوْتِهِ: ((سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ، وَأَتُوبُ إِلَيْهِ)) (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی وفات سے پہلے

کثرت سے یہ پڑھا کرتے تھے: ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ، وَأَتُوبُ إِلَيْهِ“

افادات:- زندگی کے آخری ایام میں بھی آدمی کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی

عبادات کے اہتمام کے ساتھ ساتھ طلبِ مغفرت کی طرف خصوصی توجہ دے۔ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری سورت نازل ہوئی وہ سورۃ النصر تھی جس میں یہ ہے: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ

رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ ۱۶ اے نبی! جب اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے اور مکہ

فتح ہو جائے تو آپ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو اور اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی مغفرت طلب

کرو۔ گویا اس طرح آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے اس حکم پر عمل

فرماتے تھے جو اوپر روایت میں آیا۔

نماز میں بھی حضور اکرم ﷺ اس کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے۔

استغفار سے شرک کے علاوہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں

۱۸۷۸:- وعن أنس - رضی اللہ عنہ - قال: سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقول:

((قَالَ اللهُ تَعَالَى: يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ مِنْكَ وَلَا أَبَالِي. يَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَ تَنِي، غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أَبَالِي. يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشِيرُ لِي بِشَيْءٍ، لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً)) (رواه الترمذی، وقال: حدیث حسن) (عَنَانَ السَّمَاءِ)) بفتح العين: قِيلَ هُوَ اللَّهُ حَاطِبٌ، وَقِيلَ: هُوَ مَا عَنِكَ لَكَ مِثْمَلًا، أَيْ ظَهَرَ.

((وَقُرَابُ الْأَرْضِ)) بضم القاف، وروى بكسر هاء، والضم أشهر، وهو ما يُقَارِبُ مِلًّا هَا.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد

فرماتے ہوئے سنا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے انسان! جب تک تو مجھ سے مانگتا رہے گا اور امید قائم رکھے گا، میں تیری مغفرت کروں گا، چاہے تیری طرف سے جو کچھ بھی پیش آیا ہو اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی (چاہے بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہو، سوائے شرک کے) اے انسان! اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں تک پہنچ جائیں، اس کے بعد پھر تو مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہے گا، تو میں تیرے گناہوں کو معاف کر دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ اے انسان! اگر تو میرے پاس زمین بھر کر گناہ لے کر آئے گا اور پھر تو میرے پاس ایسی حالت میں پہنچے گا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا رہا ہوگا تو میں زمین بھر کر تیرے پاس مغفرت لے کر آؤں گا۔

افادات:- آدمی نے اگر شرک سے بچنے کا اہتمام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ^{طلب مغفرت} پر تو معاف کر ہی دیئے جاتے ہیں، لیکن مغفرت کی طلب کے بغیر بھی جس کو اللہ تعالیٰ چاہے معاف کر دیتا ہے۔ شرک کی مغفرت نہیں ہوتی، قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتے، باقی جس کو چاہتے ہیں معاف کر دیتے ہیں۔ ہاں! اگر آدمی شرک سے بھی توبہ کر کے توحید اختیار کر لے، تو وہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔

”وَلَا أُبَالِي“ اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ انسان جب کسی کو معاف کرتا ہے تو سوچتا ہے کہ اس کا قصور کس درجہ کا ہے، معاف کیا جائے یا نہ کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ باتیں نہیں ہیں۔

معلوم ہوا کہ آدمی اگر اپنے گناہوں سے معافی مانگنے کا اہتمام کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

عورتوں کو کثرت استغفار کا حکم

۱۸۷۹:- وعن ابن عمر رضي الله عنهما: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ، وَأَكْثِرْنَ مِنَ الِاسْتِغْفَارِ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ)) قَالَتْ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: مَا لَنَا أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ؟ قَالَ: ((تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتُكْفِرْنَ الْعَشِيرَ. مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلِ وَدِينٍ أَغْلَبَ لِدَى لُبٍّ مِنْكُنَّ)) قَالَتْ: مَا نَقْصَانُ الْعَقْلِ وَالِدِينِ؟ قَالَ: ((شَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ،

وَتَمُكِّثُ الْآيَاتُ لَا تُصَلِّيْ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عورتوں کے گروہ اور جماعت! اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرو اور کثرت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، اس لیے کہ میں نے تم کو جہنم والوں میں کثرت سے دیکھا ہے (جہنم میں زیادہ تعداد عورتوں کی دیکھی) ان میں سے ایک عورت نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے کہ ہم عورتیں ہی جہنم والوں میں زیادہ تعداد میں ہوں گی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لعن طعن بہت کثرت سے کرتی ہو، اور شوہر کی ناشکری کی بہت مرتکب ہوتی ہو۔ اور ایسی شخصیت جو عقل و دین کے اعتبار سے ناقص شمار ہوتی ہو، اس کے باوجود عقلمند آدمی کی عقل کو تم سے زیادہ اڑا دینے والی میں نے نہیں دیکھا۔ اس عورت نے پوچھا: عقل اور دین کی کمی سے کیا مراد ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عقل کے اعتبار سے کمی یہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دیا ہے۔ اور دین کی کمی یہ ہے کہ مہینہ میں (حالت حیض کی وجہ سے) کئی دن عورت ایسے گزارتی ہے جس میں نماز نہیں پڑھ پاتی۔

افادات:- عقل اور سمجھ کے اعتبار سے تمہارا مقام مردوں کے مقابلہ میں

اونچا نہیں ہے، گویا عورتوں میں سمجھ اور عقل کم ہی ہوا کرتی ہے، اس کے باوجود سمجھدار آدمی کی عقل کو اڑا لے جانے کا تم کام کرتی ہو۔

”تَكْثُرْنَ اللَّعْنُ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ“ عورتوں کی زبان سے عام طور پر

بددعا کیے کلمات نکلتے رہتے ہیں، اور لعن طعن کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح سے شوہر کی طرف سے چاہیے کتنا ہی اس کے ساتھ احسان و بھلائی کا معاملہ کیا جائے، مگر کبھی کسی وقت ذرا سی ناگواری اور مزاج کے خلاف بات پیش آ جاتی ہے تو اس کی زبان سے

ناشکری کے الفاظ نکلتے ہیں۔ بقول حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ: وہ یہ کہے گی کہ: تمہارے یہاں آکر میں نے دیکھا ہی کیا ہے! ایک ٹھیکرا، ایک چیتھڑا۔ وہ برتن کو تو ٹھیکرے سے، اور کپڑے کو چیتھڑے سے تعبیر کرتی ہے۔

بہر حال! اس روایت میں عورتوں کو کثرت سے طلبِ مغفرت کا حکم ہے، اس وجہ سے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت یہاں پیش کی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

باب بیان مَا أَعَدَّ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمُؤْمِنِينَ فِي الْجَنَّةِ

اس باب میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات اور احادیث کو پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے جنت میں جو نعمتیں رکھی ہیں ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

جنت میں کدورت اور تھکاوٹ نہیں ہوگی

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ أَمِينِينَ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ لَا يُمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ. (الحج: ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸)

ترجمہ:- بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں (گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں) وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے (اور ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا: ان باغات میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ) اور باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے داخل ہونے سے پہلے ہم ان کے دلوں کے اندر سے ایک دوسرے کے متعلق جو میل اور خفگی ہوگی وہ سب نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بن کر اندر داخل ہوں گے، مسہریوں پر آنے سامنے بیٹھے ہوں گے، اور ان جنت والوں کو جنت میں نہ تھکاوٹ کا احساس ہوگا، اور نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے۔

افادات:- ”وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ“ ہم ان کے دلوں کے

اندر سے ایک دوسرے کے متعلق جو میل اور خفگی ہوگی وہ سب نکال دیں گے، یعنی دنیا کے اندر غیر اختیاری طور پر بعض چیزیں ایسی پیش آ جاتی ہیں کہ ایک دوسرے کی طرف سے خفگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک تو کوئی آدمی محض دنیوی غرض کی وجہ سے کسی کے ساتھ دل میں کینہ رکھے، پھر ساتھ ہی ساتھ اس کینہ کی وجہ سے ایسی تدبیر اور کوشش میں لگا رہے کہ اس کو نقصان پہنچایا جائے، یہ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں بالکل معاف نہیں ہے، بلکہ حدیث پاک میں آتا ہے جس کے دل میں کینہ ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ لیکن کبھی غیر اختیاری طور پر کسی سے بعض باتیں ایسی پیش آ گئیں جس کی وجہ سے دوسرے کے دل میں اس کے متعلق ناراضگی اور خفگی کے جذبات پیدا ہوئے، یا کسی دینی معاملہ کی وجہ سے اس کے دل میں ناراضگی ہوئی اور وہ اخیر تک باقی رہی، اور موت تک دلوں کی صفائی کی نوبت نہیں آئی، ان کو جب اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریں گے تو داخلے سے پہلے ان کے دلوں میں سے ان ساری چیزوں کو نکال دیا جائے گا، اور دلوں کو پاک صاف کر کے جنت میں بھیجا جائے گا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ: میں امید کرتا ہوں کہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کے ساتھ میرا جو معاملہ ہے وہ بھی اسی میں شمار ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان چیزوں سے پاک صاف کر دے گا۔

”لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ“ ان جنت والوں کو جنت میں نہ تھکاؤٹ کا احساس ہوگا، اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے، یعنی جنت کی نعمتوں کو استعمال کرنے اور برتنے کے نتیجہ میں ان کو کسی قسم کی تھکاؤٹ نہیں ہوگی۔ دنیا کا حال تو یہ ہے کہ عیش و آرام کی چیزوں کے استعمال کرنے میں بھی آدمی اکتا جاتا ہے۔ لیکن جنت میں یہ کیفیت نہیں ہوگی۔

یہی وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنائے گئے

﴿يَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَخَذُلُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ (الزمر: ۷۱-۷۸)

ترجمہ مع تشریح:- میرے بندو! آج تم پر کوئی ڈر نہیں، اور نہ آج تم غمگین ہو گے۔ اللہ کے وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ ہمارے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرتے رہے (اطاعت اور فرمانبرداری کرتے رہے)۔ ان کو باری تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا) تم اور تمہاری بیویاں جنت میں خوش و خرم داخل ہو جاؤ (”سرور“، انتہائی خوشی کو کہتے ہیں، یعنی بہت خوشی اور مسرت کے عالم میں داخل ہو جاؤ) ان جنت والوں پر جنت کے اندر (کھانے کی چیزوں سے بھری ہوئی) سونے کی رکابیاں اور گلاس پیش کئے جائیں گے۔ اور ان باغات کے اندر ان کے لیے ہر وہ چیز ہوگی جس کا ان کا جی چاہے گا، اور جس سے ان کی آنکھیں لذت محسوس کریں گی، اور تم اس کے اندر ہمیشہ رہو گے۔ یہی وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنائے گئے ہو ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔ تمہارے لیے اس کے اندر بہت سارے میوے ہیں جس میں سے تم اپنی مرضی کے مطابق کھاتے رہو گے۔

خوشحال آدمی کے لیے جو ہو سکتا ہے وہ سب جنت میں ہوگا

وقال تعالى: إِنَّ الْأُمَّةَ قَلِيلٌ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾

يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَلِكَ تَنْفَعُهُمْ يُحْوَرُّ عَيْنٌ ﴿٥٤﴾
يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ
وَوَقَّعَهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضَلًّا مِنْ رَبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ (الدخان)

ترجمہ:- بیشک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے امن وامان کی جگہ میں ہوں گے، باغات اور نہروں میں ہوں گے، وہاں لباس کے طور پر باریک اور موٹا ریشم (دونوں طرح کا لباس) پہنیں گے، ایک دوسرے کے آمنے سامنے ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرتے رہیں گے۔ اور ہم ان کا نکاح گورے بدن والی، بڑی آنکھوں والی عورتوں سے کرادیں گے۔ اور وہ ان باغات اور جنتوں میں ہر طرح کا میوہ (پھل، فروٹ) امن وامان کے ساتھ منگوائیں گے (یعنی وہاں ان کو کوئی خطرہ اور خوف محسوس نہیں ہوگا) وہاں پہنچنے کے بعد وہ موت کا مزہ نہیں چکھیں گے، سوائے اس موت کے جو پہلی مرتبہ دنیا میں آچکی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھیں گے۔ یہ سب پروردگار کی مہربانی ہے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

افادات:- ”حَوْرَاءُ“ کی جمع ”حُورٌ“ آتی ہے۔ یعنی ایسی حسین عورت جس کے سامنے لگا ہیں خیرہ ہو جائیں، جیسے سورج کے سامنے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ ان آیات میں ایک خوشحال آدمی کے لیے جو جو چیزیں ہو سکتی ہیں ان سب کو بیان کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ آدمی کا مکان امن وامان والا ہو، عمدہ ہو؛ تو ”مَقَامٍ أَمِينٍ“ میں اس طرف اشارہ کر دیا۔ دوسرا یہ کہ لباس عمدہ ہو، کھانے پینے کی چیزیں عمدہ ہوں، اور شریک حیات مزاج کے موافق ہو۔ ساتھ ہی ساتھ وہ نعمتیں جو اس کو ملی ہوئی ہیں کبھی ختم ہونے والی نہ ہوں؛ یہ ساری چیزیں جنت کی نعمتوں میں پائی جاتی ہیں۔

مقربین کے لیے جنت کا ایک چشمہ

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۚ عَلَى الْأَرْبَابِ لَئِنْظُرُونَ ۖ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۚ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ۖ خِتْمُهُ مَسْكٌ ۖ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۚ وَمِمَّا أَجَاهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ۚ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ﴾ (المطففين: ۲۲ تا ۲۸)

ترجمہ:- اللہ کے نیک بندے نعمتوں میں ہوں گے، مسہریوں پر بیٹھے ہوئے جنت کی نعمتوں اور عجائبات کا نظارہ کر رہے ہوں گے، اے مخاطب تو ان کے چہروں پر جنت کی نعمتوں کی خوشحالی اور مسرت محسوس کرے گا، ان کو خالص مہر لگی ہوئی شراب پلائی جائے گی، اس کی مہر مشک کی ہوگی۔ اور اسی کے اندر مقابلہ کرنے والے مقابلہ کرتے ہیں۔ اور خالص شراب کی ملاوٹ تسنیم کے پانی سے ہوگی (اہل عرب جب شراب کا استعمال کرتے تھے تو اس میں تھوڑا پانی بھی ملایا کرتے تھے۔ جنت کی خالص شراب کے اندر تسنیم کی ملاوٹ ہوگی۔ تسنیم کیا ہے؟) جنت کا ایک چشمہ ہے جس کے اندر سے اللہ کے مقرب بندے پیتے رہتے ہیں (گویا اللہ کے مقرب بندوں کو تو وہ پانی مستقل پینے کے لیے دیا جائے گا، اس لیے کہ وہ تو اعلیٰ درجہ کے تھے، ان کو ہمیشہ وہی پانی دیا جائے گا۔ اور ”ابرار“ و ”اصحاب الیمین“ کو صرف شراب میں ملاوٹ کے طور پر دیا جائے گا۔)

”والآیات فی الباب کثیرۃ معلومۃ“ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جنت کی نعمتوں کو بیان کرنے کے سلسلہ میں قرآن پاک میں بہت کثیر تعداد میں آیتیں موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں آگے کچھ حدیثیں نقل کرتے ہیں:-

جنتیوں کو قضاے حاجت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی

۱۸۸۰:- وعن جابر - رضى الله عنه - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((يَأْكُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فِيهَا، وَيَشْرَبُونَ، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ، وَلَا يَمْتَخِطُونَ، وَلَا يَبُولُونَ، وَلَكِنْ طَعَامُهُمْ ذَلِكَ جُشَاءٌ كَرَّ شُحِّ الْمِسْكِ، يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ وَالشَّكْبِيرَ، كَمَا يُلْهَمُونَ النَّفْسَ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جنت والے جنت میں کھائیں گے اور پیئیں گے، قضاے حاجت نہیں کریں گے، اور ان کی ناک میں سے ریش بھی نہیں نکلے گی، اور نہ وہ پیشاب کریں گے، البتہ ان کو کھانے کے نتیجے میں ایک ڈکار آئے گی (ویسے تو ڈکار کی وجہ سے دنیا میں بدبو پھیلتی ہے، لیکن وہاں اس ڈکار کی وجہ سے خوشبو پھیلتی گی) اور ان کا پسینہ مشک کی طرح ہوگا، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل تسبیح و تکبیر پڑھوائی جائے گی، جیسے مسلسل سانس چلتی رہتی ہے۔

افادات:- ”وَلَا يَتَغَوَّطُونَ“ ایک یہودی عالم نے سوال کیا تھا کہ

جنت والے جنت میں کھائیں گے، پیئیں گے، تو پھر قضاے حاجت کا تقاضہ بھی ہوگا؟ اور یہ چیز جنت والوں کے حال کے مناسب نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہاں قضاے حاجت کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس لیے کہ قضاے حاجت کی نوبت تو اسی وقت آتی ہے کہ جو غذا استعمال کی جائے اس میں کچھ مواد فاضل بھی ہو، اور وہ فاضل مواد پیشاب، پاخانہ کے راستہ سے باہر نکالا جائے، لیکن جنت کی غذاؤں میں فضلہ کے قبیل سے کوئی چیز ہے ہی نہیں، لہذا پیشاب پاخانہ بننے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

اللہ کا ذکر سانس کی طرح جاری رہے گا

”يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ وَاللَّكْبِيرَ، كَمَا يُلْهَمُونَ النَّفْسَ“ جیسے دنیا میں آدمی چلتے پھرتے سانس لیتا رہتا ہے، آدمی کو سانس لینے کے لیے کوئی ارادہ نہیں کرنا پڑتا، اسی طرح اہل جنت کو جنت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا وہ مقام حاصل ہو جائے گا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر تسبیح و تکبیر ان کے لیے ایسا ہو جائے گا جیسے سانس لیتے ہیں، یعنی ان کو ارادہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی، بلکہ غیر اختیاری طور پر یہ چیز ان کی طرف سے ہوتی رہے گی۔

آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان

۱۸۸۱:- وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ، وَافْرُؤُوا إِن شِئْتُمْ: { فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءٍ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ } (السجدة: ۱۷)))). (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے جنت میں اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کرو: کسی انسان کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے جنت کے اندر کیا کیا پوشیدہ چیزیں رکھی ہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہے، یہ ان کے ان اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔

افادات:- گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسی نعمتیں دی جائیں گی کہ

دنیا کے اندر انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ان میں سے کچھ چیزیں تو وہ ہیں جن کا قرآن و حدیث میں تذکرہ ہے، وہ تو آدمی کے علم میں آگئیں، لیکن وہاں بعض نعمتیں ایسی بھی ہوں گی جن کو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ تو کسی کان نے سنا، نہ کسی نے اس کا تصور بھی کیا

جنت میں داخل ہونے والی پہلی دو جماعتوں کی کیفیت

۱۸۸۲:- وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَوَّلُ زُمْرَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ عَلَى أَشَدِّ كَوْبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً، لَا يَبُولُونَ، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ، وَلَا يَتَفَلُّونَ، وَلَا يَمْتَخِطُونَ. أَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ، وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، وَفَجَامِرُهُمُ الْأُلُوَّةُ - عُودُ الطَّيْبِ - أَزْوَاجُهُمُ الْخُورُ الْعَيْنُ، عَلَى خَلْقٍ رَجُلٍ وَاحِدٍ، عَلَى صُورَةِ أَبِيهِمْ آدَمَ يَسْتُونَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ.)) (متفق عَلَيْهِ) وفي رواية البخاري ومسلم: ((أَبْيَتْهُمْ فِيهَا الذَّهَبُ، وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ. وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ يَرَى مُحَّسِقَهُمَا مِنْ وَرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ، وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ قَلْبٌ وَاحِدٌ، يُسَبِّحُونَ اللَّهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا)).

قوله: ((عَلَى خَلْقٍ رَجُلٍ وَاحِدٍ)). رواه بعضهم بفتح الحاء وإسكان اللام وبعضهم

بضمها وكلاهما صحيح.

ترجمہ تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی وہ چودھویں رات کے چاند کی سی ہوگی (حدیث پاک میں ان کی تعداد ستر ہزار بتلائی ہے، اور بعض روایتوں میں سات لاکھ بتلائی ہے۔ وہ سب بیک وقت جنت میں داخل ہوں گے) پھر اس کے بعد وہ لوگ داخل

ہوں گے جو ان کے قریب ہوں گے جو آسمان میں سب سے زیادہ روشن ستارے جیسے چہرے والے ہوں گے۔ جنت میں پہنچنے کے بعد نہ تو ان کو پیشاب کا تقاضہ ہوگا اور نہ پاخانہ کا، نہ وہ تھوکیں گے اور نہ ناک میں سے ریش نکلے گی۔ ان کے کنگھے سونے کے ہوں گے (ویسے تو بالوں کو صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی لیکن بطور زینت کنگھی کریں گے) اور ان کا پسینہ مشک کا ہوگا۔ ان کی دھونی دان خالص عود کی ہوگی۔ بڑی آنکھوں والی حوریں ان کی بیویاں ہوں گی۔ وہ سب تقریباً ان کے ابا حضرت آدم علیہ السلام کی شکل و صورت پر ملتے جلتے چہرے والے ہوں گے، ان کا قدمبائی کے اعتبار سے ساٹھ ہاتھ ہوگا (حضرت آدم علیہ السلام کا اصلی قد بھی اتنا ہی تھا)۔

روایت میں جو لفظ ”عَجَامِرُ“ آیا ہے، وہ ”عَجْمَرَةٌ“ کی جمع ہے، لوبان دانی کو کہتے ہیں جس میں عود وغیرہ خوشبو ڈال کر دھونی کی جاتی ہے۔

بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ: ان کے برتن سونے کے ہوں گے، ان کا پسینہ مشک کی طرح مہکتا ہوگا، ہر جنتی کو دو بیویاں دی جائیں گی (بعض روایتوں میں بہت ساری حوروں کا تذکرہ آتا ہے۔ تو حضرات تشریح فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی دنیا میں دو بیویاں ہوں گی تو وہی دوس کو وہاں بھی ملیں گی۔ لیکن اگر کسی کی دنیا میں دو بیویاں نہیں تھیں، ایک ہی تھی؛ تو وہاں دوسری عورت کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا جائے گا، اس طرح گویا اس کو وہاں دوسری بیوی بھی دی جائے گی) اور ان کی پنڈلیوں کی ہڈیوں کا گودا گوشت کے اندر سے خوبصورتی کی وجہ سے نظر آئے گا (یعنی وہ ایسی خوبصورت ہوں گی کہ ان کی پنڈلیوں کی ہڈیوں کے اندر کا گودا بھی نظر آئے گا اور اس کی وجہ سے ان کے حسن میں کمی نہیں آئے گی، بلکہ حسن اور زیادہ نکھرے گا) اور ان کے درمیان مزاجوں کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہوگا، اور نہ آپس میں عداوت اور بغض ہوگا، ان کے دل ایک آدمی کی طرح (متحد و متفق) ہوں گے۔ وہ سب صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے رہیں گے (گویا ان کی زبانوں پر ذکر اللہ جاری رہے گا)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ آخری باب جنت کی نعمتوں کے متعلق چل رہا ہے، چند ہی روایتیں باقی رہ گئی ہیں۔ ویسے جنت کی ان نعمتوں سے متعلق جو روایتیں ہیں، علماء نے شروحات میں ان کی تشریح و تفصیل بیان کی ہیں، اس میں عام طور پر جنت کی نعمتوں سے متعلق جو روایتیں ہیں ان کے مضامین کو ذہن سے قریب کرنے کے لیے دوسری روایتوں ہی سے تفصیل پیش کی جاتی ہیں۔ اور یہ مضامین ایسے ہیں کہ عام طور پر لوگوں کو سننے نہیں ملتے، نہ سنائے جاتے ہیں، اور نہ لوگوں کے پڑھنے میں آتے ہیں۔ حالاں کہ قرآن پاک کے نزول کے جو مقاصد ہیں ان میں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جنت کی نعمتوں سے لوگوں کو روشناس کرا کر اس کے حصول کی ترغیب دی جائے۔ میرے دل میں آیا کہ اس سلسلہ کی کچھ تفصیلی روایتیں بھی آپ حضرات کے سامنے آجائیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی عربی زبان میں ایک بہت ہی عمدہ کتاب ہے: ”حَدِی الْأَرْوَاحِ إِلَى بِلَادِ الْأَفْرَاجِ“ جس میں انہوں نے روایتوں کے ذریعہ سے جنت کے حالات بڑی تفصیل سے پیش فرمائے ہیں۔ دو تین روز سے وہی کتاب میرے مطالعہ میں تھی، اور میں نے یہی طے کیا تھا کہ اس کی عبارت پڑھ کر کچھ تشریح بیان کر دوں گا۔ آج دوپہر کے بعد خیال آیا کہ ”حَدِی الْأَرْوَاحِ“ کی عربی عبارت پڑھوں پھر اس کا اردو میں ترجمہ کروں تو اس میں وقت بھی زیادہ لگ جائے گا۔ تو مجھے ایک اور کتاب ”التَّذْکَرَةُ فِي أَحْوَالِ الْمَوْتَى وَأُمُورِ الْآخِرَةِ“ کا خیال آیا جو علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو ایک بہت بڑے محدث اور عالم گزرے ہیں، جس میں انہوں نے موت سے لے کر جنت، دوزخ اور قیامت کے سارے حالات بیان کئے

ہیں۔ اور علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت بڑے عالم گزرے ہیں، انہوں نے ان کی اس کتاب کا اختصار کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں۔ اصل کتاب ”التذکرۃ“ اور اس کا اختصار۔ ملتی ہیں، اسی کار دو میں ترجمہ حضرت مولانا حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے جو حضرت مولانا یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے، جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے آخر میں مہتمم بھی رہے اور شہید کر دیئے گئے۔ تو یہ کتاب میرے ذہن میں آئی اور مناسب بھی یہی معلوم ہوا کہ اسی کتاب میں سے جنت کے متعلق جو مضامین ہیں وہ آپ حضرات کے سامنے پیش کئے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب احادیث میں جنت کی ان نعمتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور قرآن پاک کی بہت سی آیتیں گزشتہ مجلس میں آگئی تھیں۔ تو ضرورت ہے کہ ہم لوگ ان چیزوں کو پڑھیں اور سنیں۔ چوں کہ عام طور پر یہ چیزیں ہمارے سامنے نہیں آتیں، اس لیے میرا جی چاہا کہ اسی کتاب میں سے آپ کے سامنے پڑھ کر سناؤں۔ اگر آج کی مجلس میں مضمون پورا ہو گیا تب تو ٹھیک ہے، ورنہ آئندہ اس کو مکمل کریں گے۔

جنت اور اس میں جنتیوں کے لیے تیار کردہ نعمتوں کا بیان

امام مسلم وغیرہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی کے دل پر اس کا گزر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ذخیرہ کر رکھا ہے، یہ اس کے علاوہ ہے جس پر تم مطلع ہو (جس کی تفصیل قرآن پاک وغیرہ میں آئی ہے) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ کسی کو علم نہیں جو جو سامان آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے

لیے خزانہ غیب میں مخفی ہے۔ (یہ روایت گذشتہ مجلس میں آگئی تھی۔)

ابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: جنت کے لیے کوئی تیاری کرنے والا ہے؟ اس لیے کہ جنت میں کوئی خطرہ نہ ہوگا، رب کعبہ کی قسم! جنت؛ چمکتا ہوا نور، لہلہاتا ہوا پھول، مضبوط محل، بہتی نہر، بے شمار پکے پھل، خوبصورت حسین بیوی، اور بے شمار پوشاکوں کا نام ہے ایک ایسے مقام میں جو ہمیشہ ہمیش رہنے والا ہے، نعمتوں اور تروتازگی کی جگہ ہے، ایسا بلند و بالا گھر جو تباہناک اور سلامتی والا ہوگا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ہم اس کے لیے تیاری کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ کہہ دو۔

امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ فرمایا: پانی سے۔ میں نے پوچھا: جنت کو کس چیز سے بنایا گیا ہے؟ فرمایا: ایک اینٹ سونے کی، ایک اینٹ چاندی کی۔ اس کا گارا تیز خوشبودار مشک ہے، اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت ہیں، اور اس کی مٹی زعفران ہے۔ جو وہاں داخل ہوگا کبھی مایوس نہیں ہوگا، ہمیشہ رہے گا کبھی موت نہیں آئے گی۔ نہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے، اور نہ ان کی جوانی کبھی ختم ہوگی۔

جنت کی نہروں، پہاڑوں

اور اس میں سے جو دنیا میں ہے ان کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِلشَّرِبِ بَيْنَ

وَأَنَّهُ رَزَقَ مَنْ عَسَلَ مُمْصَعًى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ﴿۱۰﴾ (سورہ محمد) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کی نہریں نہ بدلنے والے پانی کی ہوں گی۔ اور نہریں ذائقہ نہ بدلنے والے دودھ کی ہوں گی۔ اور نہریں پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ شراب کی ہوں گی۔ اور نہریں صاف شہد کی ہوں گی، اور وہاں ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے۔

روایت میں آتا ہے کہ: وہاں کی نہریں قدرتِ الہی کی برکت سے بغیر کسی نالی کے بہیں گی (دنیا میں تو نہر نالی میں بہتی ہے وہاں بغیر نالی کے اللہ کی قدرت سے بہے گی۔) حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت کی نہریں مشک کے ٹیلے یا پہاڑوں کے نیچے سے بہیں گی۔ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت کے پہاڑوں میں سے چار پہاڑ، جنت کی نہروں میں سے چار نہریں جنت کے غزوات میں سے چار غزوات ہیں۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! پہاڑ کون سے ہیں؟ ارشاد فرمایا: جبلِ اُحد جو ہم سے محبت کرتا ہے، اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور کوہِ طور جنت کے پہاڑوں میں سے ہے۔ اور لبنان جنت کے پہاڑوں میں سے ہے۔ چوتھے پہاڑ کا ذکر اس روایت کے ان تمام نسخوں میں ساقط ہو گیا ہے جس پر میں مطلع ہوا ہوں۔ اور چار نہریں: نیل، فرات، سیحان، اور جیحان ہیں (یہ روایت پہلے آگئی ہے) اور چار جنگلیں اور غزوات: بدر، احد، خندق اور خیبر ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے چوتھا پہاڑ وہ ہے جسے ”خُصَيْف“ کہا جاتا ہے، اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ”غزوہ ابواء“ لڑا۔ جب ”رَوْحَاء“ نامی مقام پر ”عَرْقُ الظَّبْيَةِ“ میں پہنچے تو نماز پڑھی، پھر فرمایا:

جانتے ہو اس پہاڑ کا کیا نام ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا: یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ”خَصِیْف“ ہے۔ اے اللہ! اس میں اور اس کے رہنے والوں میں برکت دید دیجئے۔ اور ”رَوْحَاء“ کے بارے میں فرمایا: یہ ”سَبْخَاء“ ہے۔ ”مَسْبَح“ جنت کی وادیوں میں ایک وادی ہے۔ مجھ سے پہلے اس مسجد میں ستر (۷۰) نبیوں نے نماز پڑھی ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ”رَوْحَاء“ کے پاس سے گزرے، انہوں نے دو قُطُونِی عبائیں پہنی تھیں، وہ ناقہ وَرْدَاء پر سوار تھے، ستر ہزار بنو اسرائیل ان کے ساتھ تھے، یہاں تک کہ بیت اللہ تک پہنچ گئے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک سمندر پانی کا ہے، ایک شہد کا، ایک دودھ کا، اور ایک شراب کا ہے۔ پھر اس سے نہریں نکلتی ہیں۔

حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سیحان، جیحان، نیل اور فرات؛ جنت کی نہروں میں سے ہیں۔

حضرت کعب احبارؓ فرمایا کرتے تھے کہ: نہرِ دجلہ جنت کے پانی کی نہر ہے، اور نہرِ فرات جنت میں دودھ کی نہر ہے، اور نہرِ مصر جنت کی شراب کی نہر ہے، اور نہرِ سیحان اس کی شہد کی نہر ہے، اور یہ چاروں نہریں نہرِ کوثر سے نکلتی ہیں۔

حدیثِ اسراء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو نہروں کے پاس سے گزر رہا تھا جہاں سے لوگوں کو ہٹایا جا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: نیل اور فرات۔

یا جوج ماجوج کے خروج کے وقت ان نہروں

اور قرآن کریم کے اُٹھنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ نے دنیا میں پانچ نہریں نازل فرمائی ہیں، سِجُّون جو نہر ہند ہے، اور جِجُّون جو نہر بلخ ہے، اور دجلہ و فرات جو عراق کی نہریں ہیں، اور نیل جو مصر کی نہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کے سب سے نچلے درجوں کے چشموں میں سے ایک چشمے سے حضرت جبریل کے پیروں پر نازل فرمایا، اور پہاڑوں میں ودیعت رکھا اور زمین پر جاری فرمایا، اور ان میں لوگوں کی مختلف ضرورتوں کے لیے بہت سے فوائد رکھ دیئے، اسی جانب درج ذیل فرمانِ مبارک میں اشارہ کیا گیا ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَتْهُ فِي الْأَرْضِ ۝﴾ (پ: ۱۸/آیت: ۱۸) ہم نے آسمان سے اندازے کے ساتھ پانی برسایا، پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرایا۔ پھر جب یا جوج ماجوج کے خروج کا وقت آئے گا تو اللہ جل شانہ حضرت جبریل کو بھیجیں گے تاکہ وہ روئے زمین سے قرآن کریم، علم اور پانچوں نہریں اٹھا کر آسمان پر لے جائیں، یہی مراد ہے درج ذیل فرمانِ الہی کی: ﴿وَأَنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهٖ لَقَدِرُونَ ۝﴾ اور ہم اس کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہیں۔ جب ان چیزوں کو روئے زمین سے اٹھالیا جائے گا تو روئے زمین والے دین و دنیا کی بھلائیوں سے محروم ہو جائیں گے۔

مسعودی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں نہرِ فرات کو بڑھایا گیا، تو لوگوں نے اسے ناپسند کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: اس

کے پھیلانے کو ناپسند مت کرو، اس لیے کہ عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا جب لوگ اس میں پانی کا ایک بھرا ہوا پیالہ تلاش کریں گے، لیکن انہیں وہ بھی نہیں ملے گا۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب ہر پانی اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے گا، اور کچھ باقی ماندہ پانی اور چشمے شام میں رہ جائیں گے۔

امام بخاری وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز قائم کی، رمضان کے روزہ رکھے، اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہوگا کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائیں، خواہ اس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا ہو، یا اس جگہ پر بیٹھا رہا ہو جہاں پیدا ہوا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سنائیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار رکھے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے، تم جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگا کرو، اس لیے کہ وہ جنت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے، اس کے اوپر رحمن جلّ جلالہ کا عرش ہے، اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ جنت کا اعلیٰ درجہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جنت الفردوس عرض میں جنت کے درمیان میں واقع ہے، اور جنت کا اعلیٰ ترین درجہ ہونے سے اس کی بلندی اور ارتفاع مراد ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے دنیا میں ریشم پہنا، وہ آخرت میں اسے نہیں پہن سکے گا۔ اور جس نے دنیا میں شراب پی، وہ اسے آخرت میں نہیں پیے گا۔ اور جس نے دنیا میں سونے کے برتن کھایا، وہ

آخرت میں اس میں نہیں کھائے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ اہل جنت کا لباس، اہل جنت کا مشروب، اور اہل جنت کے برتن ہوں گے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جنت میں ریشم پہننا، شراب پینا، سونے چاندی کے برتن میں کھانا اور مزے اڑانا اس وقت منع ہوگا کہ جب وہ مرنے سے پہلے ان گناہوں سے توبہ نہ کرے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جس نے دنیا میں شراب پی اور اس سے توبہ نہ کی، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس پر اسے حرام کر دیں گے۔ یہی بات ریشم پہننے اور سونے چاندی کے برتن میں کھانے کے بارے میں ہے۔ جبکہ صحیح روایت میں آتا ہے کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا، وہ آخرت میں اسے نہیں پہنے گا خواہ جنت میں داخل کیوں نہ ہو، اور جنتی اسے پہنیں گے لیکن یہ اسے نہیں پہنے گا۔ امام قرطبی نے فرمایا: اگر یہ راوی کا قول نہ ہو، تو یہ نہایت صریح نص ہے، بلکہ اگر یہ راوی کا قول ہو تب بھی۔ اس لیے کہ راوی نبی کریم ﷺ کی مراد دوسروں سے زیادہ سمجھتا ہے، اور ایسی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا۔

جنت کے درختوں پھلوں اور ان پھلوں کا بیان

جو دنیا میں جنت کے پھلوں کے مشابہ پائے جاتے ہیں

امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی کے دل پر ان کا گزر ہوا، اور چاہو تو استشہاد کے لیے یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ

لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ﴿﴾ کسی کو علم نہیں ہے جو جو سامان آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے لیے خزانہ غیب میں مخفی ہے، یہ بدلہ ہے ان کے نیک اعمال کا۔

فرمایا: جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سو سال تک سوار چلتا رہے گا پھر بھی اسے طے نہ کر سکے گا، چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿وَوَظِلٌّ مِّمُّدُودٍ﴾ اور لمبا سایہ ہوگا۔ اور جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سب سے بہتر ہے، چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۚ وَهِيَ الْحَيَوَةُ الدُّنْيَا ۚ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿۱۵﴾﴾ جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہی کامیاب ہوا، اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں سوائے ایک دھوکہ کے سودے کے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ: جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایے میں سوار ستر سال چلے گا (یا فرمایا کہ) سو سال چلے گا، یہ ”شَجَرَةُ الْخُلْد“ ہے۔

اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرمایا، جنت میں ایک درخت ہے، اگر کوئی شہسوار طاقتور اونٹ پر سوار ہو کر اس کے تنے کے نیچے چلے تو اس کے کنارہ تک نہیں پہنچ سکے گا یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے بویا، اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی، اس کی شاخیں جنت کی چار دیواری کے باہر ہوگی، اور جنت کی ہر نہر اس درخت کے نیچے سے نکلتی ہے۔

ترمذی کی روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مجھے ساتویں آسمان پر سدرة المنتہی لے جایا گیا، تو میں نے دیکھا کہ اس کے پھل بچر کے

مٹکوں کے برابر ہیں (بخیر؛ یمن میں ایک شہر ہے جہاں بڑے بڑے مٹکے بنتے تھے) اور پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے، اس کے تنے کے پاس سے دو ظاہری نہریں نکل رہی تھیں اور دو باطنی۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ تو فرمایا: باطنی نہریں جنت میں ہیں، اور ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ: سدرۃ المنتهی جنت کا اعلیٰ ترین حصہ ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ: سدرۃ المنتهی کا پھل ایسا ہے کہ اس کے ہر پھل کے دانہ سے بہتر (۷۲) قسم کے کھانے نکلیں گے، اور ہر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ: ایک دیہاتی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا جنت میں پھل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ایک درخت ہے جسے طوبیٰ کہا جاتا ہے۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دنیا کے درختوں میں سے کون سا درخت اس کے مشابہ ہے؟ فرمایا: وہ تمہاری سرزمین کے درختوں کے کسی کے بھی مشابہ نہیں، لیکن کیا تم شام گئے ہو؟ اس لیے کہ وہاں ایک درخت ہے جسے اخروٹ کا درخت کہا جاتا ہے، جو ایک تنے پر نکلتا ہے، اور اس کا اوپر کا حصہ پھیل جاتا ہے، یہ درخت اس کے مشابہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کی جڑ کتنی موٹی ہوگی؟ فرمایا: اگر تم اپنے اونٹوں میں سے جو ان اونٹ چلاؤ تو وہ اس کی جڑ کا احاطہ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ بوڑھا پے کی وجہ سے اس کی گردن ٹوٹ جائے۔ پوچھا: وہاں انگور ہوں گے؟ فرمایا: جی ہاں۔ پوچھا: اس کا خوشہ کتنا بڑا ہوگا؟ فرمایا: کالے سیاہ داغ والے اس کوے کی ایک ماہ کی مسافت کی مقدار جو اڑنے سے تھکے نہیں۔ پوچھا: اس کا انگور کتنا بڑا ہوگا؟ فرمایا: بڑے ڈول کے برابر۔ پوچھا: اے اللہ کے رسول! اس کا تو ایک دانہ میرے اور

میرے گھر والوں کا پیٹ بھر دے گا۔ فرمایا: جی ہاں! اور تمہارے دوسرے عزیز و اقارب کا بھی۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: جنت کے نخلستان جڑ سے شاخ تک تہہ بہ تہہ ہوں گے، اور اس کے پھل مٹکوں کے برابر ہوں گے، جب کوئی پھل توڑا جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا پھل خود بخود دگ جائے گا، اس کا پانی بغیر نالی کے بہے گا، اور اس کے انگور کا ہر خوشہ بارہ ہاتھ ہوگا۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: طوبیٰ؛ جنت کے ایک درخت کا نام ہے، جنت کے ہر گھر میں اس کی ایک ٹہنی ہوگی، وہاں ہر خوبصورت پرندہ ہوگا، ہر عمدہ قسم کی کھجور اس میں ہوگی۔

امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے: دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو جنت کے پھلوں کے مشابہ ہو، سوائے کیلے کے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أَكُلْهَا ذَاتِ حَمٍّ﴾ اس کا پھل دائمی ہوگا، اور کیلا گرمی سردی میں ہمیشہ ملتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو تھال انجیر ہدیہ کئے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھایا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: اسے کھا لو، میں اگر کہوں کہ کوئی پھل جنت سے اُترتا ہے تو اس انجیر کے بارے میں کہوں گا، اس لیے کہ جنت کے پھل میں گٹھلی نہیں ہوگی۔ اس کو کھایا کرو، اس لیے کہ وہ بوا سیر کو ختم کرتا ہے، اور نفرس میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ (نفرس: وہ درد جو پاؤں کے انگوٹھے میں ہوتا ہے) (فیروز: ۱۳۶۹)

حضرت عاصم بن صبرہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تریبوز سے لطف اندوز ہوا کرو، اور اس کو اچھا سمجھو، اس لیے کہ

اس کا پانی جنت سے ہے، اور اس کی شیرینی جنت کی شیرینی میں سے ہے۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس میں ایک لقمہ کھائے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیٹ میں ستر دوائیں داخل کرتے ہیں، اور اس سے ستر بیماریاں نکال دیتے ہیں، اور ہر لقمہ پر اس کے لیے دس نیکیاں لکھتے ہیں، اور دس برائیاں مٹاتے ہیں، اور دس درجات بلند کرتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقُطِیْنِ﴾ (الصافات) اور ہم نے اس پر ایک بیل دار درخت بھی اُگادیا۔ پھر فرمایا کہ: کدّ اور تربوز جنت سے آئے ہیں۔

جنت کے درخت اور نہریں، جنت والوں کے کپڑے،

گھوڑے اور اونٹنیاں بنائیں گے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جنت میں ایک درخت ہے جس کو طوبیٰ کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے کہ میرے بندے کے لیے وہ بنادو جو وہ چاہے، چنانچہ وہ اس کے لیے گھوڑا، زین، لگام اور سامان کے ساتھ نکالے گا جیسا وہ چاہے گا۔ اور اونٹنی، کجاوے، لگام اور جیسی شکل و صورت وہ چاہے گا اس کے ساتھ۔ اور اونٹنی کپڑے نکالے گا۔

نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ایک صاحب نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں جنتیوں کے کپڑے کے بارے میں بتائیے۔ کیا انہیں پیدا کیا جائے گا، یا بنایا جائے گا؟ بعض لوگ ہنسنے لگے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں ہنستے ہو؟ ایک جاہل عالم سے دریافت

کر رہا ہے۔ وہ کچھ دیر بیٹھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت کے کپڑوں کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ بتایا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ یہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: انہیں بنایا نہیں جائے گا، بلکہ جنت کے پھل انہیں بنائیں گے۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جنت کے نخلستان کے تنے سبز زرد کے، اس کی ٹہنیاں سرخ سونے کی، اور اس کی شاخیں جنتیوں کی چادریں ہوں گی۔ اس سے ان کے کپڑے اور پوشاکیں بنیں گی۔ اور اس کے پھل مسکوں اور ڈولوں کے برابر، دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں، اور مکھن سے زیادہ نرم ہوں گے، ان میں گٹھلی نہیں ہوگی۔

حدیث میں آتا ہے، ایک صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا جنت میں کھجور کے درخت ہوں گے؟ مجھے کھجور کے درخت بہت پسند ہیں۔ فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! اس کے تنے سونے کے، اور ٹہنی کاٹنے کے بعد جو حصہ تنے میں رہ جاتا ہے وہ سونے کا ہوگا۔ ٹہنیاں سونے کی ہوں گی، اور شاخیں ایسی بہترین پوشاک ہوں گی جو کسی شخص نے دیکھی نہیں ہوگی۔ اور اس کے گچھے کی جڑ سونے کی ہوگی، اور اس کے گچھے سونے کے ہوں گے۔ اور نیچے کی پیندی سونے کی، پھل مکھن کے برابر، مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ شیریں ہوں گے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بن جلی رضی اللہ عنہ مئی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے ہاتھ میں ایک لکڑی تھامی، اور فرمایا: اے جریر! اگر تم جنت میں اتنی سی لکڑی بھی مانگو تو تمہیں ملے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: پھر کھجوروں کے

درخت اور دوسرے درخت کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کی جڑیں موتی اور سونے کی اور اوپر کا حصہ پھلوں سے لدا ہوا ہوگا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں کوئی درخت نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کا تناسونے کا ہوگا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز یہ گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک جنتی نے پروردگار سے کھیتی کی اجازت مانگی۔ آپ کے پاس دیہات کا ایک آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ پروردگار نے اس جنتی سے فرمایا: کیا تمہیں یہاں سب کچھ نہیں ملا جو تم کھیتی چاہتے ہو؟ (یعنی ہر قسم کی نعمتیں تو ملی ہوئی ہیں؟) اس نے کہا: کیوں نہیں! لیکن میں کھیتی پسند کرتا ہوں۔ فرمایا: اس نے بیج ڈالے، پلک جھپکتے میں وہ اُگے، اور تنے دار ہو گئے، اور ان کے کاٹنے کا وقت ہو گیا اور وہ پہاڑ کے برابر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! لے لے؛ تیرا پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرے گا۔ اس دیہاتی نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ کھیتی کا مطالبہ کرنے والا کوئی قریشی یا انصاری ہوگا، اس لیے کہ یہ لوگ کھیتی والے ہیں، ہم تو کھیتی والے نہیں۔ رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے۔

جنت کے دروازے، ان کی تعداد، اور یہ کہ وہ کس کے

ہوں گے، ان کے نام کیا ہیں؟ اور وہ کتنے کشادہ ہوں گے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾^۱ یہاں تک کہ جب جنت کے پاس پہنچ جائیں تو اس کے دروازہ کھلے ہوں گے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ: یہ ”واو“ ثنائیہ (یعنی آٹھ) کا ہے، جنت کے آٹھ

دروازہ ہیں، اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس فرمانِ مبارک سے استدلال کیا کہ: تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ وہ وضو کرے اور اچھی طرح سے وضو کرے، پھر ”اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ پڑھے، مگر یہ کہ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں، وہ جس سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ اور بخاری و مسلم کی روایت میں بعض اعمال کے کرنے والوں کے لیے ان دروازوں کی تعیین بھی کی گئی ہے، چنانچہ فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دودو چیزیں خرچ کرے گا؛ اُسے جنت میں آواز دی جائے گی کہ اے اللہ کے بندے! یہ بہت اچھا ہے۔ جو نماز والا ہوگا اسے نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا۔ جو جہاد والا ہوگا اسے جہاد کے دروازے سے۔ جو صدقہ والا ہوگا اس کو صدقہ کے دروازے سے۔ جو زیادہ روزے رکھنے والا ہوگا اسے ”باب الرّیّان“ (سیرابی کے دروازے) سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! کسی کو اس کی حاجت تو نہیں ہوگی کہ اسے سب دروازوں سے بلایا جائے (یعنی جب ایک دروازے سے داخل مل گیا تو وہ کافی ہے) لیکن کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہوگا جسے ان سب دروازوں سے بلایا جائے؟ فرمایا: جی ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو گے۔

امام مسلم نے ایک روایت میں ان دروازوں پر اضافہ فرمایا ہے تو بہ کا دروازہ، غصہ کو پینے والوں کا دروازہ، رضا بالقضا والوں کا دروازہ، وہ دایاں دروازہ جس سے وہ لوگ داخل ہوں گے جن پر کوئی حساب و کتاب نہ ہوگا۔

اور ابو عبد اللہ حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے یہ دروازہ بھی زائد نقل کیا ہے؛ باب محمد ﷺ جو باب الرحمتہ ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ: یہ باب التوبہ ہے، اس لیے کہ

اللہ تعالیٰ نے اسے بنانے کے ساتھ کھلا رکھا ہے، اور اسے اس وقت تک بند نہیں کیا جائے گا جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے۔ جب مغرب سے نکلے گا تو اس دروازہ کو بند کر دیا جائے گا، پھر قیامت تک نہیں کھلے گا۔ اور دوسرے دروازے نیکیوں پر تقسیم ہیں، جیسے: نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج، جہاد، صلہ رحمی، عمرہ؛ اس طرح ان دروازوں کی تعداد گیارہ بن جاتی ہے۔

حافظ ابو بکر آجری رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جسے باب الضحیٰ (چاشت کا دروازہ) کہا جاتا ہے، قیامت کے روز ایک پکارنے والا پکارے گا: وہ لوگ کہاں ہیں جو چاشت کی نماز پر مداومت کرتے تھے؟ یہ تمہارا دروازہ ہے، اس لیے اس سے داخل ہو جاؤ۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جنت کا ایک دروازہ کسی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ وہ تمام امت محمدیہ ﷺ کے ان افراد کے لیے ہے جن پر کوئی ایسا عمل غالب ہو جس سے وہ پہنچانے جاتے ہوں، وہاں لوگ ہجوم کریں گے، یہاں تک کہ قریب ہوگا کہ ہجوم کی کثرت کی وجہ سے ان کے کاندھے نکل جائیں۔

جنت کے دروازوں کی وسعت اور کشادگی کے بارے میں حضرت عتبہ بن غزوٰ ان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ اپنے وعظ میں فرماتے تھے کہ ہمیں یہ بتایا گیا کہ جنت کے دروازے کی دو چوکھٹوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت ہوگی، اور اس پر ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ بھیڑ کی زیادتی کی وجہ سے وہ بھرا ہوا ہوگا۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ: جنت کی چوکھٹوں میں سے دو چوکھٹوں کے درمیان اتنی مسافت ہوگی جتنی مکہ اور ہجر، یا جتنی مکہ اور بصریٰ کے درمیان ہے، یا اس

سے بھی زیادہ۔

ایک روایت میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ستر ہزار یا سات لاکھ افراد اس طرح جنت میں داخل ہوں گے کہ وہ ایک دوسرے کو پکڑے ہوں گے، ان کا پہلا اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک کہ آخری داخل نہ ہو (یعنی ستر ہزار افراد کی اس طرح لائن ہوگی کہ سب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں گے اور ایک ساتھ دروازہ میں سے داخل ہوں گے۔ اس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جنت کا دروازہ کتنا چوڑا ہوگا) ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ممکن ہے کہ جنت کے دروازے وسعت اور کشادگی میں مختلف ہوں گے، بعض چالیس سال کے برابر کشادہ ہوں گے، اور بعض کی وسعت مکہ اور ہجر کے درمیان جتنی ہوگی، اس لیے اس میں کوئی تناقض نہیں۔

فرمایا: حدیث میں جو آتا ہے کہ جس نے اللہ کے راستہ میں دودو خرچ کئے اس سے مراد ہے ہر چیز کے دودو ہیں۔ مثلاً: دودرہم، دو جوتے، دو موزے، دو کپڑے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے مراد دودن کی نمازیں، دو روزے۔ لیکن پہلی توضیح زیادہ ظاہر ہے، اس لیے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ سے آپ کے اس فرمان میں مروی ہے کہ: جس نے اللہ کے راستہ میں دودو خرچ کئے، تو جنت کے داروغے اس کی طرف جلدی کرتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دواونٹ، دودرہم، دو کپڑے، دو جوتے۔ (اس لیے جب کہیں خرچ کرنا ہو تو کم سے کم دو چیزیں ضرور نکالو)۔

صحیحین کی روایت میں ہے کہ باب الریان سے روزہ داخل ہوں گے، جب ان کا آخری آدمی داخل ہو جائے گا تو اسے بند کر دیا جائے گا، اور اس سے اور کوئی داخل نہیں ہوگا۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا: اس طرح کی بات جنت کے ان دوسرے دروازوں کے بارے میں بھی کہی جائے گی جو مخصوص عمل والوں کے ساتھ خاص ہیں۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی کو جنت کے دروازہ پر لے جایا گیا، اس نے سراٹھایا تو جنت کے دروازہ پر لکھا تھا: صدقے کا دس گنا ثواب ملتا ہے، اور قرضہ کا اٹھارہ گنا۔ اس لیے کہ قرض لینے والا اس وقت آپ سے قرض لینے آتا ہے جب اسے حاجت ہوتی ہے، اور بعض اوقات صدقہ لاعلمی میں غنی اور مالدار کو بھی دیدیا جاتا ہے۔

جنت کے درجات کا بیان اور یہ کہ مؤمن کو کون سا درجہ ملے گا

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان۔ اور جنت الفردوس اس کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی سے جنت کی چاروں نہریں بہتی ہیں، اس کے اوپر عرش ہے، لہذا جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ: جنت کے پہلے درجہ کے مکان کے کمرے، دروازے، تخت، تالے؛ سب چاندی کے ہوں گے۔ اور دوسرے درجہ کے گھر، کمرے، دروازے، تخت، دروازے کے تالے؛ سونے کے ہوں گے۔ اور تیسرے درجہ کے گھر، کمرے، دروازے، تخت، دروازے کے تالے؛ یاقوت موتی

اور زبرد کے ہوں گے۔ اور ستانوے (۹۷) درجات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کیا ہیں۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں سو درجات ہیں، اگر تمام عالم والے ان میں سے ایک میں جمع ہو جائیں تو وہ ان کے لیے کافی ہو جائے گا۔

ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کا حافظ جب جنت میں داخل ہو جائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تو پڑھ اور چڑھ۔ وہ قرآن شریف پڑھتا جائے گا اور جنت کے درجات چڑھتا جائے گا، ہر آیت پر ایک درجہ بڑھے گا، یہاں تک کہ آخری آیت تک پہنچ جائے گا۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ قرآن کریم کے قاری سے کہا جائے گا: تو پڑھ اور چڑھ، اور اس طرح ترتیل سے پڑھنا جس طرح تم دنیا میں ترتیل سے پڑھتے تھے، اس لیے کہ تمہارا ٹھکانہ اس آخری آیت پر ہوگا جسے تم پڑھو گے۔

ایک روایت میں ہے: جنت کے درجات قرآن کریم کی آیات کے مطابق ہیں، ہر آیت کا ایک درجہ ہے (قرآن کریم کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو سولہ (۶۲۱۶) ہے) ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کے درمیان کی مسافت کا فاصلہ ہوگا۔ اس کو اعلیٰ علین میں لے جایا جائے گا، اس کے ستر ہزار گوشے ہوں گے، اور وہ ایک یاقوت ہوگا جو تین دن رات کی مسافت سے روشن ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: قرآن کریم کی آیات کی تعداد جنت کے درجات کی تعداد کے برابر ہیں۔

امام قریطیؒ نے فرمایا: ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ قراء اور حاملین قرآن سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے احکام اور حلال و حرام کو جانتے، اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل کرتے ہوں، صرف الفاظ کے قاری اور زبانی قرآن یاد کرنے والے مراد نہیں۔
امام مالکؒ نے فرمایا: بعض اوقات قرآن کریم کو وہ شخص پڑھتا ہے جس میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔ اور ابواب النار (دوزخ کے دروازوں) میں اس آدمی کی سزا گزر چکی ہے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، اس لیے ہم یہاں اسے دوبارہ ذکر نہیں کرتے۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن کریم سیکھا اور اس کو سکھایا اور اس پر عمل نہیں کیا، بلکہ اس میں تحریف کی، قرآن اس کے لیے جہنم کا سفارشی اور رہنما بنے گا۔ اور جس نے قرآن کریم کو سیکھا اور اس پر عمل کیا تو اس کے لیے جنت تک پہنچانے والا، اور جنت کا سفارشی بنے گا۔

بخاری شریف میں ہے کہ ایسے مؤمن کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے، ترجیح کی طرح ہے جس کا مزہ اچھا اور خوشبو عمدہ ہوتی ہے۔ اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اس کھجور کی طرح ہے جس کا مزہ اچھا ہے لیکن اس میں کوئی خوشبو نہیں۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا ایلوے کی طرح ہے جس کا مزہ کڑوا ہے اور اس میں کوئی خوشبو نہیں۔ اور پہلے یہ گزر چکا ہے کہ قرآن پڑھنے والا جب اس پر عمل بھی کرتا ہے، تو جنت کے تمام درجات پار کرے گا۔

بالا خانوں اور اس کے مستحقین کا بیان

مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت والے اوپر

کے بالا خانوں کے آپسی درجات کے تفاوت کی وجہ سے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم اس روشن ستارے کو دیکھتے ہو جو افق میں ہو، مشرق یا مغرب میں غروب ہو رہا ہو۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ انبیاء کے درجات ہوں گے جن تک ان کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچ سکتا؟ فرمایا: نہیں؛ قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ جل شانہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی، یعنی جس کا انہیں حکم دیا گیا اس پر عمل کیا، اس لیے کہ بغیر عمل کی تصدیق پر ایسا درجہ نہیں مل سکتا۔

امام ترمذی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمانِ الہی: یہ وہ لوگ ہیں جن کو صبر کی وجہ سے بالا خانہ ملے گا، اور فرمانِ الہی: وہ بالا خانوں میں امن سے ہوں گے، اس کے بارے میں فرمایا: ایک ایک بالا خانہ ایک سرخ یا قوت، یا سبز زمر، یا سفید موتی کا ہوگا۔ اس میں نہ حنلا ہوگا، نہ جوڑ۔ اور اہل جنت ایک دوسرے کو بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کنارے پر مشرق یا مغرب میں ستارے کو دیکھتے ہو (یعنی ایک ہی ستارہ یہاں سے بھی نظر آتا ہے اور وہاں بھی وہی نظر آتا ہے، اس طرح اونچائی پر دیکھیں گے)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے باہمی محبت کرنے والے سرخ یا قوت کے ستون پر ہوں گے، ستون کے اوپر کے حصے پر ستر ہزار بالا خانے ہوں گے، ان کا حسن اہل جنت پر اس طرح روشن ہوگا جیسا دنیا والوں کے لیے سورج روشن ہوتا ہے۔ جنت والے ایک دوسرے سے کہیں گے: چلو! چل کر اللہ کے لیے آپس میں محبت کرنے والوں کا نظارہ کریں۔ جب وہ ان کو دیکھیں گے تو ان کا حسن جنت والوں پر اس طرح روشنی ڈالے گا

جس طرح سورج دنیا والوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ انہوں نے سبز سُندُس اور ریشم کے کپڑے پہنے ہوں گے، ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوگا: یہ اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کرنے والے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: علیین والے اہل جنت کو دیکھیں گے، جب علیین والوں میں سے کوئی آدمی جنت میں جھانکے گا تو اس کے چہرے کی روشنی سے جنت چمک اُٹھے گی۔ جنتی کہیں گے: یہ نور کیسا ہے؟ کہا جائے گا: سچے نیک فرمانبردار علیین والوں میں سے ایک شخص نے جھانکا ہے۔

امام ترمذی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایسے بالا خانے ہوں گے جن کا باہر کا حصہ اندر سے اور اندر کا باہر سے نظر آئے گا۔ ایک صاحب نے کھڑے ہو کر پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ بالا خانے کسے حاصل ہوں گے؟ فرمایا: جس نے نرم بات کی، کھانا کھلایا، مسلسل روزے رکھے، اور رات کو نماز پڑھی جب لوگ سوئے پڑے ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ: یہ اس کے لیے ہے جو سلام کو پھیلانے۔

ابو نعیم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس کی کون طاقت رکھتا ہے؟ فرمایا: میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے، اور میں تمہیں بتاؤں کہ کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے، سلام کرے اس نے سلام کو پھیلایا۔ اور جس نے اپنے اہل و عیال کو پیٹ بھر کر کھلایا، اس نے کھانا کھلانا۔ اور جس نے پورے رمضان کے اور ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھے، اس نے گویا مسلسل روزے رکھے۔ اور جس نے عشاء جماعت سے پڑھی، اس نے اس

حال میں نماز پڑھی کہ لوگ (یعنی یہود و نصاریٰ) سوئے ہوئے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں کہ جن کے اوپر چھت اور نیچے ستون نہیں ہوں گے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! اس میں رہنے والے وہاں کس طرح داخل ہوں گے؟ فرمایا: پرندوں کی طرح داخل ہوں گے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ کس کے ہوں گے؟ فرمایا: بیماروں، تکالیف اور مصیبتوں اور درد و الم والوں کے لیے۔

حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ: قیامت میں کچھ لوگوں کو لایا جائے گا جو نہ بنی ہوں گے اور نہ شہید۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے انبیاء و شہداء ان پر غبطہ اور رشک کریں گے، وہ نور کے ممبروں پر ہوں گے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ جل شانہ کو لوگوں کا محبوب بناتے ہیں اور لوگوں کو اللہ جل شانہ کا۔ اور اللہ کی رضا کے لیے لوگوں کو زمین پر نصیحت کرتے پھرتے ہیں۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ جل شانہ کو لوگوں کا محبوب بناتے ہیں یہ تو ٹھیک ہے، لیکن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا محبوب کس طرح بناتے ہیں؟ فرمایا: انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ جب لوگ ان کی بات مانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔

جنت کے محلات، مکانات اور کمروں کا بیان

اور یہ کہ وہ مؤمنوں کو کس طرح حاصل ہوں گے

حافظ ابو بکر آجڑی حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اللہ

تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَمَسَاكِينَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ﴾ اور وعدہ کر رکھا ہے پاکیزہ مکانوں کا ہمیشہ کے باغوں میں؛ اس سلسلہ میں نقل کرتے ہیں کہ آپ باخبر سے ملے ہیں، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا: جنت میں ایک موتی کا محل ہوگا، اس محل میں سرخ یا قوت کے ستر (۷۰) گھر ہوں گے، ہر گھر میں سبز زبرجد کے ستر (۷۰) کمرے ہوں گے، ہر کمرے میں ستر (۷۰) تخت ہوں گے، ہر تخت پر مختلف قسم کے ستر (۷۰) بچھونے ہوں گے، ہر بچھونے پر ستر (۷۰) بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی، ہر کمرے میں ستر (۷۰) دسترخوان ہوں گے، ہر دسترخوان پر ستر (۷۰) قسم کے کھانے ہوں گے۔ ہر کمرے میں ستر (۷۰) غلام اور باندیاں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ مؤمن کو ایک صبح میں اتنی قوت دے گا کہ وہ ان سب کو استعمال کر سکے۔

حدیث میں آتا ہے کہ: جنتیوں کے محلات میں سے ایک محل میں ستر (۷۰) بالا خانے ہوں گے، ہر بالا خانے میں موٹی موٹی آنکھوں والی ستر (۷۰) حوروں میں بیویاں ہوں گی۔ ہر بالا خانے میں ستر (۷۰) دروازے ہوں گے، ہر دروازے سے جنت کی خوشبوؤں میں سے ایسی خوشبو آئے گی جو دوسرے دروازے سے نہیں آتی ہوگی۔ پھر فرمایا: یہی مراد ہے فرمان الہی: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ کسی کو علم نہیں ہے جو جو سامان آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے لیے خزانہ مرغیب میں پوشیدہ ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دس مرتبہ ”قل هو اللہ احد“ پڑھی اس کے لیے جنت میں ایک محل بنے گا۔ اور جو بیس مرتبہ پڑھے

گا، اس کے لیے دو محل بنیں گے۔ اور جو تیس مرتبہ پڑھے گا اس کے لیے تین محل بنیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! پھر تو ہم اپنے لیے خوب محل بنائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ کا فضل اس سے بہت زیادہ ہے۔

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ: اللہ جل شانہ جب کسی بندے کے بیٹے کو اٹھا لیتے ہیں تو فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں کہ: آپ کی تعریف کی اور! نا اللہ پڑھی۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اس کے لیے جنت میں بیت الحمد نامی گھر بنا دو۔ (اللہ جل شانہ ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو ان درجات کا اہل بنائے)۔

جنت کے خیموں اور بازاروں کا بیان

امام مسلم حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک کھوکھلے موتی کا خیمہ ہوگا جس کا عرض (چوڑائی) ساٹھ میل ہوگا، اس کے ہر ایک گوشہ میں مؤمن کے گھر والے ہوں گے جو دوسرے کو نہ دیکھ سکیں گے، مؤمن ان کے ساتھ صحبت کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ آسمان میں اس کا طول ساٹھ میل ہوگا۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ: جنت میں ایک بازار ہوگا جہاں پر جنتی جمعہ کے دن آئیں گے۔ شمال کی جانب سے ایک ہوا چلے گی۔ ان کے چہروں اور کپڑوں پر چھڑکاؤ کرے گی، جس سے وہ حسن و جمال میں اور بڑھ جائیں گے۔ جب وہ حسن و جمال میں اضافہ کے ساتھ اپنے گھر والوں کے پاس آئیں گے تو ان کے گھر والے کہیں گے: بخدا! ہم سے جدا ہونے کے بعد آپ اور زیادہ حسین و جمیل ہو گئے ہیں۔ وہ بھی

کہیں گے: بخدا! تم بھی تو ہم سے جدا ہونے کے بعد اور زیادہ حسین و جمیل ہو گئیں۔

امام ترمذی حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک روز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں اکٹھا کرے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا جنت میں بازار ہوگا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! اور حدیث ذکر کی۔

ایک روایت میں ہے کہ: جنت میں ایک بازار ہے، فرشتے اسے گھیرے رہتے ہیں، لوگوں نے اس جیسا بازار نہ دیکھا ہوگا، اور نہ کانوں نے اس جیسے بازار کے بارے میں سنا ہوگا، نہ دلوں پر اس کا خیال گزرا ہوگا۔ وہاں سے ہمارے لیے وہ کچھ لایا جائے گا جو کچھ ہم چاہیں گے، وہاں خرید و فروخت نہ ہوگی۔ جنتی اس بازار میں ایک دوسرے سے ملیں گے، بڑے درجے والا اپنے سے کم درجے والے سے ملے گا حالانکہ ان میں سے کوئی بھی معمولی نہیں ہوگا، اور وہ اس کے لباس کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائے گا، لیکن ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی ہوگی کہ اسے محسوس ہوگا کہ وہ اس سے زیادہ اچھا لباس پہنے ہوئے ہے، اور یہ اس لیے کہ کسی جنتی کے لیے وہاں حزن و ملال کا نام و نشان نہ ہوگا۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک بازار ہوگا جس میں خرید و فروخت نہ ہوگی، صرف مردوں اور عورتوں کی تصویریں ہوں گی، جب کوئی شخص کوئی صورت پسند کرے گا وہ صورت اسے مل جائے گی۔

حدیث میں آتا ہے کہ: جنت میں ایسی بازاریں ہوں گی جن میں حشر و فروخت نہ ہوگی، لیکن جنتی جب وہاں پہنچ جائیں گے تو موتی اور مشک کی مٹی پر ٹیک لگا

کر بیٹھے جائیں گے، ان بازار میں اس طرح متعارف ہوں گے جس طرح دنیا میں ہوتے تھے، اور وہ یاد کریں گے کہ دنیا کیسی تھی، اور وہ اپنے پروردگار کی کس طرح عبادت کرتے تھے، رات کو جاگ کر کس طرح عبادت کرتے تھے، دن کو روزہ رکھتے تھے، دنیا کا فقر و مال داری کیسی تھی، موت کیسی تھی، اور اتنی طویل بوسیدگی کے بعد ہم کس طرح اہل جنت میں سے بن گئے۔

جنت میں کوئی شخص بغیر پاسپورٹ کے داخل نہ ہو سکے گا

ابوبکر خطیب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں کوئی شخص بغیر پاسپورٹ کے داخل نہ ہوگا۔ اور پاسپورٹ یہ ہوگا: بسم اللہ الرحمن الرحیم؛ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں بن فلاں کے لیے کتاب (تحریر) ہے، اسے بلند و بالا ایسی جنت میں داخل کر دو جس کا پھل قریب کو لٹکا ہوا ہو۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا: یہ شاید ان کے علاوہ کے لیے ہوگا جو جنت میں بلا حساب و کتاب داخل ہوں گے۔

اہل جنت کے مراتب، عمریں، لمبائی، شباب، بالا خانوں،

کپڑوں، کنگھیوں، دھونی، بیویوں اور عورتوں وغیرہ کا بیان

امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کی پہلی وہ جماعت جو جنت میں داخل ہوگی وہ چودہویں رات کے چاند کے مانند ہوگی، پھر جو لوگ ان کے بعد ہوں گے وہ آسمان کے چمکدار ستاروں کی طرح ہوں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ پھر اس کے بعد والے درجات والے ہوں گے، وہ وہاں نہ پیشاب کریں، نہ پاخانہ، نہ تھوکیں گے، نہ ناک کی ریزش ہوگی، ان کی کنگھیاں سونے چاندی کی ہوں گی، ان کا پسینہ مشک کی خوشبو والا ہوگا، ان کی دھونی اُگر کی ہوگی، اور ان کی بیویاں موٹی موٹی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔

ایک روایت میں ہے کہ: ان میں سے ہر ایک کو دو بیویاں ملیں گی جن کی پنڈلی کا گودا احسن کی وجہ سے گوشت کے باہر سے نظر آئے گا، ان میں نہ اختلاف ہوگا، نہ بغض و حسد۔ ان کے دل ایک آدمی کے دل کی طرح متحد ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ: ان کے اخلاق ایک آدمی کے اخلاق کی طرح ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ: ان کی لمبائی ان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی لمبائی کے مطابق ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ: آسمان میں اپنے جد امجد کی صورت پر ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: جنت میں عورتیں مردوں سے زیادہ ہوں گی، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان میں سے ہر شخص کو دو ایسی بیویاں ملیں گی جن کی پنڈلی کی ہڈی کا گودا گوشت کے باہر سے نظر آئے گا، اور جنت میں کوئی غیر شادی شدہ نہ ہوگا۔

امام ترمذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت کی عورتوں میں سے ہر عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر (۷۰) پوشاکوں میں سے نظر آئے گی، یہاں تک کہ اس کی ہڈی کا گودا بھی نظر آئے گا، اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ﴾ گویا وہ یاقوت اور مرجان ہے۔ یاقوت ایسا پتھر ہے کہ اگر تم اس میں سے تاگ داخل کر کے صاف کر دو تو وہ نظر آنے لگے۔

بخاری شریف میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی جنتی عورت زمین کی طرف جھانک دے، تو آسمان و زمین کے درمیان کا حصہ روشن ہو جائے گا، اور وہ اسے خوشبو سے بھر دے گا، اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سب سے بہتر ہے۔

ترمذی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنتی بے بال بے ریش، سرگیں آنکھوں والے، تیس یا تینتیس سال کے ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ: جنتی بے بال اور بے ریش ہوں گے، سوائے حضرت موسیٰ بن عمران کے؛ کہ ان کی ڈاڑھی ناف تک ہوگی۔

اور ترمذی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی جنتی جھانک دے اور اس کا نگن ظاہر ہو جائے تو اس کی وجہ سے سورج کی روشنی ایسی ماند پڑ جائے جس طرح ستاروں کی روشنی کو سورج ختم کر دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنتیوں میں سے جب کوئی چھوٹا بڑا مرتا ہے تو جنت میں ان سب کو تینتیس سال کا بنا دیا جائے گا، اور وہ اس سے زیادہ عمر کے نہ ہوں گے۔ یہی حال دوزخیوں کا بھی ہوگا۔ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ دوزخیوں کے تینتیس سال کا ہونے میں اہل کشف نے طویل کلام کیا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جنت میں کنگھی کی کیا ضرورت ہوگی؟ اس لیے کہ بال غبار آلود نہ ہوں گے، اور نہ ان میں میل کچیل جمے گا۔ اور دھونی کی کیا ضرورت ہوگی؟ اس لیے کہ ان کے پسینہ کی خوشبو مشک سے زیادہ بہتر ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

جنتیوں کی نعمتیں اور وہاں کا لباس کسی پریشانی اور تکلیف کو دور کرنے کے لیے نہیں ہوگا، اسی طرح ان کا کھانا پینا بھی بھوک پیاس کو مٹانے کے لیے نہیں ہوگا، اسی طرح خوشبو لگانا بھی بدبو کی وجہ سے نہ ہوگا، بلکہ یہ مختلف قسم کی پے درپے نعمتیں ہوں گی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا: ﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۖ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ ۖ﴾ اس جنت میں تو یہ ہے کہ تم نہ تو کبھی بھوکے ہو گے اور نہ ننگے۔ اور اس میں نہ تم پیاسے ہو گے، اور نہ دھوپ میں تپو گے۔ اس میں بظاہر حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کو اس نوع کی نعمتیں عطا فرمائیں جن سے وہ دنیا میں مستفید ہوتے تھے، اور اس پر اتنا اضافہ فرمایا کہ جس کا صحیح اندازہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔ یہی حکمت دوزخیوں کے لیے بھی ہے۔ فرمایا: ﴿إِذَا الْأَعْلَىٰ فِي أَعْنَاقِهِمُ وَالسَّلْسِلُ يُسْحَبُونَ ۖ﴾ ﴿٤﴾ فی الْحَمِيمِ ﴿٥﴾ جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، اور ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لے جایا جائے گا۔ اور فرمایا: ﴿إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَحِمِيمًا﴾ ﴿٦﴾ ہمارے یہاں تو بیڑیاں ہی ہیں اور دوزخ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع کا عذاب دیا جس طرح کا عذاب وہ دنیا میں دیا کرتے تھے۔

حضرت شعبیؒ فرمایا کرتے تھے کہ: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے پاؤں میں بیڑیاں اس خوف سے ڈالی ہیں کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائیں؟ نہیں! بخدا یہ بات نہیں؛ بلکہ جب وہ بلند ہونا چاہیں گے تو آگ انہیں اوپر اٹھائے گی، پھر نیچے لے آئے گی، ان سے کبھی جدا نہ ہوگی۔

حضرت ابن شہابؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ہمیں روایت پہنچی ہے کہ اہل جنت

کی زبان عربی ہوگی، اور جب وہ قبروں سے نکلیں گے تو ان کی زبان سریانی ہوگی۔
 اور حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ہمیں روایت پہنچی ہے کہ
 قیامت کے روز لوگ جنت میں داخل ہونے سے پہلے سریانی زبان بولیں گے، جب
 جنت میں داخل ہو جائیں گے تو عربی بولیں گے۔

بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں، ان کی گفتگو

اور عورتوں کا جواب اور ان کے حسن و جمال کا بیان

علماء نے لکھا ہے کہ دنیاوی عورتیں ایک ہی عمر کی ہوں گی اور بڑی بڑی
 آنکھوں والی حوروں کی مختلف اقسام کی ہوں گی، چھوٹی بھی اور بڑی بھی، اور جیسا جنت
 والوں کا دل چاہے گا۔

امام ترمذی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ
 نے ارشاد فرمایا: جنت میں موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں کی ایک اجتماع گاہ ہوگی، وہ
 ایسی پیاری آواز سے اشعار پڑھیں گی کہ اس جیسی آواز مخلوق نے نہ سنی ہوگی، وہ کہیں
 گی: ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، کبھی ختم نہ ہوں گی۔ ہم نعمتوں میں رہنے والیاں ہیں،
 کبھی خستہ حال نہ ہوں گی۔ ہم ہمیشہ راضی رہنے والیاں ہیں، کبھی ناراض نہ ہوں گی۔
 اچھائی ہے اس کے لیے جو ہمارا ہو، اور ہم جس کے ہوئے۔ حضرت عائشہؓ فرمایا
 کرتی تھیں: جب موٹی آنکھوں والی حوریں یہ بات کہیں گی تو دنیا کی مؤمن عورتیں
 انہیں یہ جواب دیں گی کہ: ہم نماز پڑھنے والیاں ہیں، تم نے تو کبھی نماز نہیں پڑھی۔ ہم
 روزہ رکھنے والیاں ہیں، تم نے تو کبھی روزہ نہیں رکھا۔ ہم وضو کرنے والیاں ہیں، تم

نے وضو نہیں کیا۔ ہم صدقہ کرنے والیاں ہیں، تم نے کبھی صدقہ نہیں کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: بخدا! وہ دنیا والیاں ان پر غالب آگئیں۔

اور محمد بن کعب قرظیؓ فرمایا کرتے تھے: قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں؛ اگر موٹی آنکھوں والی حوروں میں سے کوئی حور اوپر سے اپنا کسنگن ظاہر کر دے، تو اس کا نور چاند سورج کے نور پر غالب آجائے گا، پھر اس حور کا حال کیا ہوگا جو سرتاپا آراستہ اور منور ہو؟ اسی طرح ان کپڑوں اور زیورات سب کا حال ہوگا کہ ان کا نور اور چمک دمک سورج کی روشنی پر غالب ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: جنت میں ایسی حور ہوگی جسے ”عُنیاء“ کہا جاتا ہوگا، وہ جب چلے گی تو اس کے دائیں بائیں ستر ستر ہزار غلام چلیں گے، اور وہ یہ کہتی ہوگی کہ: کہاں ہیں اچھی باتوں کا حکم دینے والے، اور بری باتوں سے روکنے والے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ: جنت میں ایک حور ہوگی جسے ”لُعْبۃ“ کہا جائے گا، اگر وہ کھاری سمندر میں تھوک دے تو اس کا تمام پانی میٹھا ہو جائے۔ اس کے سینے پر لکھا ہوگا: جس کو یہ پسند ہو کہ اسے مجھ جیسی حور ملے تو اسے میرے پروردگار عزوجل کی عبادت کرنا چاہیے۔

اسراء اور معراج کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسراء والی رات ایک حور کی تعریف فرمائی، اور فرمایا کہ: میں نے اس کی پیشانی کو چاند کی طرح روشن دیکھا، اس کی لمبائی ایک ہزار تیس گز تھی، اس کے سر میں سولہیں بندھی تھیں، ہر لٹ کے درمیان ستر ہزار گیسو تھے جو چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن تھے۔ اس

کی پازیب موتیوں اور مختلف قسم کے جواہرات سے جڑی ہوئی تھی۔ اس کی پیشانی پر دو سطریں موتی اور جواہرات سے لکھی ہوئی تھی، پہلی سطر میں لکھا تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم اور دوسری میں لکھا تھا کہ: جو مجھ جیسی حسینہ کو حاصل کرنا چاہے، اسے میرے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا چاہیے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے محمد! یہ اور اس جیسی حوریں آپ کی امت کے لیے ہیں، آپ کو مبارک ہو، اور اپنی امت کو بھی یہ خوشخبری دیدیجئے، اور انہیں حکم دیجئے کہ وہ اللہ جل شانہ کی خوب اطاعت کی کوشش کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں میں سے ایک حور ایسی ہوگی کہ اس کی پنڈلی کی ہڈی کا گوشت اور ہڈی ستر (۷۰) پوشاکوں کے اندر سے اس طرح نظر آئے گی جس طرح سرخ شربت سفید گلاس میں سے نظر آتا ہے۔

اور حضرت حیان بن ابی جبلة رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: دنیا کی عورتوں میں سے جو جنت میں داخل ہوں گی وہ ان حوروں سے بڑے درجہ والی ہوں گی، اس لیے کہ دنیا میں انہوں نے اللہ جل شانہ کی رضا کے لیے عبادت اور نیکیاں کی تھیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل جنت دنیا کی عورتیں موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں سے ستر ہزار گنا زیادہ بہتر ہوں گی۔

موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں کا مہر اعمالِ صالحہ ہے

ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ

رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ ﴿﴾ اور ان لوگوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ ان کے لیے جنت کے باغ ہیں، ان کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے، انہیں جب کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو وہ بول اٹھیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے مل چکا ہے۔ اور انہیں وہ دیا ہی جائے گا جو اس سے ملتا جلتا ہوگا۔ اور ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔

حکیم ترمذی نوادر الاصول میں حضرت ابو مسعود غفاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ: کوئی شخص ایسا نہیں جو رمضان کا ایک روزہ رکھے مگر یہ کہ اس کی شادی ایک موٹی آنکھوں والی حور سے کھوکھلے موتی کے خیمہ میں کرائی جائے گی۔ اور جس کی توثیق اللہ جل شانہ نے اپنے اس فرمان میں کی ہے: ﴿حُورٌ مَّقْصُودَاتٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ گورے رنگ والیاں خیموں میں محفوظ ہوں گی۔ ان میں سے ہر حور پر ستر پوشاکیں ہوں گی، کوئی پوشاک دوسرے سے مشابہ نہ ہوگی۔ ستر قسم کی خوشبوئیں دی جائیں گی، جن میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف ہوگی۔ ان میں ہر عورت کو سرخ یا قوت کی ایسی ستر مسہریاں ملیں گی جو موتیوں سے جڑی ہوئی ہوں گی، ہر مسہری پر ستر بچھونے ہوں گے، ہر بچھونے پر مزمین اور آراستہ تخت ہوگا، ان میں سے ہر عورت کو اس کی خدمت و ضروریات پوری کرنے کے لیے ستر ہزار خادماں ہوں گے، ہر مسہری پر ستر بچھونے ہوں گے، ہر خادم کے پاس سونے کا ایک پیالہ ہوگا جس میں مختلف قسم کے کھانے ہوں گے، ان میں سے ہر ایک کا ایسا منفرد ذائقہ اور لذت ہوگی جو دوسرے کی نہیں۔ اس حور کے شوہر کو بھی اتنا ہی کچھ دیا جائے گا، وہ سرخ یا قوت کی مسہری پر ہوگا، اس نے سونے کے دو کنگن پہنے ہوں گے جن میں سرخ یا قوت ہوں گے۔ یہ اعزاز ہر

اُس روزے پر ہوگا جو انسان نے رمضان کے مہینے میں رکھا ہوگا اور نیکیوں کے علاوہ۔
اور پہلے ترمذی کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک گزر چکا ہے کہ: موٹی موٹی آنکھوں والی بہتر (۷۲) حوروں سے شہید کی شادی کرائی جائے گی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مسجدوں میں جھاڑو دینا موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے۔

حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ مسجد سے کوڑا کرکٹ نکالنا حورِ عین کا مہر ہے۔
اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: تم میں سے ایک شخص فلاں بن فلاں کی بیٹی سے شادی کرنے کے لیے اتنی بڑی رقم خرچ کرتا ہے، اور ایک لقمے، ایک کھجور اور ایک ٹکڑے کے بدلے حاصل ہونے والی حورِ عین کو چھوڑ دیتا ہے؟
امام سخون رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: مصر میں سعید نامی ایک شخص تھا، ان کی والدہ بڑی نیک و صالحہ تھیں، ان کے بیٹے رات کو ان کی امامت کیا کرتے تھے، جب ان پر نیند کا غلبہ ہوتا اور وہ اونگھنے لگتے تو ان کی والدہ ان سے کہتیں: اے سعید! وہ شخص سوتا نہیں جسے دوزخ کی آگ کا ڈر ہو، اور جو خوبصورت حوروں کو پیغامِ نکاح بھیجنا چاہتا ہو۔ یہ سن کر وہ مرعوب اور دہشت زدہ ہو کر جاگ جاتے۔

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ نے ایک حور کو خواب میں دیکھا، اس سے پوچھا: تم کس کی ہو؟ اس نے کہا: ان کی جو رات میں اس وقت تہجد پڑھتے ہیں جب سب پڑے ہوئے سوتے ہیں۔

ایک صاحب نے ایک نہایت حسین و جمیل حور کو دیکھ کر اس سے کہا: تم کس کی ہو؟ اس نے کہا: جو چار ہزار مرتبہ قرآنِ پاک کو ختم کرے۔ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ

اس شخص کا اس دن انتقال ہوا جس دن اس نے چار ہزار قرآن پاک مکمل کر لیے۔ وہ پرانی مشک کی طرح لاغراور دبے ہو گئے تھے۔

شیخ نصر القاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ: ایک دن مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا، میں تہجد نہ پڑھ سکا، میں نے خواب میں ایک خوبصورت لڑکی دیکھی، میں نے اس سے زیادہ حسین لڑکی کبھی نہ دیکھی تھی، اس کے پاس ایک پرچہ تھا جس میں کچھ لکھا ہوا تھا، اس نے مجھ سے کہا: شیخ صاحب! کیا آپ پڑھ سکتے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ اس نے مجھے وہ کاغذ دیا جس میں اشعار لکھے ہوئے تھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ”تمہیں لذات اور خواہشات نے جنت الفردوس اور پھلوں سے لدے ہوئے پگھلوں سے غافل بنا دیا۔ نیند کی لذت نے ایسی بہترین زندگی سے غافل کر دیا جو حسیناؤں کے ساتھ جنت کے بالا خانوں میں ملے گی۔ اُٹھو! اپنی نیند سے جاگ جاؤ؛ اس لیے کہ تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت سونے سے بہت بہتر ہے۔“

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ: میرا ایک معمول تھا جسے میں ہر رات پڑھا کرتا تھا۔ نیند کی وجہ سے ایک رات اُسے نہ پڑھ سکا، اور سو گیا۔ خواب میں ایک لڑکی آئی جو نہایت خوبصورت ترین تھی، اس کے ہاتھوں میں ایک پرچہ تھا، اس نے مجھ سے کہا: آپ پڑھ سکتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ اس نے وہ پرچہ مجھے دیا، اس میں اشعار لکھے ہوئے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے: ”تجھے سونے نے آرزوؤں کے حاصل کرنے سے روک دیا، اور جنت کی ان رہنے والیوں سے جہاں تم ہمیشہ ہمیش رہو گے، اس میں موت کبھی نہیں آئے گی، اور حسیناؤں کے ساتھ خیموں میں مزے کرتے رہو گے۔ تم نیند سے جاگو، اس لیے کہ سونے سے تہجد میں قرآن کریم پڑھنا بہت بہتر ہے۔“

حوریں کس چیز سے پیدا کی گئیں

روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: حور عین کس چیز سے پیدا کی گئی ہے؟ فرمایا: تین چیزوں سے؛ ان کا نچلا حصہ مُشک سے بنا ہے، درمیانی حصہ عنبر سے، اور اوپر کا حصہ کافور سے۔ ان کے بال اور ابروئیں (بھوئیں) نور میں ایک سیاہ لکیر ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ: اے جبرئیل! آپ مجھے بتلائیے کہ اللہ تعالیٰ حور عین کو کیسے پیدا فرمائیں گے؟ فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ جل شانہ نے انہیں عنبر اور زعفران کی ٹہنیوں سے پیدا کیا ہے، ان پر خیمے لگے ہیں، سب سے پہلے ان کی جو چیز پیدا ہوگی وہ خوشبودار اور سفید مُشک کا سینہ ہوگا، اس پر سارا جسم بنے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ: اللہ جل شانہ نے حور عین کو ان کے پاؤں کی انگلیوں سے گھٹنے تک زعفران سے پیدا کیا ہے، اور گھٹنے سے سینے تک خوشبودار مُشک سے، اور سینہ سے گردن تک عنبرِ اشہب سے، اور گردن سے سر تک سفید کافور سے۔ ان پر ستر ہزار پوشائیں گلِ لالہ کی طرح ہوں گی۔ جب وہ سامنے آئے گی تو اس کا چہرہ روشن نور سے ایسا چمکے گا جیسے دنیا والوں کے لیے سورج چمکتا ہے، اور ان کے کپڑوں اور کھال کی باریکی کی وجہ سے اس کا جگر اور بکجی نظر آئے گی۔ اس کے سر میں ستر ہزار گیسو (لٹیں) ہوں گے۔ اس کے پاس ایک خادمہ ہوگی جو اس کا دامن اٹھا کر چلے گی اور یہ کہتی ہوگی: یہ ثواب ہے اولیاء کا، بدلہ ہے اس کا جو آپ اعمالِ صالحہ کیا کرتے تھے۔ اس لیے اے بھائیو! نیک اعمال کیا کرو اور اعمال سے تنگ دل

مت ہو، اس لیے کہ اس عظیم جزا کو سننے کے بعد جو اعمالِ صالحہ سے تنگ ہوا، اس سے چوپائے بھی زیادہ بہتر ہیں۔

دنیا میں جو کنواری سے شادی کرے گا

وہ آخرت میں اس کی بیوی بنے گی

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کو بہت مارا کرتے تھے، ایک روز ان کی اجازت کے بغیر وہ گھر سے نکلی تو انہوں نے اس کی سوکن کے بال سے ان کے بال باندھ کر انہیں خوب مارا۔ ان کی سوکن کی ناک اسماء سے زیادہ اچھی تھی اس لیے اسماء کو اور زیادہ مار پڑی۔ انہوں نے اپنے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ انہوں نے کہا: بیٹی! صبر کرو، اس لیے کہ زبیر نیک آدمی ہیں، ہو سکتا ہے کہ جنت میں وہ تمہارے شوہر بنیں۔ اور فرمایا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کنواری سے شادی کرے تو جنت میں بھی اس سے شادی کرے گا۔

امام ابو بکر بن عربی نے فرمایا: اگر کسی عورت کی کئی مردوں سے شادی ہوئی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں یہ مروی ہے کہ: اُسے ان شوہروں کے بارے میں اختیار دیا جائے گا، جس شوہر کو وہ پسند کرے گی اس کی بن جائے گی۔

ایک روایت میں ہے: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے جنت میں جمع کر دے اور تم یہ چاہو کہ تم وہاں بھی میری بیوی بنو تو میرے بعد کسی سے شادی مت کرنا، اس لیے کہ جنت میں عورت آخر والے شوہر کی ہوگی۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح بھیجا، انہوں نے شادی سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ: میں نے ابو درداء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ: آخرت میں عورت سب سے بعد والے شوہر کی ہوگی، اس لیے تم میرے بعد شادی نہ کرنا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! اگر کسی عورت کے دنیا میں دوشوہر ہوئے ہوں، پھر دونوں مرد جائیں اور دونوں جنت میں ہوں تو عورت پہلے شوہر کو ملے گی یا بعد والے کو؟ فرمایا: دونوں میں سے جو اس کے ساتھ دنیا میں اچھے اخلاق سے پیش آنے والا ہوگا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام حبیبہ! حسن اخلاق دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی لے گیا۔ اس لیے اے برادرانِ اسلام! دنیا میں اپنی بیویوں کے ساتھ اپنے اخلاق اچھے بنائیے، تاکہ وہ آخرت میں بھی آپ کو مل سکے۔

جنت میں ہر نعمت دائمی اور ابدی ہوگی

نہ وہ پرانی ہوگی اور نہ اس کو فنا اور زوال ہوگا

امام مسلم حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنت میں ایک پکارنے والا آواز دے گا کہ تمہارے لیے ہمیشہ صحت و تندرستی ہے، تم کبھی بیمار نہ ہو گے۔ تمہارے لیے اس میں ہمیشہ حیات ہے، کبھی مرو گے نہیں۔ تم ہمیشہ جوان رہو گے، کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ ہمیشہ نعمت میں رہو گے، کبھی خستہ حال نہ ہو گے۔ یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

﴿وَنُودُوا أَن تِلْكَمُ الْجَنَّةُ أُوْرْتُمُوَهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (الاعراف) اور انہیں نداء دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے اب تم وارث ہو گئے، بعوض اس کے جو تم کرتے رہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان مبارک پہلے گزر چکا ہے کہ جو جنت میں داخل ہوگا وہ ہمیشہ نعمتوں میں رہے گا کبھی خستہ حال نہیں ہوگا، نہ کپڑے پرانے ہوں گے، نہ جوانی ختم ہوگی۔ اور حورِ عین کا یہ قول بھی کہ: ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، کبھی ختم نہ ہوں گی۔

جنتی عورت دنیا والے اپنے شوہر کو دنیا ہی میں دیکھتی ہے

حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ: اہل جنت کی عورت سے کہا جائے گا کہ کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ ہم تمہیں دنیا والا تمہارا شوہر دکھا دیں؟ وہ کہے گی: جی ہاں۔ چنانچہ حجابات ہٹا دیئے جائیں گے، اور اس عورت اور دنیاوی مرد کے درمیان دروازے کھول دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ اسے دیکھ اور پہچان لے گی، اس سے آنکھوں آنکھوں میں معاہدہ کرے گی، یہاں تک کہ وہ اس کے آنے کو بہت بعید سمجھے گی، اور اس کی ملاقات کی ایسی مشتاق ہوگی جیسی دنیاوی عورت اپنے سفر پر گئے ہوئے غائب شوہر سے ملاقات کی مشتاق ہوتی ہے۔

بعض مرتبہ یوں ہوتا ہے کہ اس مرد اور اس کی دنیاوی بیوی کے درمیان کوئی لڑائی جھگڑا ہو جاتا ہے جو دنیا میں زن و شوہر میں ہوتا ہی رہتا ہے، اور دنیاوی عورت اس مرد سے ناراض ہوگی تو یہ جنت والی بیوی پر بڑا شاق گزرے گا، اور وہ اس سے کہے گی کہ ہلاکت ہو تیرے لیے؛ اسے تکلیف مت پہنچا، وہ تیرے ساتھ چند راتوں کا مہمان ہے۔

امام ترمذیؒ نے نبی کریم ﷺ سے اس معنی کی حدیث روایت کی ہے کہ

آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں کوئی عورت اپنے شوہر کو ایذا پہنچاتی ہے تو اس کی حورِ عین والی بیوی کہتی ہے: اُسے تکلیف مت دے، خدا تمہارا بیڑا غرق کرے، وہ تو تمہارے پاس چند رات کا مہمان ہے، قریب ہے کہ تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح دنیاوی عورتیں بیوی ہوتی ہیں اسی طرح حوریں بھی بیوی بنیں گی۔

جنت کے پرندوں، گھوڑوں اور اونٹوں کا بیان

امام ترمذی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے نہر کوثر کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ جنت کی ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے، جو دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیرین ہوگی۔ اس میں ایسے پرندے ہوں گے جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح ہوں گی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو بڑے مزے کے ہوں گے؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کے کھانے والے ان سے زیادہ اچھے ہوں گے۔

ثعلبی کی ایک روایت میں ہے کہ: جنت میں ایسے پرندے ہوں گے جن کی گردنیں بختی اونٹ کے برابر ہوں گی۔ وہ اللہ جل شانہ کے ولی کے ہاتھ میں ادھر سے ادھر پھرتے ہوں گے۔ ان میں سے ایک کہے گا: اے اللہ کے ولی! تم عرش کے نیچے سبزے میں پھرے اور عین تسنیم سے پانی پیا، اب مجھے بھی کھالو۔ چناں چہ یہ پرندہ اس کے سامنے رہے گا یہاں تک کہ اس کے دل میں آئے گا کہ کھالوں۔ وہ اس کے سامنے مختلف قسم کے کھانے بن جائے گا (یعنی وہ پرندہ خود بخود مختلف شکلوں میں بن جائے گا جیسے کباب، کوفتہ وغیرہ) وہ اس سے حسد و اہش کھائے گا، جب اس کا پیٹ بھر جائے گا تو

پرندے کی ہڈیاں جمع ہوں گی، پھر وہ اُڑ کر جنت میں جہاں چاہے گا چرنے لگے گا
امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے نبی کریم ﷺ سے
پوچھا: کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اگر تمہیں جنت میں داخل
فرمادیا، تو تم اگر یہ چاہو گے کہ سرخ یا قوت کے گھوڑے پر سواری کرو، اور وہ تمہیں
جہاں تم چاہو لے کر اُڑے؛ تو ایسا ہو جائے گا۔

حضرت بریدہؓ نے فرمایا کہ: آپ سے ایک اور صاحب نے سوال کیا کہ:
اے اللہ کے رسول! کیا جنت میں اونٹ ہوں گے؟ فرمایا: آپ نے ان کو وہ جواب نہ
دیا جو دوسرے کو دیا تھا۔ یہ فرمایا کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں داخل فرمادیا تو
وہاں سب کچھ ملے گا جو تمہارا نفس چاہے گا اور آنکھ کو بھلا معلوم ہوگا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک صاحب نکیل والی اونٹنی
لائے اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! اسے اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔ رسول
اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز تمہیں اس کے بدلے میں سات سو نکیل
والی اونٹنیاں ملیں گی۔

حضرت حسن بصریؒ رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کرتے تھے کہ:
جنت میں جو سب سے کم درجے کا جنتی ہوگا وہ دس لاکھ ایسے لڑکوں کے ساتھ ہوگا جو اس
کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے خادم ہوں گے۔ یہ سرخ یا قوت کے گھوڑے پر ہوگا، اس
گھوڑے کے سونے کے پر ہوں گے، جب تم وہاں دیکھو گے تو نعمتوں اور بڑی حکومت
کو دیکھو گے۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، فرمایا: اہل جنت کی نعمتوں میں

سے یہ ہوگا کہ وہ سوار یوں اور اونٹنیوں پر ایک دوسرے کی زیارت کریں گے۔ جمعہ کے روز انہیں ایک ایسا گھوڑا دیا جائے گا جو زین اور لگام والا ہوگا، وہ لید نہیں کرے گا، نہ پیشاب۔ یہ اس پر سوار ہوں گے، جہاں چاہیں گے وہاں چلے جائیں گے۔

دنبے اور بکرے کا جنت کے چوپایوں میں سے ہونے کا بیان
بزار رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ: بکری کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو، اور اس سے تکلیف دہ چیز کو دور کیا کرو، اس لیے یہ جنت کے چوپایوں میں سے ہے۔

اور ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: دنبہ جنت کے چوپایوں میں سے ہے۔

جنت میں کم سے کم تر اور اعلیٰ سے اعلیٰ تر

درجے والے کو کیا کچھ ملے گا؟

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ اے رب! جنت میں سب سے کم درجے والے کو کیا ملے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک شخص آئے گا حق جل جلالہ اس سے فرمائیں گے کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ کہے گا: پروردگار! کیسے جاؤں؟ وہاں تو سب لوگ اپنی اپنی جگہ پکڑ چکے ہیں، اور اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے ہیں۔ اس سے کہا جائے گا: کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تجھے اتنا دیا جائے جتنا دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کے پاس ہوتا ہے؟ وہ کہے گا: اے

رب! بالکل ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے۔ ارشاد ہوگا: تجھے یہ اور اتنا ہی اور، اتنا اور، اتنا اور دیا جاتا ہے، وہ پانچویں مرتبہ میں کہے گا: اے پروردگار! مجھے منظور ہے، ارشاد ہوگا: تجھے یہ، اور اس کا دس گنا اور زیادہ دیا جاتا ہے، اور تجھے وہ بھی ملے گا جو تیرا نفس چاہے، اور تیری آنکھوں کو بھلا معلوم ہو۔ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں خوش ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے رب! سب سے اعلیٰ درجے والے کو کیا ملے گا؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کا میں نے اعزاز کیا، ان کے اکرام کا سامان میں نے خود اپنے دستِ تقدیر سے بنایا ہے، اور اس پر مہر لگا دی، پس نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے اس کے بارے میں سنا، اور نہ کسی دل پر اس کا گزر ہوا۔

صحیح بخاری میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں جنتیوں میں سب سے اخیر میں داخل ہونے والے اور دوزخیوں میں سب سے اخیر میں دوزخ سے نکلنے والا شخص وہ ہوگا جو وہاں سے گھسٹتا ہوا نکلے گا، اس سے اس کا پروردگار کہے گا: جاؤ! جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ کہے گا: یا رب! جنت تو بھری ہوئی ہے۔ وہ اس سے تین مرتبہ یہ بات فرمائیں گے۔ وہ تینوں مرتبہ یہی کہے گا کہ پروردگار! جنت بھری ہوئی ہے۔ فرمائیں گے: تجھے دنیا کا دس گنا دیا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنتیوں میں سب سے کم درجے والا شخص وہ ہوگا جسے سات محل ملیں گے، ایک محل سونے کا، ایک چاندی کا، ایک موتی کا، ایک زمرد کا، ایک یاقوت کا، ایک وہ جسے نگاہیں نہ پاسکیں۔ اور ایک محل عرش کے رنگ کا۔ اور ہر محل میں ایسے ایسے زیورات پوشاک اور حورِ عین ہوں گی جسے اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔

اور پہلے یہ گزر چکا ہے کہ جنت میں سب سے کم درجے والا وہ ہوگا جو دس لاکھ خادموں کے ساتھ ہوگا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جنت میں سب سے کم درجے کا وہ شخص ہوگا جو اپنے باغات نعمتوں، خادموں اور مسہریوں کو ایک ہزار سال کی مسافت تک دیکھے گا، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں معزز و مسکرم وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے چہرہ انور کو صبح و شام دیکھے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿وَجُودًا يُؤْمِرُ بِذِي تَأْخِذَةٍ ۖ إِلَىٰ رَبِّهِ تَأْخِذَةٌ ۖ﴾ کتنے ہی چہرے اس روز ہشاش بشاش ہوں گے، اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جنت میں سب سے کم درجے والا وہ ہوگا جس کے پاس اسی ہزار خادم اور بہتر (۷۲) بیویاں ہوں گی۔ اور اس کے لیے موتیوں زبرجد اور یاقوت کا اتنا بڑا ایک قبہ بنایا جائے گا جتنی جابہ سے صنعاء مسافت ہے (جابہ شام میں ہے، اور صنعاء یمن میں ہے) حضرت مجاہد فرمایا کرتے تھے: جنت میں سب سے کم درجے والا وہ شخص ہوگا جو اپنی مملکت میں ہزار سال چل سکے گا، وہ دور کے حصے کو اس طرح دیکھے گا جس طرح قریب والے کو دیکھتا ہے۔ اور جنتیوں میں سب سے برتر وہ ہوگا جو اپنے پروردگار کو صبح و شام دیکھے گا۔

اللہ جل شانہ کی رضا کا پروانہ جنتیوں کے لیے
جنت کی تمام نعمتوں سے افضل ہے

امام بخاری حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے: اے اہل جنت! وہ کہیں گے: اے پروردگار! ہم حاضر ہیں، تمام خیر و بھلائی آپ ہی کے دستِ قدرت میں ہے۔ ارشاد ہوگا: کیا تم خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے: اے پروردگار! ہم کیوں خوش نہ ہوں جبکہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرما دیا ہے جو اپنی مخلوق میں کسی کو عطا نہیں فرمایا؟ ارشاد ہوگا: کیا میں تمہیں اس سے افضل و اعلیٰ چیز نہ دوں؟ وہ کہیں گے: اے پروردگار! اس سے افضل و اعلیٰ کیا چیز ہے؟ فرمائیں گے: میں تم سے راضی ہو جاؤں گا پھر اس کے بعد کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

اللہ جل شانہ کا دیدار جنتیوں کو تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب ہوگا امام مسلم وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تمہیں کچھ چاہئے تاکہ میں اور دے دوں؟ وہ کہیں گے: کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کئے ہیں؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا؟ اور جہنم سے چھٹکارا عطا نہیں فرمایا؟ فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ ان سے حجاب دور کر دیں گے، چنانچہ انہیں کوئی چیز اس سے زیادہ محبوب نہیں دی گئی ہوگی، وہ اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ: پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوگا: ﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِيَادَةٌ﴾ جو لوگ نیکی کرتے رہے ان کے لیے بھلائی ہے، اور اس کے علاوہ بھی۔ ابو داؤد و طیالسی کی روایت میں ہے کہ: جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو ایک پکارنے والا جنتیوں کو پکارے گا: کہ اللہ جل شانہ کے پاس تمہارے لیے ایک وعدہ ہے جسے وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہیں گے: کیا اللہ تعالیٰ

نے ہمارے چہرے روشن نہیں کئے؟ ہمارے اعمال نامے کو بھاری نہیں کیا؟ ہمیں دوزخ سے پناہ نہیں دی؟ فرمایا: پھر حجاب ہٹا دیئے جائیں گے اور وہ اللہ جل شانہ کا دیدار کریں گے۔ بخدا! اللہ جل شانہ نے انہیں اپنے دیدار سے زیادہ محبوب ترین اور آنکھوں کو ٹھنڈی کرنے والی کوئی چیز عطا نہیں کی ہوگی۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے درج ذیل آیت کے بارے میں پوچھا گیا: ﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِيَادَةٌ ط﴾ جو لوگ نیکی کرتے رہے، ان کے لیے بھلائی ہے اور زیادتی ہے۔ فرمایا کہ: ”أَحْسِنُوا“ سے دنیا میں اعمالِ صالحہ کرنا مراد ہے، اور ”الْحُسْنٰی“ جنت ہے، اور ”زِيَادَةٌ“ سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرہ انور کی زیارت ہے۔

ایک روایت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بصرہ کے منبر پر فرمایا: اللہ جل شانہ قیامت کے دن جنتیوں کے پاس ایک فرشتہ بھیجیں گے، وہ کہے گا کہ: اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ فرمایا تھا، وہ پورا کر دیا؟ وہ دیکھیں گے تو انہیں وہ زیورات، پوشاکیں، پھسل، نہریں اور پاکیزہ بیویاں نظر آئیں گی۔ وہ کہیں گے: جی ہاں! اللہ جل شانہ نے ہم سے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرما دیا۔ فرشتہ کہے گا: کیا تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا فرما دیا؟ تین دفعہ یہ بات کہے گا۔ وہ اس کے کئے ہوئے وعدوں میں سے کوئی چیز غیر موجود نہیں پائیں گے۔ وہ کہیں گے: جی ہاں! پورا کر دیا۔ وہ کہے گا: تمہارے لیے ایک چیز باقی رہ گئی ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: جن لوگوں نے اچھے کام کئے ان کے لیے ”حُسْنٰی“ ہے اور اس پر اضافہ بھی ہے۔ سن لو! ”الْحُسْنٰی“ جنت ہے، اور زیادتی سے مراد اللہ جل شانہ کے چہرہ انور

کی زیارت ہے۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ صحیح روایات میں آتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں کے سامنے تجلی فرمائیں گے تو اس کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیں گے، جب وہ دیدارِ خداوندی کریں گے تو نہریں بہنے، درخت لہلانے، تخت اور بالا خانہ چرچرانے لگیں گے، اور بہنے والے چشمے ترنم پیدا کریں گے، ہوائیں چپلنے لگیں گی، گھروں اور محلات میں خوشبودار مُشک اور کافور اُگ آئے گا، پرندے چپھسا نے لگیں گے، اور موٹی موٹی آنکھوں والی حوریں جھانکنے لگیں گی۔

مسلم کی حدیث میں ہے کہ: لوگوں کو ان کے پروردگار کے دیدار کے درمیان کبریائی اور عظمت کی وہ چادر حائل ہوگی جو اس نے جنتِ عدن میں اپنے چہرہ انور پر ڈالی ہوگی۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ: چادر سے مراد وہ حجاب ہے جو اس ذات کے احاطہ سے مانع ہے، اس لیے کہ یہ وہ حجاب ہے جس کا ہٹانا کبھی درست نہیں، اس لیے کہ اگر وہ اُٹھ گیا تو لوگ اپنے پروردگار کو پہچان لیں گے کہ وہ کیسا ہے، جو محال ہے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: تم اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو بلا کسی روک ٹوک کے دیکھ رہے ہو، لہذا اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ اس نماز کا اہتمام کر لو جو طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروب سے پہلے ہے تو ایسا کر لو (یعنی فجر اور عصر) پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ

الْغُرُوبِ ﴿٩٩﴾ اور اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہو حمد کے ساتھ آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے۔

سب سے کم درجے والا اور سب سے اونچے درجے والا کون؟

١٨٨٣:- وعن البغيرة بن شعبة- رضى الله عنه- عن رسول الله ﷺ

قال: ((سَأَلَ مُوسَى ﷺ رَبَّهُ: مَا أُدْنِي أَهْلَ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً؟ قَالَ: هُوَ رَجُلٌ يَجِيءُ بَعْدَ مَا أُدْخِلَ أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ. فَيَقَالُ لَهُ: ادْخُلِ الْجَنَّةَ. فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! كَيْفَ وَقَدْ نَزَلَ النَّاسُ مَنَازِلَهُمْ، وَأَخَذُوا أَخْذَاتِهِمْ؟ فَيَقَالُ لَهُ: أَتَرْضَى أَنْ يَكُونَ لَكَ مِثْلُ مَلِكٍ مَلِكٍ مِنْ مُلُوكِ الدُّنْيَا؟ فَيَقُولُ: رَضِيتُ رَبِّ. فَيَقُولُ: لَكَ ذَلِكَ وَمِثْلُهُ وَمِثْلُهُ وَمِثْلُهُ وَمِثْلُهُ. فَيَقُولُ فِي الْخَامِسَةِ: رَضِيتُ رَبِّ. فَيَقُولُ: هَذَا لَكَ وَعَشْرُ أَكْثَامٍ لَكَ. وَلَكَ مَا اشْتَهَيْتَ نَفْسُكَ، وَلَدَّتْ عَيْنُكَ. فَيَقُولُ: رَضِيتُ رَبِّ. قَالَ: رَبِّ فَأَعْلَاهُمْ مَنْزِلَةً؟ قَالَ: أُولَئِكَ الَّذِينَ أَرَدْتُ؛ غَرَسْتُ كَرَامَتَهُمْ بِيَدَيَّ، وَخَتَمْتُ عَلَيْهِمْ، فَلَمْ تَرَ عَيْنٌ، وَلَمْ تَسْمَعْ أُذُنٌ، وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ جنتیوں میں سب سے کم درجے والا کون ہے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جو تمام جنتیوں کے جنت میں داخل ہو چکنے کے بعد آئے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو کہا جائے گا کہ: جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ اس کے جواب میں عرض کرے گا: باری تعالیٰ! میں کیسے جاؤں جبکہ سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں پر قابض ہو چکے ہیں اور ہر ایک نے

اپنے حصے پر قبضہ کر لیا ہے (گویا اب وہاں کچھ بچا نہیں ہے، سب بھر گیا ہے) اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندے سے پوچھا جائے گا: اچھا! دنیا کے بادشاہوں میں کسی بادشاہ کے پاس جو سلطنت تھی اتنا ملک تجھے دیا جائے، تو کیا تو اس پر راضی ہے؟ وہ کہے گا: جی ہاں! میں اس پر راضی اور خوش ہوں۔ تو باری تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا: کہ جانتے تھے بادشاہ جیسی سلطنت، اتنا ہی اور، اتنا ہی اور، اتنا ہی اور، اتنا ہی اور (پانچ گنا) دیا جاتا ہے۔ پانچ گنا پر وہ کہے گا: باری تعالیٰ پانچ گنا پر میں راضی ہوں۔ تو باری تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا: کہ یہ اور اس کا دس گنا دیا جاتا ہے (گویا پچاس گنا ہو گیا) اور پھر یہ بھی کہا جائے گا کہ تیرا جی جتنا چاہے اور تیری آنکھیں جس سے لذت اور خوشی محسوس کریں وہ سب بھی ملے گا۔ اس پر وہ عرض کرے گا کہ: اس پر میں راضی اور خوش ہوں۔

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے پوچھا: جنت میں سب سے اونچے درجے والے کو کیا ملے گا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو معزز اور مکرم بنانے کے لیے میں نے اپنے ہاتھ سے ان کا تخم اور بیج ڈالا، اور اس پر میں نے مہر لگا دی، اور کسی آنکھ نے نہ اس جیسی چیز کبھی دیکھی، اور نہ کسی کان نے سنی، اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا (ان کو ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا)۔

سب سے آخر میں جہنم سے نکلنے والے جنتی کی جنت

۱۸۸۴: - وعن ابن مسعود - رضى الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ:

((إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ. رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبَوًّا، فَيَقُولُ اللَّهُ - عز وجل - له: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَيَأْتِيهَا، فَيَخْشَعُ إِلَيْهِ أَهْلُهَا مَلَأَى، فَيَرْجِعُ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلَأَى! فَيَقُولُ اللَّهُ - عز وجل - له: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَيَأْتِيهَا، فَيَخْشَعُ إِلَيْهِ أَهْلُهَا

مَلَأَى، فَيَزِجُجُ. فَيَقُولُ: يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلَأَى، فَيَقُولُ اللَّهُ- عز وجل- لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ. فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشْرَةَ أَمْثَالِهَا؛ أَوْ إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشْرَةِ أَمْثَالِ الدُّنْيَا؛ فَيَقُولُ: أَتَسْخَرُ مِنِّي، أَوْ تَضْحَكُ مِنِّي وَأَنْتَ الْمَلِكُ))

قال: فَلَقَدَرْتُ أَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ضَحِكًا حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَكَانَ

يَقُولُ: ((ذَلِكَ أَذْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً.)) (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جہنمیوں میں سے سب سے آخر میں جہنم سے نکلنے والا اور جنتیوں میں سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا کون آدمی ہے وہ میں خوب جانتا ہوں۔ وہ آدمی وہ ہوگا جو جہنم سے سرین کے بل گھسٹتا ہوا نکلے گا (جیسے بچہ گھسٹتا ہوا چلتا ہے) جب وہ جہنم سے نکلے گا تو باری تعالیٰ اس سے کہیں گے: جا! جنت میں چلا جا۔ وہ جنت کے پاس پہنچے گا، تو اس کو ایسا نظر آئے گا کہ جنت بالکل بھر چکی ہے۔ وہ وہاں سے واپس آئے گا اور عرض کرے گا: باری تعالیٰ! جنت تو بھر چکی ہے (اس میں جگہ نہیں ہے) باری تعالیٰ پھر سے اس سے کہیں گے کہ: جا! جنت میں چلا جا۔ چنانچہ پھر وہ جنت کے پاس پہنچے گا تو اس کو ایسا محسوس ہوگا کہ جنت بھری ہوئی ہے۔ پھر لوٹے گا اور عرض کرے گا کہ: میں نے تو اس کو بھرا ہوا دیکھا۔ تیسری مرتبہ باری تعالیٰ فرمائیں گے: جا! جنت میں داخل ہو جا۔ تجھے دنیا اور دنیا جیسا دس گنا ملے گا۔ یا یوں فرمایا جائے گا کہ: تجھے دنیا کا دس گنا دیا جاتا ہے۔ تو وہ عرض کرے گا کہ: باری تعالیٰ! آپ تو مالک الملک ہیں اس کے باوجود میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات نقل کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ آپ اتنے ہنسے کہ آپ کے نوکیلے دانت (گنچلیاں) نظر

آنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ جنتیوں میں سب سے کم درجے والا ہے (جس کو دنیا کا دس گنا ملے گا۔)

افادات:- آج تو کسی کے پاس ذرا سا کچھ ہو، جیسے پورے بمبئی یا سورت کا مالک نہیں، بلکہ اس کے ایک پورے خطے کا بھی مالک نہیں، بلکہ دو چار بلڈگوں کا بھی اگر مالک بن جائے جس کی قیمت آج کل کے حساب سے کئی ارب روپے ہو جاتی ہے، تو یوں سمجھا جاتا ہے کہ بہت بڑا آدمی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جنت کتنی بڑی نعمت ہوگی کہ ادنیٰ جنتی کے لیے پوری دنیا کا دس گنا ہے۔ آج ہم دنیا کے کسی بڑے سے بڑے مالدار کے لیے بھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ وہ پورے سورت کا مالک بن جائے گا، حالاں کہ دنیا کے نقشے میں سورت کی کیا حیثیت ہے؟ دنیا کا نقشہ اٹھا کر سورت کو ڈھونڈیں گے تو ملے گا بھی نہیں۔

’One piece‘ جنت

۱۸۸۵:- وعن أبي موسى رضي الله عنه: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ خَازِنَةً مِنْ لَوْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ طُولُهَا فِي السَّمَاءِ سِتُّونَ مِيلًا. لِلْمُؤْمِنِ فِيهَا أَهْلُونَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُونَ فَلَا يَرَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا)) (متفق عليه)

((البیْل)) : سِتَّةَ آلَافٍ ذِرَاعٍ.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کے لیے جنت کے اندر ایک خیمہ ایک ہی کھوکھلی موتی سے بنا ہوا ہوگا (یعنی اس میں کوئی جوڑ لگا ہوا نہیں ہوگا) آسمان میں اس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی (آج اگر کسی کا مکان ایک ہی پیس کا بنا ہوا ہو تو ساری دنیا اس کو دیکھنے حائے گی نا!

یہاں تو اس کو ساٹھ میل لمبا ”One piece“ مکان ملے گا) اس مؤمن کے کئی گھر والے اس میں رہتے ہوں گے (یعنی اس کی کئی بیویاں ہوں گی جو اس مکان میں رہتی ہوں گی) یہ مؤمن ان کے پاس (کبھی اس کے پاس، کسی وقت دوسری کے پاس) جائے گا، لیکن جب کسی کے پاس جائے گا تو دوسرے اس کو نہیں دیکھ سکیں گے (حالاں کہ وہ گھر ایک موتی سے بنا ہوا ہوگا)۔

جنت کا ایک درخت اور اس کا سایہ!

۱۸۸۶:- وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يُسِيرُ الرَّكَبُ الْجَوَادُ الْمُبْطِرُ السَّرِيعُ مِئَةَ سَنَةٍ مَا يَقْطَعُهَا. (متفق عليه)

وروياه في الصحيحين أيضاً من رواية أبي هريرة - رضي الله عنه -

قال: ((يُسِيرُ الرَّكَبُ فِي ظِلِّهَا مِئَةَ سَنَةٍ مَا يَقْطَعُهَا))

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضي الله عنه سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک درخت ہے، کوئی سوار تیز رفتار تھمیر کئے ہوئے عمدہ گھوڑے کے اوپر سوار ہو کر اس کو پار کرنا چاہے گا تو سو سال تک اس گھوڑے پر چلتا رہے گا تب بھی اس درخت کو پار نہیں کر سکے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا سایہ اتنا ہوگا کہ وہ اس سایہ کو سو سال میں بھی پار نہیں کر سکے گا۔

افادات:- وہ شجرہ طوبیٰ ہے جس کی شاخ ہر جنتی کے مکان میں پہنچی ہوئی ہوگی۔

”تھمیر کیا ہوا گھوڑا“، یعنی اس زمانے میں گھوڑوں کو تیز رفتاری کے لیے ایک خاص انداز سے تیار کیا جاتا تھا۔ وہ اس طرح کہ چالیس دن تک اس کو روزانہ غذا بڑھا

کر کھلائی جاتی تھی، یعنی آج جتنی کھلائی دوسرے دن اس سے زیادہ، تیسرے دن اس سے زیادہ، اس طرح چالیس دن تک اس گھوڑے کو کھلا کر خوب موٹا تازہ بناتے تھے، اس کے بعد اس کو ایک بند مکان میں رکھ کر اس کے اوپر بہت سارے کپڑے ڈال دیتے تھے، پھر اس کی غذا جس طریقے سے بڑھائی تھی اسی طرح سے کم کی جاتی تھی، اور ان کپڑوں کے اس کے اوپر ڈالے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس گھوڑے کو خوب پسینہ نکلتا تھا، اس کی وجہ سے وہ گھوڑا یکدم چھریرے بدن کا ہو جاتا تھا، لیکن وہ اتنا مضبوط ہو جاتا تھا کہ تیز رفتاری میں بہت اعلیٰ بن جاتا تھا۔ ایسا گھوڑا کبھی پیچھے نہیں رہتا تھا، ایسے گھوڑے کو ”مضر“، ضمیر کیا ہوا کہتے ہیں۔

جنتیوں کا اپنا الگ الگ بنگلہ ہوگا

۱۸۸۷: - وعنه عن النبي ﷺ قال: ((إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ أَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ كَمَا تَرَاءَوْنَ الْكُؤُوبَ الدِّمِّيَّ الْعَاظِرِي الْأَفْقِ مِنَ الْمَشْرِقِ أَوِ الْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَيْنَهُمْ)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! تِلْكَ مَنَازِلُ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَبْلُغُهَا غَيْرُهُمْ؟ قَالَ: ((بَلَى وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! رِجَالٌ آمَنُوا بِاللَّهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِينَ)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت والے بالا خانے والوں کو اپنے اوپر ایسا دیکھیں گے جیسا کہ تم لوگ چمکدار ستارے کو مشرق یا مغرب کی افق میں دیکھ لیتے ہو (جیسے ایک ستارہ یہاں نظر آتا ہے، دوسرا وہاں نظر آتا ہے ایسے ہی جنت والے دوسرے جنتیوں کے مکانوں کو دیکھیں گے کہ کسی کا مکان وہاں چمکدار نظر آئے گا تو دوسرے کا دوسری طرف چمکے گا۔ گویا فضا میں الگ

الگ مکانات ہوں گے، روہاؤس ”Row House“ جیسے ملے ہوئے نہیں ہوں گے، بلکہ ہر ایک کا اپنا الگ الگ بنگلہ ہوگا۔) صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا وہ انبیاء کے مکانات اور مقامات ہوں گے جہاں دوسرے نہیں پہنچ سکتے؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلکہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور نبیوں کو سچا جاننا وہ سب اس کے اندر رہیں گے۔

جنت کی ایک کمان کی لکڑی کا آدھا حصہ دنیا سے بہتر ہے

۱۸۸۸:- وعن أبي هريرة - رضي الله عنه -: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ:

((لَقَابُ قَوْسٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبُ.)) (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جنت کے اندر ایک کمان کی ایک قاب والا حصہ اتنا قیمتی ہوگا جس پر سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے (یعنی ساری دنیا سے بہتر ہوگا)۔

افادات:- قاب یعنی کمان کی جس لکڑی کے ساتھ ڈوری اور رسی باندھی

جاتی ہے اس لکڑی کے بیچ میں ایک پکڑ بنائی جاتی ہے۔ ایک طرف کا حصہ ایک قاب کہلاتا ہے۔ تو ایک کمان میں دو قاب ہوتی ہیں۔ گویا کمان کی لکڑی کا آدھا حصہ۔

جنت کی تو ہر چیز دنیا سے بہتر ہے، اس لیے کہ دنیا تو فانی اور ختم ہونے والی ہے اور جنت کی ہر نعمت باقی رہنے والی ہے۔

جنت کا بازار اور اس کی کیفیت

۱۸۸۹:- وعن أنس - رضي الله عنه -: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ فِي

الْجَنَّةِ سُوقًا يَأْتُونَهَا كُلُّ جُمُعَةٍ. فَتَبْتَ بُرَيْحُ اللَّهِ مَالٍ، فَتَحْشُو فِي وُجُوهِهِمْ وَثِيَابُهُمْ، فَيَزْدَادُونَ حُسْنًا وَجَمَالًا فَيَزِرْجُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ، وَقَدْ أَرَادُوا حُسْنًا وَجَمَالًا، فَيَقُولُ لَهُمْ أَهْلُهُمْ: وَاللَّهِ لَقَدْ أَرَدَدْتُمْ حُسْنًا وَجَمَالًا! فَيَقُولُونَ: وَأَنْتُمْ وَاللَّهِ لَقَدْ أَرَدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَجَمَالًا!)). (رواہ مسلم)

ترجمہ مع شرح:- حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت کے اندر بازار ہوگا جہاں جنتی ہر جمعہ کو جائیں گے (جیسے یہاں بازار میں لوگ تفریح کے لیے جاتے ہیں ایسے ہی جنتی بھی وہاں کے بازار میں تفریح اور پکنک کے واسطے جائیں گے) تو ایک خوشنما ہوا چلے گی جو ان کے چہروں اور لباسوں کے اندر اپنا اثر پہنچائے گی جس کے نتیجہ میں جن جنتیوں کو وہ ہوا لگے گی ان کی خوبصورتی اور ان کے حسن و جمال میں اضافہ ہو جائے گا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے بازاروں میں بھی عورتیں نہیں جائیں گی، صرف مرد ہی جائیں گے۔ جنت کے اندر بھی مخلوط طریقہ نہیں ہے) جب وہ بازار سے اپنے گھر والوں کے پاس واپس لوٹیں گے تو ان کی بیویاں ان کو دیکھ کر کہیں گی: ارے! تمہاری خوبصورتی اور حسن و جمال میں تو بہت اضافہ ہو گیا ہے! یہاں سے گئے تھے اس سے زیادہ حسین و جمیل بن کر آئے ہو! تو یہ شوہر اپنی بیویوں سے کہیں گے: جس وقت ہم تم کو گھر میں چھوڑ کر گئے تھے اس وقت تم جتنی حسین تھی تم بھی اس سے زیادہ حسین ہو گئی ہو (اور جیسے کہ پہلے روایت میں آیا تھا کہ جنت کے بازاروں میں کیا چیزیں ہوں گی؟ صورتیں اور نئی نئی خوبصورت شکلیں ہوں گی کسی جنتی کو کوئی شکل پسند آئے گی تو اس کی وہی شکل بن جائے گی)۔

ہر جنتی کا مکان دور دور ہوگا

۱۸۹۰:- وعن سهل بن سعد -رضی اللہ عنہ-: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ أَهْلَ

الْجَنَّةِ لَيَتَرَاوْنَ الْغُرَفَ فِي الْجَنَّةِ كَمَا تَتَرَاوْنَ الْكُؤُوبَ فِي السَّمَاءِ)) (متفق علیہ)
ترجمہ:- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت والے جنت میں بالا خانوں اور حویلیوں کو ایسا دیکھیں گے جیسا کہ تم ستاروں کو آسمان میں دیکھتے ہو۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ ایک جنتی دوسرے جنتی کا مکان اتنا دور دیکھے گا۔

جنت میں ایسی نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی، نہ کسی کے دل میں خیال اور وسوسہ گزرا

۱۸۹۱:- وعنه - رضى الله عنه - قال: شَهِدْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مَجْلِسًا وَصَفَ فِيهِ الْجَنَّةَ حَتَّى انْتَهَى، ثُمَّ قَالَ فِي آخِرِ حَدِيثِهِ: ((فِيهَا مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبٍ بَشَرٍ)) ثُمَّ قَرَأَ: { تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ } إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى: { فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ } (السجدة: 16-17) (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی ایک مجلس مبارک میں حاضر ہوا، جس میں حضور اکرم ﷺ نے جنت کے حالات بیان کئے یہاں تک جب آپ حالات بیان کر چکے تو اخیر میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت کے اندر ایسی نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی، اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال اور وسوسہ گزرا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے (سورہ سجدہ کی) یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: کسی کو معلوم نہیں کہ جنت میں اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیسا کیسا سامان چھپا رکھا ہے۔

جنتی ہمیشہ نعمتوں میں رہیں گے

۱۸۹۲:- وعن أبي سعيد وأبي هريرة رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال: ((إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يُنَادِي مُنَادٍ: إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَحْيُوا، فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا، وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا، فَلَا تَسْقُمُوا أَبَدًا، وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشَبَّوْا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا، وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا، فَلَا تَبْأَسُوا أَبَدًا)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا: تم لوگ اس جنت میں ہمیشہ رہو گے کبھی تمہیں موت نہیں آئے گی۔ تم اس جنت کے اندر ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی کوئی بیماری نہیں آئے گی۔ تم اس جنت میں ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بھی بڑھا پانہیں آئے گا۔ تم لوگ اس جنت میں ہمیشہ خوش و خرم رہو گے کبھی کوئی دکھ اور تکلیف نہیں آئے گی (گویا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں رہو گے)۔

جنتی تمنا کرے گا وہ سب اور اس کا دو گنا دیا جائے گا

۱۸۹۳:- وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله ﷺ قال: ((إِنْ أُذِّنِيَ مَقْعِدٌ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ أَنْ يَقُولَ لَهُ: تَمَنَّ، فَيَتَمَنَّى وَيَتَمَنَّى، فَيَقُولَ لَهُ: هَلْ تَمَنَّيْتَ؟ فَيَقُولَ: نَعَمْ، فَيَقُولَ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت کے اندر تم میں سب سے کم درجے والا وہ ہوگا جس سے کہا جائے گا کہ تم اپنے لیے کچھ تمنا کرو۔ چنانچہ وہ تمنا کرے گا اور تمنا کرے گا اور تمنا کرے گا، یہاں تک کہ اس سے

باری تعالیٰ پوچھیں گے: کیا تو نے تمنا کر لی؟ وہ کہے گا: جی ہاں۔ تو باری تعالیٰ اس سے کہیں گے: جتنی تو نے تمنا کی وہ سب اور اس کا دو گنا تجھے دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایسی خوشنودی جس کے بعد کبھی ناراضگی نہیں

۱۸۹۴:- وعن أبي سعيد الخدري - رضي الله عنه - : أن رسول الله ﷺ

قال: ((إِنَّ اللَّهَ - عز وجل - يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُونَ: كَبِيرُكَ رَبَّنَا وَسَعْدُكَ، وَالْحَيُّ فِي يَدَيْكَ، فَيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبَّنَا، وَقَدْ أُعْطِينَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ. فَيَقُولُ: أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُونَ: وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُ: أَجَلٌ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا)). (متفق عليه)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائیں گے کہ: اے جنتیو! اس کے جواب میں جنت والے عرض کریں گے: اے پروردگار! ہم حاضر ہیں، فرمائیے کیا ارشاد ہے، ہر طرح کی خیر آپ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ باری تعالیٰ پوچھیں گے کہ: کیا تم لوگ خوش اور راضی ہو؟ اس کے جواب میں جنت والے عرض کریں گے: باری تعالیٰ! ہم کیوں راضی نہ ہوں، حال یہ کہ آپ نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے جو آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا (یعنی ایسی ایسی نعمتیں آپ نے ہمیں دی؛ پھر ہم کیوں خوش نہ ہوں) باری تعالیٰ فرمائیں گے: کیا اس سے بہتر چیز تم کو نہ دوں؟ جنتی کہیں گے: اس سے بھی بہتر کوئی چیز ہے؟ (ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ یہی سب سے بہتر چیزیں ہیں اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہ ہوگی) باری تعالیٰ فرمائیں گے: میں اپنی خوشنودی تمہیں عطا کرتا ہوں، اب کبھی تم سے ناراض نہیں ہوؤں گا (اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو پھر

ساری نعمتیں حاصل ہو جائیں گی، جیسے بادشاہ جس کا ہو جائے تو پھر ساری حکومت اسی کی ہوتی ہے)۔

ہر ایک کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار آسانی کے ساتھ ہو جائے گا

۱۸۹۵:- وعن جریر بن عبد اللہ - رضی اللہ عنہ - قال: كُنَّا عِنْدَ

رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَبْرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَقَالَ: ((اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عَيَانًا كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَبْرَ، لَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَيْهِ)) (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے (رات کا وقت تھا) آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف نظر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: تم اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو کہ اس کو دیکھنے میں کوئی دھکا پیل نہیں ہوتی۔

افادات:- اگر لاکھوں اور کروڑوں کا مجمع بھی ہو اور چاند کو دیکھنا ہو تو کوئی بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں ہے، سب لوگ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے اطمینان سے اس چاند کو دیکھ سکتے ہیں، کسی کو کسی دوسرے کی طرف سے کوئی شکایت اور رکاوٹ نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک جنتی کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار آسانی کے ساتھ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہوگا

۱۸۹۶:- وعن ضہیب - رضی اللہ عنہ - : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا

دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ فَيَكْشِفُ

الْحَبَابُ، فَمَا أُعْطُوا شَيْئاً أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب جنتی جنت کے اندر داخل ہو جائیں گے تو باری تعالیٰ فرمائیں گے کہ کوئی اور چیز تمہیں چاہیے جو میں تم کو دوں؟ اس کے جواب میں جنتی عرض کریں گے: باری تعالیٰ! کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں بنایا؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور جہنم سے نجات نہیں دی؟ (مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی ملنا چاہیے وہ سب تو آپ نے دے رکھا ہے؛ اب ہمیں مزید کیا چاہیے؟) اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ وہ پردہ جو اپنے دیدار سے آڑ ہوگا اس کو ہٹا دیں گے، اس وقت جنت والوں کو اپنے رب کے دیدار سے زیادہ محبوب و پسندیدہ اور کوئی چیز نہیں ملی ہوگی (گویا اپنے رب کا دیدار جنت کی ساری نعمتوں سے بھی بڑھ کر ہوگا)۔

اخیر میں علامہ نووی رحمہ اللہ نے باری تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا:

قال الله تعالى: {إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَدْعُهُمْ رَبُّهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ دَعَوْا هُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ}

[یونس: ۱۰-۹]

ترجمہ مع تشریح:- بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال

صالحہ کئے، ان کا پروردگار ان کے ایمان و اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ان کو ایسی نعمت والی جنت کے اندر پہنچا دے گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان جنتیوں کی دعا اور پکار وہاں یہی ہوگی: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ (ان کی زبانوں سے بار بار یہی جملہ نکلے گا) اور ان کا سلام آپس میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہوگا (یا مطلب یہ ہے کہ جنت میں ان کا استقبال لفظِ سلام سے کیا

جائے گا۔ جب کوئی آدمی کسی جگہ پہنچتا ہے تو اس کے استقبال کے لیے خوش آمدید اور ”welcome“ اور ”أَهْلًا وَسَهْلًا“ کہتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے جنتیوں کو بطور استقبال ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہا جائے گا اور ان کی آخری دعا یہ ہوگی: تمام تعریف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر اپنی کتاب ختم فرمائی: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ“ تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم کو اس چیز کی طرف رہنمائی فرمائی، اگر اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی نہیں فرماتے تو ہم راہ یاب نہیں ہو سکتے تھے ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ۔“ اے اللہ! درود بھیج ہمارے آقا نبی اُمّی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آپ کے بندے اور رسول ہیں اور آپ کی آل اور آپ کی ازواج مطہرات اور ذُرّیات پر، جیسا کہ آپ نے درود بھیجا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام اور ان کی آل پر۔ اور اے اللہ! برکت نازل فرما ہمارے آقا نبی اُمّی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور آپ کی ازواج مطہرات اور ذُرّیات پر، جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام اور ان کی آل پر، بے شک آپ خوبیوں والے بزرگی والے ہیں۔

قال مؤلفه يحيى النووي غفر الله له: فرغت منه يوم الإثنين رابع عشر رمضان سنة سبعين وست مئة.

اس کتاب کے جمع کرنے والے امام ابو زکریا یحییٰ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں اس

کتاب کی تالیف سے پیر کے روز ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ میں فارغ ہوا۔



الحمد للہ! ہماری یہ کتاب آج پوری ہوئی جو ۳۰ ربیع الآخر ۱۴۰۷ھ کو شروع ہوئی تھی، اور آج ۱۲ ربیع الآخر ۱۴۰۷ھ ہے، گویا اسلامی حساب سے نو سال میں اٹھارہ دن کم ہیں۔ اور انگریزی حساب سے ۱۴ ستمبر ۱۹۹۶ء کو شروع ہوئی تھی اور آج ۲۱ مئی ۲۰۰۵ء ہے، گویا اس حساب سے نو سال میں چار مہینے کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے میری نالائق اور بد عملی کے باوجود آج اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی مجھے سعادت عطا فرمائی۔

عرض مرتب:- راقم الحروف عرض گزار ہے کہ میرے بے شمار گناہوں اور کوتاہیوں اور عدم ادائیگی حقوق کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے آج ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۵ اپریل ۲۰۱۵ء بروز بدھ صبح ۸-۲۵ پر مسجد نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلاماً کے صحن میں بیٹھ کر یہ آخری سبق لکھنے کی سعادت مجھے نصیب فرمائی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے اور اپنی رضا و خوشنودی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی قرب عطا فرما کر ذریعہ نجات بنائے۔ آمین۔

دعا

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ.
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا
أَحَدًا. لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَنَّانُ الْبَدِيعُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.
اللَّهُمَّ يَا عَلِيمُ يَا حَلِيمُ يَا كَرِيمُ يَا رَحِيمُ، اللَّهُمَّ يَا كَبِيرُ يَا سَمِيعُ يَا بَصِيرُ
يَا مَنْ لَا شَرِيكَ لَهُ وَلَا وَزِيرَ لَهُ، وَيَا خَالِقَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ الْبُذِيرِ، وَيَا عَصَمَةَ الْبَائِسِ
الْخَائِفِ الْمُسْتَجِيرِ، وَيَا أَرْقَ الطِّفْلِ الصَّغِيرِ، وَيَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْكَسِيرِ، أَدْعُوكَ
دُعَاءَ الْبَائِسِ الْفَقِيرِ كَدُعَاءِ الْمُضْطَرِّ الضَّرِيرِ، دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهُ،
وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهُ، وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهُ، وَرَغِمَ لَكَ أَنْفُهُ.

اللَّهُمَّ يَا مُؤْنِسَ كُلِّ وَحِيدٍ، وَيَا صَاحِبَ كُلِّ فَرِيدٍ، وَيَا قَرِيباً غَيْرَ بَعِيدٍ،
وَيَا شَاهِداً غَيْرَ غَائِبٍ، وَيَا غَالِباً غَيْرَ مَغْلُوبٍ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.
يَا نُورَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يَا زَيْنَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ، وَيَا جَبَّارَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ،
يَا عِمَادَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ، يَا قِيَامَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.
يَا صَرِيحَ الْمُسْتَصْرِخِينَ، وَمُنْتَهَى الْعَائِدِينَ، وَالْمُفْرِجَ عَنِ الْكَرُوبِينَ،
وَالْمُرَوِّحَ عَنِ الْمَغْمُومِينَ، وَهُبِيبَ دُعَاءِ الْمُضْطَرِّينَ، وَيَا كَاشِفَ الْكُرْبِ، يَا إِلَهَ
الْعَالَمِينَ، وَيَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ. يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ.

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ وَلَكَ الشُّكْرُ كُلُّهُ وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهُ وَإِلَيْكَ يَرْجِعُ
الْأَمْرُ كُلُّهُ. اللَّهُمَّ لَا أَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
 كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى اٰلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.
 اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
 عَلَى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى اٰلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
 صَلَوةً تَنْجِيْنًا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَهْوَالِ وَالْاَفَاتِ وَتَقْضِي لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ
 وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا
 بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ، اِنَّكَ عَلَى كُلِّ
 شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ صَلَاةً كَامِلَةً، وَسَلِّمْ سَلَامًا تَامًّا عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ،
 تَنْحَلُّ بِهِ الْعُقَدُ وَتَنْفَرِجُ بِهِ الْكُرْبُ، وَتُقْضَى بِهِ الْحَوَاجِجُ، وَتُنَالَ بِهِ الرَّغَائِبُ،
 وَحُسْنُ الْخَوَاتِيْمِ، وَيُسْتَسْقَى الْعَمَاءُ بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلَى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ فِي كُلِّ
 لَمْحَةٍ وَنَفْسٍ بَعْدَ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ كَمَا
 تُحِبُّ وَتَرْضَى بَعْدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى.

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۖ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
 الْخٰسِرِيْنَ.

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاَسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا ۖ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى
 الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ.

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ.

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ.

رَبَّنَا لَا تَزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ.

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا.

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا.

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ.

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا.

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا.

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ.

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا كُلَّهَا، دِقَّهَا وَجَلَّهَا، عَلَانِيَتَهَا وَسِرَّهَا، أَوَّلَهَا وَ

آخِرَهَا، ظَاهِرَهَا وَبَاطِنَهَا.

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَتُوْبُ اِلَيْكَ مِنَ الْمَعَاصِي كُلِّهَا، لَا تَرْجِعْ اِلَيْهَا اَبَدًا.
اَللّٰهُمَّ مَغْفِرُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَرَحْمَتُكَ اَرْجَىٰ عِنْدَنَا مِنْ اَعْمَالِنَا.
اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ رَحِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا.
اَللّٰهُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَنَوَاصِيْنَا وَجَوَارِحَنَا بِيَدِكَ، لَمْ تُمَلِّكْنَا مِنْهَا
شَيْئًا، فَاِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ بِنَا، فَكُنْ اَنْتَ وَلِيِّنَا وَاهْدِنَا اِلَى سَوَاءِ السَّبِيْلِ.
اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ، وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوْبِنَا، وَكَرِّهْ اِلَيْنَا الْكُفْرَ
وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ.
اَللّٰهُمَّ اَعْطِ نَفُوْسَنَا تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا فَانْتَ خَيْرٌ مِنْ زَكَّيْهَا، اَنْتَ وَلِيِّهَا
وَمَوْلَاهَا.

اَللّٰهُمَّ وَفَّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَالْفِعْلِ وَالنِّيَّةِ
وَالْهُدَىٰ.
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ مُهْتَدِيْنَ، غَيْرَ ضَالِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ، سَلَامًا
لِّاَوْلِيَآئِكَ وَحَرْبًا لِّاَعْدَائِكَ، نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ اَحَبَّكَ، وَنُعَادِيْ بِعَدَاوَتِكَ مَنْ
خَالَفَكَ مِنْ خَلْقِكَ.

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قُلُوْبِي مِنَ النِّفَاقِ، وَعَمَلِي مِنَ الرِّيَآءِ، وَلِسَانِي مِنَ الْكِذْبِ،
وَعَيْنِي مِنَ الْحِيَاَنَةِ، فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْر.
اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنَا بِاسْمَاعِنَا، وَاَبْصَارِنَا، وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا، اَللّٰهُمَّ
اجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ شَأْرَنَا عَلَى مَنْ ظَلَمْنَا، اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَى مَنْ

عَاذَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا، وَلَا مَبْلَغَ
عِلْمِنَا، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَخَافُكَ وَلَا يَزِيحُ عَنْنَا. اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا، وَ
اَكْرِمْ مَنَا وَلَا تُيْهِنَّا، وَاَعْظِنَا وَلَا تَحْرِمْ مَنَا، وَاَثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا، وَاَرْضِنَا عَنْكَ
وَاَرْضَ عَنَّا.

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي الْمَوْتِ وَقِيَمًا بَعْدَ الْمَوْتِ.
اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتَّقٰى وَالْعَفَا وَالْغَلٰى.
اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا وَاسِعًا. وَشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَآءٍ.
اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا
بِالْقَدْرِ.

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ جُهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرَكِ الشَّقَا، وَسُوْءِ الْقَضَا،
وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاۗءِ.
اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهُ سَهْلًا وَاَنْتَ تَجْعَلُ الْحَزْنَ سَهْلًا
اِذَا شِئْتَ.

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، الْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْعَصَبَةَ
مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ، وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ، لَا تَدْعُ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا
غَفَرْتَهُ، وَلَا هَمًّا اِلَّا اَفْرَجْتَهُ، وَلَا ضُرًّا اِلَّا كَشَفْتَهُ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا
اِلَّا اَقْضَيْتَهَا، يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اے اللہ! تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ ہماری خطاؤں سے درگزر

فرما۔ گنہگار ہیں، خطا کار ہیں، قصور وار ہیں، اے اللہ! اب تک کی اپنی زندگی تیری نافرمانی میں گنوا دی، جن کاموں کو کرنے کا تو نے حکم دیا ان کو بجا نہیں لائے، اور جن کاموں سے منع کیا انہیں کا ارتکاب کرتے رہے، اے اللہ! تیری نعمتیں استعمال کر کے تیرا مقابلہ کرتے رہے، اے اللہ! ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرما دے۔ اگر تو نے ہماری مغفرت نہیں فرمائی تو ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا، اے اللہ! گناہوں کی عادتیں ہمیں پڑ چکی ہیں، عافیت کے ساتھ ان عادتوں کو چھڑوا دے۔

اے اللہ! ہمارا ایک ایک عضو گناہوں میں مبتلا ہے، اے اللہ! تمام اعضاء کو تو اپنی اطاعت کے لیے قبول فرما لے۔ اے اللہ! گناہوں کی نفرت ہمارے قلوب کے اندر بٹھا دے۔ طاعات اور نیکیوں کی رغبت ہمارے دلوں میں ڈال دے۔

اے اللہ! تیری مرضیات پر زیادہ سے زیادہ چلا کر تیری نامرضیات سے ہماری پوری پوری حفاظت فرما، نفس اور شیطان کی شرارتوں سے ہماری پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ! تو ہماری زندگیوں میں خوشگوار انقلاب پیدا فرما دے۔

اے اللہ! تیری نافرمانیوں والی زندگی سے نکال کر تیری فرمانبرداری والی زندگی عطا فرما۔

اے اللہ! گناہوں والی زندگی سے سچی پکی توبہ عطا فرما کر نیکیوں والی زندگی عطا فرما۔

اے اللہ! معصیت سے نجات عطا فرما کر طاعات کی توفیق عطا فرما۔ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے ہماری پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ! تقویٰ کی دولت سے ہمیں مالا مال فرما۔ نبی کریم ﷺ کی سنتوں اور طریقوں کو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں جاری کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! حضور اکرم ﷺ کے طریقوں کی محبت اور غیروں کے طریقوں کی نفرت ہمارے قلوب کے اندر بٹھا دے۔

اے اللہ! ہم پر اپنا خصوصی فضل فرما دے۔

اے اللہ! اپنے نیک بندوں کی راہوں پر ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! محض اپنے فضل سے اس کتاب کو شروع سے لے کر اخیر تک پہنچانے کی تو نے توفیق عطا فرمائی، اے اللہ! تیرے حبیب پاک ﷺ کے ان ارشادات کو حرزِ جان بنا کر اپنی زندگیوں میں پورے طور پر اپنانے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! اس کی محبت ہمارے دلوں کے اندر ڈال دے۔ اے اللہ! ہم پر اپنا خصوصی فضل فرما دے۔

اے اللہ! محاسنِ اخلاق سے مزین فرما۔ ایمان و یقین عطا فرما، اسلام و طاعت عطا فرما۔ اے اللہ! زہد و ورع سے مالا مال فرما۔ اے اللہ! تقویٰ و طہارت سے نواز دے۔ اے اللہ! تسلیم و رضا، صبر و شکر کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! عفو و معافات سے نواز دے۔ تیری ذاتِ عالی کے اوپر توکل و اعتماد کی دولت عطا فرما۔ تیری معرفت و محبت سے ہمارے قلوب کو متوثر فرما۔

اے اللہ! تمام محاسنِ اخلاق سے مزین فرما کر تمام رذائل سے پاک و صاف فرما دے، کفر و شرک سے، شقاق و نفاق سے نجات عطا فرما۔ اے اللہ! دنیا کی مال کی جاہ کی محبت سے ہمارے قلوب کو پاک و صاف فرما۔ اے اللہ! عجب سے خود بینی و

خود پسندی سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ! بغض کینہ و حسد سے ہماری حفاظت فرما۔
اے اللہ! تمام رذائل سے ہمیں پاک و صاف فرما دے۔

اے اللہ! اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرما۔ اس پر مدد و امت عطا فرما۔
اے اللہ! تیری یاد سے ہمارے دلوں کو آباد فرما دے۔

اے اللہ! تو ہم سے راضی ہو جا، اور ہمیں اپنے سے راضی فرما لے۔
اے اللہ! زندگی کے ہر لمحے کو تیری اطاعت و فرمانبرداری میں گزارنے کی
توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ایک لمحے کے لیے بھی تیری نافرمانی میں مبتلا ہونے سے
ہماری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ! گناہوں کی نفرت ہمارے قلوب کے اندر بٹھا دے۔ اے اللہ! ہم
تو بہت گنہگار ہیں، تمام گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ! پورے پوری مغفرت
فرما دے۔ اے اللہ! تو ہم سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! ہم پر اپنا خصوصی فضل
فرما دے۔

اے اللہ! تو ہماری، ہمارے والدین کی، ہمارے اہل و عیال کی، ہمارے
بھائی بہنوں کی، ہمارے اعزاء و اقارب کی، ہمارے اساتذہ و مشائخ کی، دوست
و احباب کی، محسنین و متعلقین کی، جنہوں نے ہم کو دعاؤں کے لیے کہا یا لکھا، یا جو ہم سے
دعاؤں کی توقع اور امید رکھتے ہیں ان کی اور تمام مؤمنین و مؤمنات، مسلمین و مسلمات
پوری امتِ محمدیہ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! تو ہمارے چھوٹے اور بڑے، ظاہر و پوشیدہ
اگلے اور پچھلے سارے گناہوں کو معاف فرما۔ ہماری سیئات کو حسنات سے مبدل فرما۔
اے اللہ! تو ہماری تمام اولاد کو علومِ نافعہ، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ فاضلہ سے

مالا مال فرما۔ اپنی شانِ ربوبیت سے ان سب کی بہترین تربیت فرما۔ برے اخلاق سے، برے کردار و گفتار سے، برے عادات و اطوار سے، بری صحبتوں اور برے ماحول کے برے اثرات سے، اور برے لوگوں کی بری عادتوں کا نشانہ بننے سے ان کی پورے پوری حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہمارے اہل و عیال کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی فرما۔

اے اللہ! ہم سب کو صحت و قوت اور عافیت و سلامتی عطا فرما۔ ہر قسم کی ظاہری باطنی، روحانی جسمانی بیماریوں سے ہمیں شفاء کُلّی عطا فرما۔

اے اللہ! ہر قسم کی برائیوں سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ! اس زمانہ کے روزمرہ پیش آنے والے نئے نئے فتنوں سے ہماری پوری پوری حفاظت فرما۔ ہمارے ایمان کی، ہمارے اعمالِ صالحہ کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہم پر اپنا خصوصی فضل فرما۔

اے اللہ! تیرے دین کے لیے محنت کرنے والا ہمیں بنادے۔ اے اللہ! تیرے دین ہی کے لیے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرنے والا بنادے۔ اے اللہ! تیری دی ہوئی ساری نعمتوں اور صلاحیتوں کو تیرے دین ہی کے لیے استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔

اے اللہ! تمام مدارسِ عربیہ، مکاتبِ قرآنیہ، مراکزِ دینیہ، خانقاہوں اور مساجد کی تبلیغ اور دینی مراکز کی اور اے اللہ! تیرے دین کا کام جہاں کہیں بھی جن شکلوں میں ہو رہا ہے اور تیرے یہاں مقبول و پسندیدہ ہے ان سب کی بھرپور حفاظت فرما۔ کام کرنے والوں کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! اپنا خصوصی فضل فرما۔ اے اللہ!

جہاں مساجد کی ضرورت ہے ان کی تعمیر کی شکلیں پیدا فرما۔ جہاں مکاتب کا قیام ضروری ہے وہاں ان کے قائم ہونے کی صورتیں پیدا فرما۔ جہاں تبلیغی سلسلے جاری ہیں ان کی بھرپور نصرت فرما۔ اے اللہ! مدارس کی، مکاتب کی، تبلیغی جماعت کی، خانقاہوں کی اور مساجد کی؛ ہر قسم کے فتنوں سے پوری حفاظت فرما۔ اے اللہ! ان کاموں میں لگے ہوؤں کو اخلاص و استقامت، ہمت و حوصلہ عطا فرما۔ ان سب کی تمام ضروریات کی اپنے خزانہ غیب سے کفالت فرما۔ اے اللہ! اپنا خصوصی فضل فرما دے۔ اے اللہ! باطل طاقتوں کو ختم فرما دے۔ اے اللہ! اسلام اور اہل اسلام کی بھرپور نصرت فرما۔ اے اللہ! پورے عالم میں ان کے تعلق سے جو غلط فہمیاں پھیلانی گئی ہیں، اے اللہ! عافیت کے ساتھ ان کو دور فرما دے۔

اے اللہ! مسلمانوں کو عزت و سرخروئی والا مقام عطا فرما۔ ذلتوں سے حفاظت فرما۔ اے اللہ! حضور اکرم ﷺ کا امتی جہاں کہیں بھی ہو، اس کے ایمان و اسلام کی، جان و مال کی، عزت و آبرو کی، اہل و عیال کی، تجارت و زراعت و کاروبار کی اور اس سے متعلق ہر چیز کی پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ! حرمین شریفین کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہمارے عراقی بھائیوں کی اور فلسطینی بھائیوں کی بھرپور نصرت فرما۔ اے اللہ! پورے عالم میں جہاں کہیں بھی مسلمان مظلومیت کا شکار ہیں ان کی نصرت فرما۔ اے اللہ! مسلمان کو ظالم اور مظلوم بننے سے محفوظ فرما دے۔ اے اللہ! اپنا خصوصی فضل فرما دے۔ اے اللہ! امن و امان کی فضائیں قائم فرما۔ اے اللہ! ایمان و اسلام کی دعوت کو ہمارے غیر مسلم بھائیوں تک پوری دل سوزی کے ساتھ پہنچانے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ اور اس کے لیے مناسب

تدبیریں اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! بیماروں کو صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرما۔ اے اللہ! جو جس بیماری مبتلا ہے ان سب کو مکمل طور پر شفا عطا فرما۔ اے اللہ! جو لوگ آسیب و سحر کا شکار ہیں ان کو اس کے اثرات سے نجات عطا فرما۔ جو لوگ مہلک بیماریوں میں ہیں ان کو صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرما۔

اے اللہ! جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کی ادائیگی کی شکلیں پیدا فرما۔ عافیت کے ساتھ ان کے قرضے اپنے خزانہ غیب سے ادا کروادے۔

اے اللہ! جو کاروبار میں گھائے کا شکار ہیں اے اللہ! ان کے گھائے کو دور فرما کر دوبارہ نفع بخش تجارت ان کو عطا فرما دے۔ اے اللہ! کاروباری لائن سے جتنے بھی تیرے بندے پریشانیوں میں مبتلا ہیں ان کی پریشانیوں کو دور فرما دے۔ اے اللہ! سب کو حلال برکت والی کشادہ روزی عطا فرما۔ حرام سے مکمل حفاظت فرما۔ ہماری تمام ضروریات کی اپنے خزانہ غیب سے کفالت فرما کسی کا محتاج اور دست نگر نہ بنا۔ اے اللہ! اپنا خصوصی فضل فرما دے۔

اے اللہ! جن کی اولادیں نافرمان ہیں ان کی اولاد کو مطیع و فرمانبردار بنا کر ماں باپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا فرما دے۔ اے اللہ! جنہوں نے اپنی اولاد کو حصولِ علم دین کے لیے وقف کیا ہے، اے اللہ! ان کی یہ تمنائیں اپنی اولاد کی طرف سے پوری فرما۔ ان کی ان تمام اولاد کو علومِ نافعہ، اعمالِ صالحہ، اور اخلاقِ فاضلہ سے مالا مال فرما، ان کی طرف سے ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی فرما۔ بری صحبتوں سے ان کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! اپنا خصوصی فضل فرما دے۔

اے اللہ! جو بے اولاد ہیں ان کو اولادِ صالح عطا فرما۔ جو زینہ اولاد کے خواہش مند ہیں ان کو زینہ اولاد عطا فرما۔ جن کی اولاد شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہے۔ سب کو صالح جوڑ عطا فرما۔ جن کے لیے شادی کے اسباب نہیں ہیں عافیت کے ساتھ ان کو نکاح کے اسباب مہیا فرما۔ اے اللہ! جن کی ازدواجی زندگی تلخی کا شکار ہے ان کو ازدواجی زندگی کی حقیقی مسرتیں عطا فرما۔ جو بے گھر ہیں ان کو گھر عطا فرما۔ جو بے سہارا ہیں ان کو سہارا عطا فرما۔ جو جس مصیبت میں گرفتار ہے، اے اللہ! اس کو اس سے نجات عطا فرما۔

اے اللہ! تیرے بے شمار بندے قید و بند میں محبوس ہیں، اے اللہ! محض اپنے فضل سے ان کی رہائی کی شکلیں صورتیں پیدا فرما دے۔ اے اللہ! جو مقدمات میں ماخوذ ہیں ان کو عافیت کے ساتھ بری فرما دے۔ اے اللہ! اپنا خصوصی فضل فرما دے۔ پورے عالم میں تیری اور تیرے دین کی نسبت پر تیرے جن بندوں کو گرفتار کیا گیا ہے اے اللہ! عافیت کے ساتھ ان کو رہائی عطا فرما دے۔ اے اللہ! سب پر اپنا فضل فرما۔ اے اللہ! ہم سب سے راضی ہو جا۔

اے اللہ! تیرے جن جن بندوں کی جو جو حاجتیں ہیں، سب کے دلوں کے بھید سے اور دلوں کے حال سے تو واقف ہے اور تیرے خزانے بھرے ہوئے ہیں، اے اللہ! سب کی جائز مرادیں محض اپنے فضل و کرم سے پوری فرما۔

اے اللہ! تیرے جن بندوں نے دعاؤں کے لیے کہا یا لکھا، یا توقع اور امید رکھتے ہیں ان سب کی جائز مرادیں پوری فرما دے۔

اے اللہ! یہ سلسلہ جب سے چلا ہے، تو نے محض اپنے فضل سے آج اس

کتاب کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائی، اے اللہ! اس کے ترجمہ و تشریح میں کوئی کوتاہی اور غفلت ہوئی ہو تو محض اپنے فضل سے معاف فرما۔ اور جو کچھ بھی ہوا ہے اس کو محض اپنے فضل سے قبول فرمالے اور آئندہ مزید کی توفیق عطا فرما دے۔ اس پر عمل کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! تیرے تمام بندوں، کو سننے والوں سنانے والوں کو اور اس کے لیے سعی کرنے والوں کو بے انتہاء قبول فرمالے۔

اے اللہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی خیر و بھلائی آپ سے مانگی، وہ سب ہمیں اور پوری امت کو عطا فرما۔ اور جن شر و برائیوں سے پناہ چاہی، ان سے ہماری اور پوری امت کی بھرپور حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہماری دعاؤں کو محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَنُثَبِّعُكَ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ
وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ
بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاتمہ

اُسی کے فضل سے آغاز کا انجام ہوتا ہے اُسی کی مہربانی سے جہاں کا کام ہوتا ہے خداوندی تعلیم و ہدایت کا جو سرمایہ خاتم النبیین، فخر دو عالم ﷺ کے طفیل دنیا کو میسر ہوا اس کے دو جزء ہیں: (۱) ”قرآن مجید“ جو لفظاً و معنی کلام اللہ ہے۔ (۲) آپ ﷺ کے وہ ارشادات اور آپ کی وہ تمام قولی و عملی ہدایات و تعلیمات جو آپ، اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول، اس کی کتاب کے معلم و شارح اور اس کی مرضی کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے امت کو دیتے تھے، آپ کی تعلیمات و ہدایات کے اس حصہ کا نام و عنوان ”حدیث اور سنت“ ہے۔

نبی کریم ﷺ تو اپنی عمر طبعی گزار کر اس دنیا سے تشریف لے گئے؛ لیکن ہمیشہ کے لیے انسانی دنیا کی رہنمائی کے واسطے اپنی لائی ہوئی تعلیم و ہدایت کے یہ دونوں سلسلے یعنی قرآن کریم اور حدیث شریف اپنے پیچھے چھوڑ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے ذریعہ روشنی اور ہدایت عام کرنے کے ہر دور میں ظاہری و باطنی انتظامات فرمائے، کہ یہ غور و تدبر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی اور حضرت نبی کریم ﷺ کے معجزوں میں سے ایک زندہ معجزہ ہے۔

ان ہی خداوندی انتظامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس دور میں کتاب و سنت کی جس قسم کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کے دلوں میں اس کا داعیہ پیدا کر کے ان کو اس کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں، عہد نبوی سے لے کر اس وقت تک قرآن شریف و حدیث نبوی کی خدمتیں جن جن مختلف شکلوں میں انجام دی گئی ہیں،

اگر کوئی تفکر کی نگاہ سے دیکھے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ جو کچھ ہوا، ہر دور کی ضرورتوں کا ایک خداوندی انتظام تھا اور ہے، اور جن بندوں کے ذریعہ ہوا وہ صرف اور صرف آلہ کار ہیں:

کارِ زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقان
مصلحتِ راتیمتے برآ ہوئے چیس بستہ اند

ترجمہ: درحقیقت مشک آگیاں خوشبو بکھیرنا تیری ہی زلفوں کا کمال ہے؛ لیکن یاروں نے کسی مصلحت سے یہ الزام غزالانِ دشت (جنگل کے ہرن) پر لگا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اسی دور میں اپنے ایک ناتواں بندے سے حدیثِ نبوی کی ایسی خدمتیں کرائیں جن کی اس دور میں ضرورت تھی، اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ حدیث کے اصلاحی مضامین ہیں، جس کا پس منظر اور تکمیل کی کارگزاری آگے آرہی ہے۔

اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں اظہارِ شکر و مسرت کے لیے سجدہ ریز ہوں کہ اپنے ناتواں اور نااہل بندے سے ایک اہم کام لے لیا، یہ موقع انتہائی خوشی و مسرت کا ہے، اس موقع پر خوشی کے اظہار کی اصل موجود ہے، اور اکا بر علمائے امت کا تعامل بھی۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

تکمیل پر اظہارِ مسرت کی اصل

تاریخ اسلام میں ایسے مبارک دنوں کی کمی نہیں تھی جن کی خوشی ہر سال اجتماعی طور پر منائی جاسکے، دنیا ہی کا نہیں اس پوری کائنات کا سعید ترین دن وہ تھا جس میں سرورِ کائناتِ فخرِ دو عالم حضرت نبی کریم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، یا وہ دن تھا جس میں آپ ﷺ کو نبوت کا عظیم منصب عطا فرمایا گیا، اور دنیا کے لیے آخری پیغام ہدایت قرآن کریم کی شکل میں نازل ہونا شروع ہوا، اس دن کی عظمت بھی ہر شک و شبہ

سے بالاتر ہے جس میں آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو اپنا مستقر بنا کر پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی، اسی طرح اس دن کی شان و شوکت کا کیا ٹھکانہ جس میں آپ ﷺ کے تین سوتیرہ نہتے جاں نثاروں نے بدر کے میدان میں باطل کے مسلح لشکر کو شکستِ فاش دی اور جسے خود قرآن کریم نے ”یوم الفرقان“ (یعنی حق و باطل کے درمیان امتیاز کا دن) قرار دیا، اس دن بھی مسلمانوں کی بے انتہا فرحت و مسرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور کعبہ کی چھت سے پہلی بار حضرت بلالؓ کی اذان گونجی؛ غرض آں حضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں ایسے جگمگاتے ہوئے دن بے شمار ہیں جنہیں مسلمانوں کے لیے جشنِ مسرت کی بنیاد بنایا جاسکتا تھا؛ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حضور سرورِ دو عالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ہر دن عظیم تھا، جس میں مسلمانوں کو کوئی نہ کوئی دینی یا دنیوی دولت نصیب ہوئی۔

لیکن اسلام کی یہ شانِ نرالی ہے کہ، پوری امت کی سالانہ عید مقرر کرنے کے لیے ان میں سے کسی دن کا انتخاب نہیں کیا گیا، اور دینی طور پر مسلمانوں کی لازمی سالانہ عید مقرر کرنے کے لیے یکم شوال اور ۱۰/ذی الحجہ کی تاریخیں منتخب کی گئیں، جن سے بظاہر تاریخ کا کوئی امتیازی واقعہ وابستہ نہیں تھا؛ بلکہ یہ دو دن ایسے مواقع پر مقرر کیے گئے جن پر پوری امت ایک ایسی اجتماعی عبادت کی تکمیل سے فارغ ہوتی ہے جو سال میں ایک بار ہی انجام دی جاتی ہے، عید الفطر اس وقت منائی جاتی ہے جب مسلمان رمضان المبارک میں نہ صرف روزوں کی تکمیل کرتے ہیں؛ بلکہ اس مقدس مہینے کے ایک تربیتی دور سے گذر کر اپنی روحانیت کو جلا بخشنے ہیں، اور عید الاضحیٰ اس وقت منائی جاتی ہے جب ایک دوسری سالانہ عبادت یعنی حج کی تکمیل ہوتی ہے، اور لاکھوں

مسلمان عرفات کے میدان میں اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعائیں کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کر چکے ہوتے ہیں، اور جو لوگ براہ راست حج میں شریک نہیں ہو سکے وہ قربانی کی عبادت انجام دیتے ہیں۔ اس طرح اسلام نے اپنے پیروں کے لیے سالانہ عید منانے کے واسطے کسی ایسے دن کا انتخاب نہیں کیا جو ماضی کے کسی یادگار واقعہ سے وابستہ ہو، اس کے بجائے مسلمانوں کی عید ایسے واقعات سے وابستہ کی گئی ہے جو تکمیل عبادت سے متعلق ہے۔

اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دینا: اس آیت کے نزول کی خاص شان ہے: عرفہ کا دن ہے جو تمام سال کے دنوں میں ”سید الايام“ ہے، اور اتفاق سے یہ عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا جس کے فضائل معروف ہیں، مقام میدان عرفات کا جبل رحمت کے قریب ہے جو عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول رحمت کا خاص مقام ہے، وقت عصر کے بعد کا ہے جو عام دنوں میں بھی مبارک وقت ہے، اور خصوصاً یوم جمعہ میں کہ قبولیت دعا کی گھڑی بہت سی روایات کے مطابق اسی وقت آتی ہے، اور عرفہ کے روز اور زیادہ خصوصیت کے ساتھ دعائیں قبول ہونے کا خاص وقت ہے، حج کے لیے مسلمانوں کا سب سے بڑا پہلا عظیم اجتماع ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہیں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ جبل رحمت کے نیچے اپنی نافتہ عضباء پر سوار ہیں، اور آپ حج کے بڑے رکن یعنی وقوف عرفات میں مشغول ہیں؛ ان فضائل و برکات اور رحمتوں کے سایہ میں یہ آیت کریمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

ایک مرتبہ چند علمائے یہود حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور عرض کیا کہ: تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول پر ایک ”جشنِ عید“ مناتے، فاروقِ اعظمؓ نے سوال کیا کہ: وہ کونسی آیت ہے؟ انھوں نے یہی آیت الیوم اکملت لکم دینکم پڑھ دی، حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ: ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی؟ اشارہ اسی بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے لیے دوہری عید کا دن تھا: ایک عرفہ، دوسرے جمعہ۔

اس کائنات میں اکمالِ دین اور اتمامِ شریعت کے مبارک دن سے کوئی بڑا بابرکت دن نہیں ہو سکتا، اس مسعود دن میں حضراتِ صحابہ کرامؓ بے حد مسرور و خوش ہوئے، تفسیرِ رازی وغیرہ کے الفاظ ہیں: روي أنه والله ﷺ لما قرأ هذه الآية على الصحابة فرحوا جدا وأظہروا السرور العظيم یعنی بیان کیا گیا ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے جب آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم پڑھ کر سنائی، تو صحابہ رضی اللہ عنہم خوش ہوئے اور بے حد مسرت کا اظہار فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی دینی نعمت کے حصول پر مختلف انداز سے مسرت کا اظہار صرف جائز ہی نہیں؛ بلکہ امرِ مستحسن ہے۔ نبی کریم ﷺ کے مبارک ارشادات اور قولی و عملی ہدایات و تعلیمات، قرآن مجید ہی کی شرح و بیان ہے۔ آج احادیثِ مبارکہ کا ایک مستند مجموعہ (ریاض الصالحین اور اس کی تشریح) پایہ تکمیل کو پہنچا، اس پر ہم جتنے خوش ہوں کم ہے۔

حضرات اکابر کا معمول

متقدمین نے ایسے مبارک مواقع پر مختلف انداز سے خوشی کا اظہار کیا، کتب

تواریخ و سیر میں کسی تصنیف کی تکمیل پر جشن منانے کے واقعات موجود ہیں، اکابر علمائے دیوبند، ہمارے سلسلے کے بزرگوں اور موجودہ اکابر کے واقعات میں بھی کسی کتاب کے اختتام پر اظہار مسرت اور انعقادِ تقریب کے دل چسپ نمونے موجود ہیں جو ہمارے لیے بہترین اسوہ ہیں۔

تکمیلِ بذلِ المجہود پر حضرت سہارن پوریؒ کا اظہار مسرت اور دعوت

(۱) سنن ابی داؤد کی بے شمار شروحات لکھی گئی ہیں، جن میں مختصر اور مفصل ہر طرح کی شروح موجود ہیں؛ لیکن دورِ آخر میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ ثم مہاجر مدنیؒ نے ”بذلِ المجہود“ کے نام سے جو شرح لکھی ہے، وہ اپنی جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ ”بذلِ المجہود“ مکمل ہونے پر حضرت سہارنپوریؒ کس قدر مسرور تھے اس کا اندازہ حضرت مولانا محمد عاشق الہی میرٹھیؒ کی تحریر سے کیجیے، فرماتے ہیں:

”بذل کے ختم پر حضرت کو اس درجہ مسرت و خوشی ہوئی کہ جس کا مقابلہ دنیا کی بڑی سے بڑی خوشی نہیں کر سکتی، ہفت اقلیم کی سلطنت کا ملنا انتہائے خوشی کا محاورہ استعمال کیا جاتا ہے؛ مگر اہل اللہ کو دنیوی لذتوں کے حصول میں تو خوشی مفقود ہو جاتی ہے؛ اس لیے میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے حضرت کی اس خوشی کا اندازہ ناظرین کو کر سکوں۔“

آپ نے ختم پر ۲۳ شعبان یوم جمعہ کو علمائے مدینہ اور احباب حاضرین کی ضیافت کا سامان کیا، اور خاص اپنے پیسہ سے اور بڑے اہتمام کے ساتھ عربی طرز کی ضیافت کا سامان کیا، کہ آپ کا رُواں رُواں شکرِ الہی میں چور اور انعامِ باری تعالیٰ پر اتنا فرحان و مسرور تھا کہ اس کا اندازہ وہیں کے رہنے والے حاضر باش حضرات نے کیا

ہوگا۔ آپ نے دعوت کے خطوط طبع کرائے اور ایک بڑے پیمانہ پر ”جیرانِ رسول“ کی میزبانی کا شوق پورا کیا۔

اس خوشی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ان دعوتی خطوط میں حضرت نے اپنے ہندی خدام کو بھی فراموش نہ فرمایا، اور ہر چند کہ سمندر پار شرکت محال تھی؛ مگر اس اطلاع کے لیے کہ حق تعالیٰ نے یہ مبارک وقت دیکھنا نصیب فرمایا جس کی بہ ظاہر اسباب کوئی توقع نہ تھی، اس کی خوشی میں اپنے جن دوستوں کو ہندوستان رہتے وقت شریک دعوت فرماتے، ان کو بھی خطوط بھیجے کہ تصور و خیال میں تو وہ شریکِ ضیافت تھے ہی، چنانچہ بندہ ناچیز کو بھی دعوتی خط بھیجا اور تحریر فرمایا کہ:

”گذشتہ ہفتہ میں بحمد اللہ ”بذل المجہود“ کی پانچویں جلد سے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فراغت ہو گئی، فالحمد لله علی ذلک۔ بدھ کو اختتام ہوا، اور جمعہ کو مدینہ منورہ کے علما و فضلا کی دعوت کا جلسہ قرار پایا۔ بہ جز کھانے کے اور کسی تقریر وغیرہ کا نظم نہیں کیا گیا؛ البتہ دعوتی خطوط طبع کیے گئے، جو آپ حضرات کی مسرت کے لیے آپ کے پاس بھی ارسال ہیں۔“

مولانا سید احمد صاحب مہاجر فیض آبادی نے۔ جن کے مکان پر حضرت کا قیام تھا اور وہ حضرت کی اس روحانی مسرت کا پہلے سے خوب اندازہ فرما رہے تھے۔ بندہ کو اس طرح تحریر فرمایا:

”تعلیق ابودود قریب الختم ہے، حضرت مدظلہ کی طرف سے سب خدام کی دعوت ہوگی، کاش! آپ بھی رونق افروز ہوتے۔ غالب گمان ہے کہ ۲۵ ر شعبان سے پہلے ختم ہو جائے گی؛ لہذا اس تاریخِ مذکورہ تک عریضہ پہنچنا تو مشکل

معلوم ہوتا ہے: اس لیے جب بھی عریضہ پہنچ جائے آپ اس خوشی کی دعوت کی نیت سے اچھے اچھے کھانے گھر میں پکوا کر سب گھر بھر مل کر کھا لیجیے۔ ہم دور افتادوں کو بھی یاد کر لیجیے، جس طرح کہ ہم آپ کو یاد کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ فقط“

بہر حال! اس خوشی کے وقت حضرت نے اپنے اُن خدام کو جو نظروں سے دور تھے؛ مگر دل سے دور نہ تھے، اس طرح شریک کیا کہ دعوتی خطوط ہر ایک کے نام جدا جدا آئے، اور لکھا کہ خیالی شرکت تم صاحبوں کی ضرور ہے، اور مسرت کے لیے خطِ مطبوعہ ارسال ہے۔ وہ مطبوعہ خط جو مدینہ منورہ کے مطبعة طيبة القيحاء میں طبع ہوا، اور مدعو کا نام قلم سے لکھنے کے لیے جگہ چھوٹی ہوئی تھی، یہ تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده

حضرت الشيخ.....المحترم مدفوضهم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

وبعد: فقد من الله على الداعي أن منحه بتأليف بذل المجهود في حل أبي داود، وجعل ختامه ببلدة صاحب المعجزات عليه وعلى آله أفضل الصلوات وأزكى التسليمات، جعله الله خالص الوجه الكريم ونفع به الإسلام والمسلمين آمين.

فنؤمل تشریفکم بعد صلاة الجمعة في ۲۳ شعبان ۱۳۲۵ھ إلى مدرسة العلوم الشرعية الكائنة في زقاق البدور لثناول ماحضر؛ إتما ماللم سررة بقدمكم وشكر الله تعالى. والسلام

داعیکم: خادم الطلبة خلیل أحمد عفی عنہ

ترجمہ: سلام کے بعد! عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس داعی پر احسان فرمایا کہ ”بذل الجہود فی حل ابی داؤد“ کی تالیف عطا فرمائی اور اُس کا اختتام صاحب معجزات صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں قرار دیا، اللہ تعالیٰ اس کو صرف اپنی کریم ذات کے لیے قرار دیں اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچائیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ۲۳ شعبان ۱۴۲۵ھ جمعہ کی نماز کے بعد ”مدرسۃ العلوم الشرعیۃ“ واقع گلی زقاق البدور میں ماہر تناول فرمانے کے لیے تشریف لائیں؛ تاکہ آپ کی تشریف آوری سے مسرت کی تکمیل ہو اور حق تعالیٰ شانہ کا شکر ادا ہو۔

والسلام

الداعی: طلبہ کا خادم خلیل احمد عنفی عنہ

لامع الدراری کی تکمیل پر حضرت شیخ کی شادمانی

حضرت سہارنپوری کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا کہ، بقیۃ السلف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ۔ جو اکابر علمائے دیوبند کی ایک ایک ادھر قربان ہونے کو اپنی سعادت جانتے تھے۔ نے جب ۱۳۸۸ھ میں ”لامع الدراری علی جامع البخاری“ پر تعلیقات کا اختتام کیا (یہ لامع حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے افادات درس بخاری ہیں، حضرت گنگوہیؒ نے آنکھوں میں نزولِ آب کی حالت میں حضرت مولانا بیگی صاحبؒ کو صحاح ستہ پڑھائی تھی، اس کی تقریر کو حضرت مولانا نے درس کے بعد عربی زبان میں محفوظ کر لی تھی، جس کو بعد میں حضرت شیخ نے اپنے قیمتی حواشی اور وجیز مقدمہ کے ساتھ مزین کر کے طبع فرمایا تھا۔ اس موقع پر حضرت شیخؒ نے بڑی مسرت کے ساتھ یہ طورِ شکرانہ شاندار دعوت کا اہتمام فرمایا تھا۔

تکملہ فتح الملہم کی تکمیل پر شیخ الاسلام کا سرور و ابہتاج

۱۴۱۵ھ میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے صحیح مسلم کی نادر المثال شرح (فتح الملہم) کی تکمیل فرمائی، تو جامع مسجد دارالعلوم کراچی میں انظہارِ تشکر و مسرت کے طور پر تاریخی تقریب منائی، جس میں بڑے بڑے علما موجود تھے، جنہوں نے حضرت مولانا عثمانی کو مبارک بادیاں پیش فرمائیں اور خود حضرت نے ”ایک خوشی کا واقعہ“ سے اس پر مضمون لکھ کر ”جنگ“ اخبار میں شائع کروایا، جو بعد میں ”فکرو نظر“ کے مجموعہ مضامین میں شامل کیا گیا۔ وہ اپنے اس مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے نام پر ۱۹۷۶ء میں اس شرح کی تکمیل کا کام شروع کیا تھا، ”تکملہ فتح الملہم“ کے نام سے اس کی چار ضخیم جلدیں اب تک شائع بھی ہو چکی ہیں، اپنی گونا گوں مصروفیات کی بنا پر میں بہ مشکل ڈیڑھ، دو گھنٹہ یومیہ اس کام میں صرف کر پاتا تھا اور پے در پے سفروں کی وجہ سے بچ مہینے طویل وقفے بھی آجاتے تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اٹھارہ سال نو مہینے کے بعد اس ہفتے [۳ اگست ۱۹۹۴ء کو] یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا، ایک طویل سفر کے مسافر کو منزل پر پہنچ کر جو سرور اور سکون میسر آتا ہے دل نے چاہا کہ اپنے قارئین کو بھی اس کی مسرت میں شریک کروں الخ“

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی دامت برکاتہم تو مارے خوشی کے بے تحاشا رو پڑے، چنانچہ فرماتے ہیں:

جس دن انہوں نے یہ کام (تکملہ فتح الملہم) مکمل کیا، ظہر سے پہلے کا کچھ

وقت تھا، یہ (مؤلف مدظلہ) خوشی خوشی سارے مسودے اٹھا کر میرے پاس تشریف لائے، جب انہوں نے یہ سارے رجسٹر میرے سامنے رکھے تو میں بے تحاشا رو پڑا، کہ آج دنیا میں اس کی قدر کرنے والے شاذ و نادر ہی رہ گئے، آج ان اکابر کا سایہ بھی ہمارے سروں سے اٹھ چکا ہے جن کی تمنائیں بار آور ہوئیں۔“

بہر حال! ریاض الصالحین کی اس شرح کی تکمیل پر خوشی کا اظہار ایک فطری امر ہے، اس سلسلہ میں بھی مذکورہ اکابر کے نمونے ہمارے سامنے ہیں، احقر نے چوں کہ اس شرح میں جگہ جگہ ہمارے اکابر کے واقعات ملفوظات کا سہارا لیا ہے، ان سے استدلال کیا ہے؛ اس لیے خاتمہ میں بھی ان کا مبارک اسوہ ذکر کیے بغیر رہا نہیں جاتا۔ حاشا وکلاً ان واقعات سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ ”حدیث کے اصلاحی مضامین“ ان کی کتب کے ہم پلہ ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

کارِ پاک را قیاس از خود مگیر	اگر چہ مانند درنوشتن شیر و شیر
------------------------------	--------------------------------

پاک حضرات کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس مت کر، اگر چہ لکھنے میں شیر اور شیر ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں؛ لیکن شیر آدمی کو کھاتا ہے، اور شیر (دودھ) کو آدمی استعمال کرتا ہے۔ ”بذل الجھوذ“ سے صرف ظاہری اتنی مناسبت ہے کہ ”بذل“ کی تکمیل مدینہ منورہ کی مبارک فضا میں ہوئی اور احقر کی اس کتاب کا آخری درس مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ و سلاماً کے صحن میں لکھا گیا، کیا بعید ہے کہ باری تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بابرکت جگہ میں بابرکت بندوں کے ساتھ مشابہت کو قبول فرما کر نوازدیں۔

تیرے خلیل کی یارب! شبابہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

کتاب کا پس منظر

سیدی و مولائی فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی وفاتِ حسرت آیات (۱۴۱۹ھ) کے بعد سورت میں مقیم معتقدین و منتسبین خصوصاً محب مکرم مولانا محمد علی منیار زید مجدہم و مکارمہم (مجاز حضرت فقیہ الامتؒ) کا تقاضا و اصرار ہوا کہ، کسی ایک دن آپس میں مل بیٹھنے کی کوئی صورت نکالی جائے، اپنی نااہلیت کی بنا پر کچھ عرصہ تک اس کو عملی جامہ پہنانے میں تردد رہا، اسی دوران حضرت اقدس قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ (م ۱۴۱۹ھ) کا ورودِ مسعود ہوا، حضرت فقیہ الامت کے وصال کے بعد اہم امور میں احقر حضرت باندوی کی طرف رجوع کرتا تھا، احقر نے حضرت کا عندیہ معلوم کرنے کی غرض سے احباب کی مذکورہ خواہش اور اصرار کا تذکرہ کیا، تو حضرت نے بڑی حوصلہ افزائی کے ساتھ تاکید فرمائی کہ یہ سلسلہ ضرور شروع کیا جائے اور خوب دعائیں دیں، اس کے بعد کچھ ڈھارس بسندھی اور ہمت کر کے شب یکشنبہ مل بیٹھنے کے لیے طے ہوئی۔ یہ رات طے کرنے کی وجہ لوگوں کی سہولت ہے، کاروباری اور ملازم حضرات عام طور پر اتوار کو فارغ ہوتے ہیں؛ اس لیے رات کو صبح کام کاج پر جانے کا فکر نہیں ہوتا ہے، اس پروگرام میں عشاء کی نماز کے بعد ”ریاض الصالحین“ سنانا طے پایا، نیت یہ تھی کہ احباب کی معیت میں دین کی باتوں کے مذاکرہ سے خود بھی مستفیض ہوں گا۔ اس مجلس میں ہونے والے حدیث کے مضامین کو بہ ذریعہ کیسٹ ضبط کرنے کا اہتمام دوسری مجلس ہی سے عزیز مکرم مولوی

عبدالمنان بن شیخ محمد منیار صاحب سلمہ (فاضل جامعہ ڈابھیل) نے کیا، جس کا سلسلہ اخیر تک برابر جاری رہا۔ اس وقت عزیز موصوف ہی نے بعض احباب کی حوصلہ افزائی اور ترغیب پر ان مجالس کو کیسٹ میں (اور بعد میں سی ڈی میں) محفوظ کر کے بہ عرض افادہ اس کو بالاقساط اشاعت کی خواہش ظاہر کی تھی، اور دیگر احباب نے بھی ان کی تائید کی، غور و خوض کے بعد اپنے لیے باعثِ جِرد و ثواب اور ذریعہ نجات سمجھ کر احقر نے بھی اشاعت کی اجازت دے دی تھی، الحمد للہ یوں یہ سلسلہ جلد پندرہ پر اپنی انتہاء کو پہنچا۔

تشکر و امتنان

”ریاض الصالحین“ شروع کرتے وقت دُور دور تک وہم و گمان بھی نہیں بھتا کہ آئندہ اسے محفوظ و مطبوع شکل دی جائے گی، اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام کے تحت جب یہ کام وجود میں آ ہی گیا تو:

اولاً: اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے اپنے بعض بندوں کے دلوں میں کتاب کے مضامین ضبط کر کے تنقیح و تہذیب کی توفیق بخشی؛ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ احقر کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

ثانیاً: نبی کریم ﷺ کے پاک کلام کی برکت ہے، کہ جس کی تاثیر نے سامعین اور احباب کو متاثر کیا۔

ثالثاً: حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ کی توجہات اور دعاؤں کی برکت جن کے ارشاد؛ بلکہ حکم سے یہ مبارک سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ اسی طرح حضرت اقدس سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاچپوریؒ کی دعا کی برکت ہے جو جلد اول کی تقریظ میں مرقوم ہے کہ: ”اللہ کرے کہ بقیہ قسطیں بھی جلد از جلد منظر عام پر آویں۔“

کتاب کے مضامین ضبط کرنے سے قابل طباعت بنانے میں جن جن احباب نے معاونت کی ہے ان کی فہرست طویل ہے، احقر ان تمام حضرات کا دل سے شکر گزار ہے، بالخصوص عزیز مکرم مولوی عبدالمنان بن شیخ محمد نیار سلمہ، سورتی کا، کہ موصوف نے شروع سے اخیر تک مضامین کی کتابت، تہذیب اور تیاری میں بہ طور خاص جس عرق ریزی کا مظاہرہ کیا ہے، اور جس قابلیت اور سلیقے کے ساتھ عناوین قائم کرنے میں محنت کی ہے، ان کو خراج تحسین پیش نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی۔

اسی طرح عزیز مکرم مفتی محمد طاہر سلمہ، سورتی (فاضل جامعہ ڈابھیل) کا ممنون ہوں کہ ہر جلد کی ابتدا میں ادارہ تحریر کر کے اس جلد کے مضامین کا لب لباب اور عطر کشیدہ پیش کرنے میں غیر معمولی محنت اٹھائی ہے۔ اسی طرح دیگر مخلصین و محبین حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کسی بھی نوع کا تعاون پیش کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کو علم، عمر اور عمل میں ظاہری و باطنی ترقیات سے مالا مال فرمائے، اور ان کو صدق و اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کی بیش از بیش توفیق ارزانی نصیب کرے۔ میرے جن بزرگوں اور اہل علم نے کتاب پر تقارین لکھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے، اُن کا بھی دل کی گہرائی سے ممنون ہوں کہ اُن حضرات نے احقر کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہوئے میری حیثیت سے بڑھ کر وقیع کلمات تحریر فرما دیے ہیں۔

فجزاهم اللہ تعالیٰ خیراً و أحسن الجزاء فی الدارین

اپنے ناقص الفاظ میں دعا دینے کے بہ جائے دعا کرتا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ تمام محسنین کو احادیث کی حفاظت اور نشر و اشاعت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے حسدِ لیل الفاظ مبارک اور مقبول دعا کا مصداق بنائے:

نَصَّرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فحفظها ووعاها وأداها (اللہ تعالیٰ اُس بندہ کو تروتازہ رکھے) (یعنی اُس کی قدر و منزلت بڑھائے اور دین و دنیا میں اُس کو بہت زیادہ خوش و خرم رکھے) جس نے میری بات (حدیث) سنی، اور پھر اس کو یاد کیا اور ہمیشہ یاد رکھا اور پھر اس کو جس طرح سنا تھا اُسی طرح لفظ بہ لفظ دوسرے لوگوں تک پورا پورا پہنچایا (یعنی الفاظِ حدیث کی بھی روایت کی اور اُس کے معنی و مراد اور مطالب بھی بتائے اور سمجھائے)۔

من حفظ علی امتی أربعین حدیثاً من أمر دینهم بعثہ اللہ یوم القیامۃ فقیہا عالماً (جو شخص میری امت کے لیے امورِ دین سے متعلق چالیس حدیثیں حفظ کر لے، بروز قیامت اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو طبقہ علماء و فقہاء کے زمرے میں سے اٹھائے گا)۔

سیدنا انسؓ کی ایک دوسری روایت میں یوں مذکور ہے کہ، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: من حفظ علی امتی أربعین حدیثاً مما یحتاجون إلیہ من الاحلال و الحرام کتبہ اللہ فقیہا عالماً (جو شخص میری امت کے لیے حلال و حرام کے مسائل سے متعلق چالیس ایسی احادیث یاد کرے، جن کی انہیں ضرورت ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عالم اور فقیہ لکھ دے گا)۔

سیدنا ابن عباسؓ کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ، رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا: من حفظ علی امتی أربعین حدیثاً فی السنۃ کنت لہ شفیعا یوم القیامۃ (جو شخص میری امت کے لیے میری سنتوں سے متعلق چالیس احادیث یاد کر لے، بروز قیامت اس کی شفاعت کروں گا)۔

سیدنا عبد اللہ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ شافعِ محشر ﷺ نے فرمایا: من حفظ علی امتی أربعین حدیثاً ینفعهم اللہ بہا قیل لہ أَدْخَلَ مِنْ أٰی أَبْوَابِ الْجَنَّةِ

شئت (جو شخص میری امت کے لیے چالیس احادیث یاد کر لے جس سے اللہ پاک انہیں نفع دے، تو اس سے کہا جائے گا جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جا) وفي رواية ابن عمر: كُتِبَ فِي زَمْرَةِ الْعُلَمَاءِ وَحُشِرَ فِي جَمْعَةِ الشُّهَدَاءِ. حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص میری امت کے فائدہ کے واسطے دین کے کام کی چالیس احادیث یاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو عالموں کی جماعت میں شامل فرمادے گا، اور قیامت کے دن شہیدوں کی جماعت میں اٹھائے گا۔

من حفظ... كنْتُ له يوم القيامة شافعاً وشهيداً. (شعب الإيمان) جو شخص میری امت کے فائدہ کے واسطے دین کے کام کی چالیس احادیث یاد کرے گا، میں اس کے لیے سفارشی اور گواہ بنوں گا۔

(الروایات فی هذا الباب كثيرة بألفاظ مختلفة، انظر: كنز العمال، الباب الثالث فی آداب العلم، وفيه فصلان: الفصل الأول فی رواية الحديث وآداب الكتابة)

اعتذار

اس کتاب کے مطالعہ کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے؛ بلکہ احباب کی مجلس میں بہ نیتِ درس کی ہوئی باتیں ہیں جو کیسٹوں اور سی ڈی کی مدد سے تیار کی گئی ہیں؛ لہذا اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابي ہے، خطاب برجستہ ہوتا ہے، جب تقریر مرتب کر کے لائی گئی تو اگرچہ اس پر نظر ثانی کی گئی ہے، پھر بھی اس میں ایک بشر ہونے کے ناطے زبانی تعبیر کی کمزوری رہنا مستبعد نہیں؛ بلکہ مسامحات کا ہونا قرین قیاس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب: قرآن مجید کے علاوہ کسی بھی کتاب کے بارے میں تسامح سے خالی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

امام مزنی فرماتے ہیں: میں نے کتاب الرسالہ کو حضرت سیدنا امام شافعیؒ کی خدمت میں اُسی سے زائد بار پڑھا، اسی دوران آپ ہر بار کسی نہ کسی غلطی پر مطلع ہوتے رہے، یہاں تک کہ بالآخر تھک کر فرمانے لگے: ہییہ! ابی اللہ اُن یَکون کتابا صحیحا غیر کتابہ۔ لہذا اس کتاب میں کسی صاحب کو غلطی نظر آئے تو مطلع و نہر ما کرمون فرمائیں، احقر ایسے حضرات کو اپنا محسن سمجھے گا، اور ان کے شکریہ کے ساتھ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح و تدارک کی کوشش کی جائے گی ان شاء اللہ۔ سرِ دست اس وقت دو تسامح کی نشان دہی کی جاتی ہے:

(۱) جلد ششم (ص: ۲۵۷) میں ”باب زیارة اهل الخیر و مجالستہم و صحبتہم و محبتہم“ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کے واقعہ میں ایک عنوان ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گوشالی“ نام سے ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کے لیے گوشالی کا لفظ مناسب نہیں، اس سے سوئے ادب کی بو آتی ہے، آئندہ ایڈیشن میں ان شاء اللہ یہاں عنوان میں یہ ترمیم کی جائے گی: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کو من جانب اللہ سبق“۔

(۲) اسی جلد میں ص: ۲۵۵ میں چھپا ہے:

”حُفْب“ یہ ”حُقْبَةُ“ کی جمع ہے، تیس سال کو کہا جاتا ہے۔ اور ”حُقْبَةُ“ جمع ہے، اور عربی میں جمع کا صیغہ کم سے کم تین پر بولا جاتا ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ایک سو بیس سال ہو جاتے ہیں۔ انتھی۔

آئندہ ایڈیشن میں ان شاء اللہ حسب ذیل ترمیم ہوگی:

حقباً، حقبة کی جمع ہے، اہل لغت نے کہا کہ: ”حُقْبَةُ“ اُسی سال کی مدت

ہے، بعض نے اُس سے زیادہ کو ”حُفْبَةُ“ قرار دیا، صحیح یہ ہے کہ زمانہ دراز کو کہا جاتا ہے،
تحدید و تعین کچھ نہیں۔ (معارف القرآن، سورہ کہف ۶۰۹/۵)

آخری گزارش

سنائے کہ بعض احباب ”حدیث کے اصلاحی مضامین“ کو مساجد و مجالس میں
سنانے کا اہتمام کرتے ہیں، جب کہ بعض مدرسین ”ریاض الصالحین“ کے مطالعہ میں
اس سے استفادہ کرتے ہیں، متعدد حضرات نے رو بہ رو اور بذریعہ فون کتاب کے
مضامین کی افادیت کا اظہار بھی فرمایا، فللہ الحمد والممنۃ۔ ایسے تمام باتو فیت ناظرین و
سامعین سے گزارش ہے کہ: کتاب کا مطالعہ و سماعت خالص علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا
جائے؛ بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لیے اور
عمل و ہدایت اور اپنی اصلاح کی نیت سے کیا جائے، نیز مطالعہ کے وقت نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں ضرور مستحضر و متصور کیا جائے، اور اس طرح ادب
و توجہ سے پڑھا جائے، سنا جائے کہ گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں حاضر
ہیں، اور آپ ارشاد فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں؛ اگر اس کا اہتمام کیا گیا تو اس کے
انوار و برکات روز روشن کی طرح ان شاء اللہ نقد نصیب ہوں گے۔ وبالله التوفیق۔

دل سے دعا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کتاب کے مضامین کو ہم سب کے لیے مفید و نافع
بنائے، اور آخرت میں ذخیرہ و نجات کا ذریعہ بھی۔ آمین بحر مہ سید المرسلین
وصلی اللہ علیہ و علی آلہ و أصحابہ أجمعین۔

املاہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

۳۰ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ قبیل الجمعہ

”حدیث کے اصلاحی مضامین“ کی تمام جلدوں کی

اجمالی فہرست

جلد اول (۱)

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	اخلاص	۳۳
۲	توبہ	۹۵
۳	صبر	۲۱۳

جلد دوم (۲)

۱	صدق	۳۱
۲	مراقبہ	۵۷
۳	تقویٰ	۱۳۱
۴	یقین و توکل	۱۶۳
۵	استقامت	۲۳۷
۶	خدا کی مخلوق میں غور و فکر	۲۶۱
۷	نیکی کی طرف لپکنا	۲۶۷
۸	مجاہدہ	۳۲۷

جلد سوم (۳)

۴۷	اخیر عمر میں نیکیوں کی کثرت	۱
۶۳	نیکی کے راستے بہت ہیں	۲
۱۱۵	عبادات میں درمیانی راہ	۳
۱۷۵	اعمال کی پابندی	۴
۱۹۱	سنّتوں کا اہتمام	۵
۲۵۱	حکم الہی کی تابعداری	۶
۲۷۵	بدعات سے ممانعت	۷
۳۰۱	کسی نیک یا برے عمل کی بنیاد ڈالنا	۸
۳۲۱	بھلائی کی طرف رہنمائی	۹
۳۴۳	نیکی اور تقویٰ میں مدد و تعاون	۱۰
۳۵۹	خیر خواہی اور بھلائی	۱۱
۳۷۱	بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا	۱۲
۴۲۹	قول اور عمل میں تضاد پر سخت سزا	۱۳

جلد چہارم (۴)

۳۳	ادائے امانت کی تاکید	۱
۱۱۱	ظلم کی حرمت	۲
۱۸۴	مسلمانوں کی عزتوں کا احترام	۳
۲۷۲	پردہ دری کی ممانعت	۴
۲۸۹	مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کرنا	۵
۲۹۶	سفارش کرنا	۶
۳۱۱	آپس کے تعلقات درست کرنا	۷
۳۸۱	نخستہ حال مسلمانوں کی فضیلت	۸

جلد پنجم (۵)

۳۳	یتیم اور لڑکیوں کے ساتھ نرم روی و مہربانی	۱
۱۰۵	عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید	۲
۲۲۱	بیوی پر شوہر کے حقوق	۳
۲۴۴	اہل و عیال پر خرچ کرنا	۴
۲۹۵	محبوب اور عمدہ چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا	۵
۳۱۱	تعلیم و تربیتِ اولاد	۶
۳۵۱	پڑوسیوں کے حقوق کی تاکید	۷

جلد ششم (۶)

۲۹	والدین کی نافرمانی اور رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرنے کی حرمت	۱
۱۱۵	والدین کی نافرمانی اور رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرنے کی حرمت	۲
۱۳۷	والدین، رشتہ دار اور بیوی کے تعلق والوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید	۳
۱۵۹	اہل بیت کے اکرام کی فضیلت	۴
۱۸۹	علماء، بڑوں اور فضل و کمال والوں کا احترام و تعظیم کرنا	۵
۲۴۷	نیک لوگوں کی زیارت اور صحبت میں جانا اور ان سے محبت رکھنا	۶
۳۱۹	اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھنے کی فضیلت اور اس کی تاکید	۷
۳۷۱	اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت رکھنے کی نشانیاں	۸
۴۰۷	نیک اور کمزوروں کو تکلیف دینے سے اپنے آپ کو بچانا	۹
۴۲۵	ظاہر کے مطابق معاملہ کر و دل کا حال اللہ کے حوالے کرو	۱۰

جلد ہفتم (۷)

۳۳	اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا بیان	۱
۷۷	اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھنے کا بیان	۲
۲۰۹	اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھنے کی فضیلت	۳
۲۲۵	خوف اور اُمید کو جمع کرنا	۴
۲۳۹	اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کی محبت میں رونے کی فضیلت	۵
۲۶۷	دنیا سے بے رغبتی کی فضیلت	۶
۳۷۹	بھوک و فاقہ برداشت کرنا اور سادہ زندگی بسر کرنا	۷

جلد ہشتم (۸)

۳۹	۱	قناعت اختیار کرنا، سوال سے بچنا، معیشت میں میانہ روی
۸۱	۲	بغیر سوال اور اشرافِ نفس کے کوئی چیز ملے؛ اس کو لینا
۸۹	۳	کمانے کے لیے محنت کرنے اور سوال و سوالی جیسی صورت بنانے سے بچنے کی ترغیب
۹۵	۴	سخاوت اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے نیکی کے کاموں میں مال خرچ کرنا
۱۳۹	۵	بخل اور لالچ ملے ہوئے بخل کی مذمت
۱۴۵	۶	ایثار اور غم خواری
۱۵۷	۷	آخرت کے کاموں میں سبقت لے جانے اور برکت والی چیز کو زیادہ حاصل کرنے کا اہتمام کرنا
۱۶۳	۸	شکر گزار مالدار کی فضیلت
۱۸۱	۹	موت کے یاد کرنے اور تمناؤں کو مختصر کرنے کا بیان
۲۱۵	۱۰	مردوں کے لیے قبرستان جانے کا مستحب ہونا، اور وہاں کے اعمال
۲۳۳	۱۱	مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا
۲۴۷	۱۲	احتیاط سے کام لینا اور مشتبہ سے بچنا
۲۷۳	۱۳	خلوت گزینی کا مستحب ہونا
۲۸۳	۱۴	لوگوں سے اختلاط کی شرائط

۲۹۱	تواضع اختیار کرنا	۱۵
۳۳۱	تکبر اور خود پسندی	۱۶
۳۵۳	اچھے اخلاق	۱۷
۳۷۵	حلم، وقار، نرمی	۱۸
۴۲۱	نادانوں کو معاف کرنا اور چشم پوشی سے کام لینا	۱۹
۴۳۵	پہنچائی جانے والی تکلیف کو برداشت کرنا	۲۰
۴۳۹	شعائر دین کی بے حرمتی کے وقت غصہ کرنا	۲۱

جلد نہم (۹)

۳۷	اصحاب اقتدار اپنے ماتحتوں کے ساتھ نرمی اختیار کریں، ان کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ شفقت و محبت کا معاملہ کریں، ان کو دھوکہ نہ دیں، بے جا سختی نہ کریں، ان کی مصالح سے پہلو تہی نہ کریں	۱
۶۱	انصاف سے پیش آنے والا حکمران	۲
۷۵	حاکموں کی اطاعت کے احکام	۳
۱۱۳	عہدہ طلب کرنے کی ممانعت اور اختیاری صورت میں عہدہ قبول نہ کرنا	۴
۱۲۵	بادشاہ اور قاضی وغیرہ حکمرانوں کو اپنے لیے صالح مشیر رکھنے کی ترغیب اور برے ساتھیوں سے بچنے کی تاکید	۵
۱۳۵	شرم کا بیان اور اس کی فضیلت اور شرم اختیار کرنے کی ترغیب	۶
۱۴۵	کسی کے بھید کی حفاظت کرنا، رازداری سے کام لینا	۷
۱۶۵	عہد و پیمان اور وعدہ پورا کرنا	۸
۱۸۷	نیک کاموں کی عادت کو باقی رکھنا	۹
۲۰۵	خوش کلامی اور ملاقات کے وقت چہرے کو مسکراتا ہوا رکھنے کا پسندیدہ ہونا	۱۰
۲۱۷	بات کو مخاطب کے سامنے صاف اور واضح انداز میں کرنا اور اگر بغیر تکرار کے نہ سمجھتا ہو، تو مکرر کرنا	۱۱
۲۲۲	اپنے ہم نشین کی بات کی طرف دھیان دینا اور عالم و واعظ کا حاضرین کو اپنی بات سنانے کے لیے خاموش کرنا	۱۲

۲۲۵	وعظ و نصیحت میں میانہ روی	۱۳
۲۳۵	سنجیدگی اور اطمینان کی عادت	۱۴
۲۴۷	مہمان کا اعزاز و اکرام کرنا	۱۵
۲۷۹	اپنے کسی ساتھی اور دوست کو رخصت کرتے وقت نصیحت کرنا اس کے لیے دعا کرنا اور اس سے دعا کی درخواست کرنا	۱۶
۲۹۵	استخارہ اور مشورہ کرنا	۱۷
۳۲۵	عید کی نماز کے لیے مختلف راستوں سے آنا جانا	۱۸
۳۳۵	ہر اچھے کام میں دائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے	۱۹
۳۵۱	کھانے کے آداب	۲۰
۴۵۹	پینے کے آداب	۲۱

جلد دہم (۱۰)

۲۹	لباس کا بیان سفید لباس مستحب ہے۔ لال، ہرا، پیلا، اور کالا جائز ہے روئی، کتان، بال اور اون کا لباس جائز ہے (مردوں کے لیے) ریشم جائز نہیں	۱
۶۷	گرتے کا استعمال پسندیدہ ہے	۲
۱۱۱	سونے اور لیٹنے کے آداب	۳
۱۳۹	محلس کے آداب	۴
۱۵۹	خواب اور اس سے متعلقہ چیزوں کا بیان	۵
۱۸۱	سلام کے احکام و آداب	۶
۲۳۱	کسی کے یہاں جانے پر اجازت لینے کے احکام و آداب	۷
۲۴۸	چھینک کھانے والے کو جواب دینے کا مستحب ہونا؛ اگر وہ الحمد للہ کہے اگر وہ الحمد للہ نہ کہے تو اس کو جواب نہ دیا جائے اور چھینک کھانے اور جمائی لینے کے آداب	۸
۲۵۳	ملاقات کے وقت مصافحہ کا مستحب ہونا چہرے کو مسکراتا ہوا رکھنا۔ نیک آدمی کے ہاتھ چومنا، اور اپنی اولاد کو محبت سے بوسہ دینا۔ اور اگر کوئی آدمی سفر سے واپس آئے تو اس سے معافہ کرنا اور جھکنے کا ناپسندیدہ ہونا	۹

۲۶۳	بیمار کی خبر گیری اور تیمارداری	۱۰
۳۲۲	نماز جنازہ کا بیان۔ جنازہ کے ساتھ جانا اور تدفین میں شریک ہونا اور عورتوں کا دفن میں شریک ہونا	۱۱
۳۷۳	سفر کے آداب	۱۲

جلد یازدہم (۱۱)

۴۷	قرآن کریم پڑھنے کی فضیلت	۱
۷۶	قرآن پاک کی بعض سورتوں اور آیتوں کے فضائل	۲
۹۳	وضو کی فضیلت کا بیان	۳
۱۰۴	اذان کی فضیلت کا بیان	۴
۱۱۹	نمازوں کی فضیلت کا بیان	۵
۱۹۰	سنن مؤکدہ کی تعداد اور اس کی فضیلت	۶
۲۵۴	یوم جمعہ کی فضیلت، جمعہ کی نماز کا فرض ہونا اور دیگر متعلقات جمعہ کا بیان	۷
۲۷۴	تہجد کی نماز کی فضیلت	۸
۳۱۰	قیام رمضان یعنی تراویح مستحب ہے	۹
۳۱۶	لیلیۃ القدر میں عبادت کی فضیلت اور کونسی رات کے متعلق شب قدر ہونے کی زیادہ امید ہے	۱۰
۳۲۸	مسواک کے فضائل اور فطرت کی باتیں	۱۱
۳۴۳	زکوٰۃ کے واجب ہونے کا مؤکد اور پختہ ہونا	۱۲
۳۷۳	رمضان کے روزوں کا فرض ہونا، روزوں کی فضیلت اور اس سے متعلق دوسری چیزوں کا بیان	۱۳
۴۲۵	روزے کے چند مسائل	۱۴
۴۵۰	حج کا وجوب اور اس کے فضائل	۱۵

جلد دوازدہم (۱۲)

۳۳	کتاب الجہاد جہاد کا وجوب اور اللہ کے راستے میں صبح و شام کی فضیلت	۱
۱۰۷	شہیدوں کی فضیلت اور احکام	۲
۱۱۴	غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت	۳
۱۳۲	فتنوں اور حالات کے زمانہ میں عبادت کرنے کی فضیلت	۴
۱۳۶	باب فضل السماحة في البيع والشراء والأخذ إلخ	۵
۱۵۳	کتاب العلم باب فضل العلم تعلماً وتعلیماً للہ	۶
۱۸۷	اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف اور اس کے شکر کا بیان	۷
۱۹۹	نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا بیان	۸
۲۱۹	ذکر کی فضیلت اور اس کی ترغیب	۹
۲۸۰	صبح اور شام اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر کرنا	۱۰
۳۰۷	دعاؤں کا بیان نبی کریم ﷺ سے منقول مختلف دعاؤں کی فضیلت اور ان کا حکم	۱۱
۳۴۱	دعا کے چند مسائل	۱۲
۳۵۶	بابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْكَرْبِ	۱۳
۳۶۵	اللہ کے نیک بندوں کی کرامتیں اور ان کی فضیلتیں	۱۴

جلد سیزدہم (۱۳)

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	کِتَابُ الْأُمُورِ الْمَنْهَى عَنْهَا غیبت کی حرمت اور زبان کی حفاظت	۳۵
۲	چغلی کسے کہتے ہیں	۱۲۳
۳	دو چہرے والے کی برائی	۱۳۶
۴	جھوٹ کی حرمت کا بیان	۱۴۰
۵	جھوٹی گواہی کی سخت حرمت کا بیان	۱۹۳
۶	کسی متعین شخص یا جانور پر لعنت بھیجنا حرام ہے	۱۹۷
۷	کسی مسلمان کو ناحق گالی دینا حرام ہے	۲۲۴
۸	کسی کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت	۲۳۵
۹	آپس میں بغض اور دشمنی، کینہ اور قطع تعلق کی ممانعت	۲۶۰
۱۰	حسد کی حرمت کا بیان	۲۶۸
۱۱	لوگوں کے احوال کی ٹوہ میں رہنے کی ممانعت	۲۹۰
۱۲	مسلمانوں کو حقیر سمجھنا حرام ہے	۳۱۲
۱۳	کسی مسلمان کو تکلیف اور مصیبت پہنچنے پر خوش ہونے کی ممانعت	۳۱۶
۱۴	ملاوٹ اور دھوکہ کی ممانعت	۳۳۳
۱۵	عہد شکنی حرام ہے	۳۴۰
۱۶	فخر و غرور اور سرکشی کی ممانعت	۳۵۹

۳۷۸	غلام، جانور، عورت اور اولاد کو بغیر سبب شرعی کے سزا دینے کی ممانعت	۱۷
۴۱۵	یتیم کے مال کی حرمت کی تاکید	۱۸
۴۲۳	سود کی سخت حرمت کا بیان	۱۹

جلد چہارم (۱۴)

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	اجنبی اور پرانی عورتوں کو دیکھنے اور بے ریش لڑکوں کی طرف نظر کرنے کی حرمت	۴۵
۲	اجنبیہ کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا حرام ہے	۱۲۳
۳	مردوں کا عورتوں کے ساتھ اور عورتوں کا مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا حرام ہے	۱۳۰
۴	مرد ہو یا عورت؛ سیاہ خضاب کرنے کی ممانعت	۱۴۳
۵	کسی جاندار کی تصویر بنانے کی حرمت اور تصویر کو ختم کرنے کا حکم	۲۲۳
۶	مخلوق کی قسم کھانے کی ممانعت کا بیان	۲۶۰
۷	بے حیائی اور بدزبانی کی ممانعت	۳۰۰
۸	شریعت کی مقرر کی ہوئی سزاؤں کے متعلق سفارش حرام ہے	۳۶۴
۹	باپ کا اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو دوسری اولاد کے مقابلے میں بخشش اور ہدیے کے معاملہ میں ترجیح اور فضیلت دینا	۳۷۷
۱۰	جادو کے سخت حرام ہونے کا بیان	۴۵۱

۴۷۶	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جن کاموں سے منع کیا ہے ان کا ارتکاب کرنے سے ڈرانے کا بیان	۱۱
۴۷۸	کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے منع کئے ہوئے کسی کام کا ارتکاب کرے؛ تو اس کی تلافی کیا ہے؟	۱۲